ادبی خطوطِ غالب

یعنی

ایسے خطوط کا مجموعہ جنمیں مرزا غالب نے نکات ادبیہ حل کیے ہیں، اشعار کے معنی سمجھائے ہیں اور شعراء کے متعلق رائے زنی کی ہے، مع ایک مفید دیباچہ اور ضمیمہ کے جسمیں مرزا غالب کے مکتوب الیہم کے حالات مع انکے نمونہ کلام کے درج ہیں

مرتبۂ
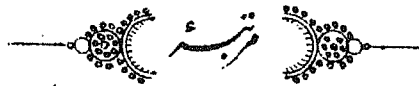
جناب مرزا محمد عسکری صاحب بی۔ اے۔ لکھنوی

سابق ہیڈ ٹرانسلیٹر گورنمنٹ آف انڈیا، مؤلف "تاریخ ادب اردو"
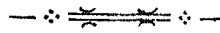
باہتمام محمد جواد مالک و مہتمم مطبع

نظامی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ میں چھپا

۱۹۲۹ء
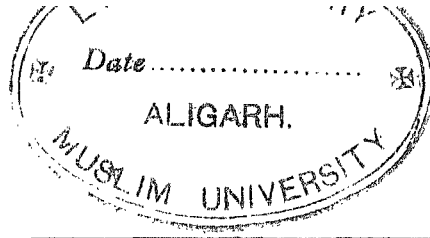
آتے هین غیب سے یهه مضامین خیال مین
غالب صریر خامه نوائے سروش هے

تمہید

چو توئی کجاست شاہے بقلمرو معانی
تو ہیچ کس نماند تو ہیچ کس نمانی
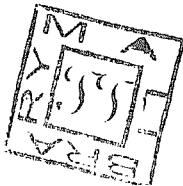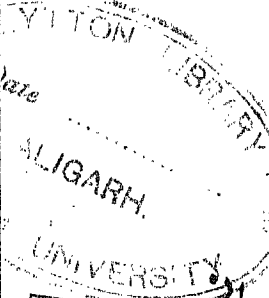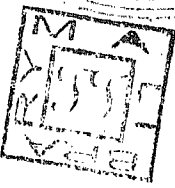
غالباً اردوے معلّٰی اور عودِ ہندی دو ہی کتابیں ایسی ہیں جو مرزا غالب کے کمال اردو نثر نگاری کی شاہد عادل کہی جاسکتی ہیں، مولانا حالی نے "یادگار غالب" میں "لطائف غیبی"، "تیغ تیز" اور کسی ناتمام اردو قصّہ کو بھی اُن کی تصانیف نثر اُردو میں شمار کیا ہے مگر ان دونوں کتابوں کا بالفعل کہیں پتہ نہیں چلتا اور غالباً یہ کتابیں مرزا نے اپنے دوستوں کے نام سے چھپوائی تھیں اور قصّہ اُردو کے متعلق تو اس میں بھی شک پایا جاتا ہے کہ وُہ معرض وجود میں آیا بھی تھا یا نہیں۔ اِس قصّہ کیطرف مرزا کے بعض خطوط میں جو منشی شیو نرائن کے نام ہیں اکثر اشارے ملتے ہیں مگر اُنسے یہ کہیں نہیں پایا جاتا کہ مرزا نے اسکو فی الحقیقت پورا اور مکمل کردیا تھا بلکہ اُنسے صرف مرزا کی آمادگی مگر اسی کے ساتھ کچھ تذبذب بھی ظاہر ہوتا ہے مرزا کے ایک دوست مسٹر اسٹوارٹ ریڈ نے ایک قِصّہ نثر اردو میں لکھنے کی اُن سے فرمائش کی تھی جسکی نسبت اپنی پریشانی کا اظہار مختلف خطوط میں کرتے ہیں۔

"جناب ہنری اسٹوارٹ ریڈ صاحب کو ابھی میں خط نہیں لکھ سکتا
ان کی فرمائش ہے اردو کی نثر وہ انجام پائے تو اسکے ساتھ انکو خط
لکھوں، مگر بھائی تم غور کرو۔ اردو میں اپنے قلم کا زور کیا صرف کرونگا،
اور اس عبارت میں معانی نازک کیونکر بھرونگا۔ ابھی تو یہی سوچ رہا ہوں کہ
کیا لکھوں کونسی بات کونسی کہانی کونسا مضمون تحریر کروں اور کیا تدبیر
کروں، تمھاری رائے میں کچھ آئے تو مجھ کو بتاؤ۔"

(بنام منشی شیونرائن، مورخہ ۱۱ر دسمبر ۱۸۵۸ء)

"ریڈ صاحب کے باب میں میں نے یہ لکھا تھا کہ جب کچھ اردو کی
نثر ان کے واسطے لکھ لونگا تو دستنبو کی خریداری کی خواہش کرونگا۔
معہذا تم سے صلاح پوچھی تھی کہ کس حکایت اور کس روایت کو فارسی
سے اردو کروں تم نے اس بات کا بھی جواب نہ لکھا۔"

(ایضاً ۱۵ر دسمبر ۱۸۵۸ء)

"جناب ریڈ صاحب صاحبی کرتے ہیں۔ میں اردو میں اپنا کمال
کیا ظاہر کرسکتا ہوں اسمیں گنجائش عبارت آرائی کی کہاں ہے، بہت ہوگا
تو یہ ہوگا کہ میرا اردو بہ نسبت اوروں کے اردو کے فصیح ہوگا، خیر بہر حال
کچھ کرونگا اور اردو میں اپنا زور قلم دکھاؤنگا۔

(ایضاً ۱۷ر دسمبر ۱۸۵۸ء)

میاں اردو کیا لکھوں، میرا یہ منصب ہے کہ مجھ پر اردو کی فرمائش
ہو، خیر ہوئی۔ اب میں کہانیاں قصے کہاں ڈھونڈھتا پھروں

(ایضاً ۱۴ر جنوری ۱۸۵۹ء)

ان عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے وہ قصہ لکھا ہی نہیں یا اگر شروع بھی کیا ہو تو وہ ناتمام ہی رہا، بہرحال اُردوے معلّیٰ اور عود ہندی اب موجود ہیں اور انہیں دو کتابوں پر مرزا کے قصر شہرت کی بنیاد قائم کی جاسکتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ مرزا نے فارسی نظم و نثر میں اُردو سے سہ چند و چہار چند زیادہ لکھا۔ مگر اس میں اُن کو وہ شہرت و مقبولیت حاصل نہ ہوسکی جسکے وہ متمنی اور مستحق بھی تھے، برخلاف اسکے اُردو نظم و نثر کو وہ ہمیشہ اپنے دون مرتبہ سمجھتے رہے اور اُس کی اشاعت کے بھی وہ زیادہ خواستگار نہ تھے (جیسا کہ آگے مفصل لکھا لکھا جائیگا) مگر اس کو قسمت کی ستم ظریفی سمجھنا چاہیے کہ ایک مختصر دیوان اور چند خطوط کی بدولت اُن کو وہ شہرت عظیم حاصل ہوئی جو اُردو تو اُردو کسی فارسی شاعر کو بھی باستثنا ءِ چند کے بمشکل نصیب ہوئی ہوگی۔

مرزا کی نظم پر تو کافی روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ اِن کے دیوان کے متعدد اڈیشن بڑی محنت و جانفشانی سے اور نہایت تکلف کے ساتھ نکل چکے ہیں اُس کی مختلف شرحیں بھی شایع ہوگئی ہیں جن کو پڑھ کر صاحبان شرح کی طباعی اور معنی آفرینی کی داد بہ نسبت انشراح مطلب کے زیادہ دینے کو جی چاہتا ہے مگر تعجب اور بسا العجب ہے کہ مرزا کی نثر پر لوگوں نے توجہ کم کی اور وہ ہنوز ایک نگاہ تجسس اور عمیق مطالعہ کی تشنہ ہے۔

شروع میں مرزا اپنے خطوط کو یکجا کرنے اور شایع کرنے کے سخت خلاف تھے۔ چنانچہ منشی شیونراین کو جو اُن کے خطوط چھپوانا چاہتے تھے لکھتے ہیں۔

"اُردو کے خطوط جو آپ چھاپا چاہتے ہیں یہ بھی زائد بات ہے

کوئی رقعہ ایسا ہوگا جو مین نے قلم سنبھال کر اور دل لگا کر لکھا ہوگا ورنہ صرف تحریر سرسری ہے اُسکی شہرت میری سخنوری کے شکوہ کے منافی ہے اس سے قطع نظر کیا ضرور ہے کہ ہمارے آپس کے معاملات اور وں پر ظاہر ہوں۔ خلاصہ یہ کہ ان رقعات کا چھپا نا میرے خلاف طبع ہے۔

(۱۸ر نومبر ۱۸۵۸ء)

مگر یہی چیز جو مرزا کے خلاف طبع تھی کچھ عرصے کے بعد اُن کے پسند خاطر ہوگئی۔ اور اب وہ اپنے خطوط دوستوں اور عزیزوں سے چھپوانے کی غرض سے منگواتے ہین اور اسکو اپنی خوشی کا موجب قرار دیتے ہین۔

" اقبال نشانا ... مقصود ان سطور کی تحریر سے یہ ہے کہ مطبع اکمل المطابع مین چند احباب میرے سودات اردو کے جمع کرنے پر اور اُسکے چھپوانے پر آمادہ ہوئے ہین۔ مجھ سے مسودات مانگے ہین اور اطراف وجوانب سے بھی فراہم کیے ہیں۔ میں سودہ نہیں رکھتا جو لکھا وہ جہاں بھیجنا ہوا۔ وہاں بھیج دیا۔ یقین ہے کہ خط میرے تمھارے پاس بہت ہونگے اگر اُنکا ایک پارسل بنا کر بسبیل ڈاک بھیج دوگے یا آج کل میں کوئی ادھر آنے والا ہو اُسکو دیدوگے تو موجب میری خوشی کا ہوگا اور مین ایسا جانتا ہون کہ اُسکے چھاپے جانے سے تم بھی خوش ہوگے

(بنام نواب علاءالدین احمد خاں)

غرضکہ اُردو ئے معلے اور عود ہندی کی انطباع کا اب وقت آگیا عود ہندی سب سے پہلے مطبع مجتبائی میرٹھ میں غالباً ۱۲۷۸ھ میں یعنے مرزا صاحب

کی زندگی میں اور ان کی وفات سے سات برس پیشتر چھپی[۱]۔ اس کے اصلی محرک و جامع ایک شخص منشی ممتاز علی خاں تھے جو مرزا کے دوست تھے اور جن کا ذکر مرزا نے اپنے بعض خطوط میں بھی کیا ہے۔ انھوں نے چودھری عبدالغفور سرور اور خواجہ غلام غوث بیخبر کو بھی اس کار خیر میں شریک کیا اور انھیں تینوں صاحبوں کی کوشش سے وہ سب خطوط جمع ہوئے تھے جو اب "عود ہندی" کے نام سے شایع ہوئے ہیں۔ اسکا دیباچہ چودھری عبدالغفور سرور نے لکھا جس کے آخر میں وہ لکھتے ہیں۔

"وہ مکتوب کہ بنام میرے آئے تھے ترتیب دیئے گویا جواہر بے بہا کان قلمدان سے نکال کر کشتی اوراق میں جمع کیے۔ چونکہ محبت جناب غالب میرے حال پر بہت غالب ہے لہذا نام اس نثار کا "مہر غالب" بکسر میم مناسب ہے۔ سال ختم تالیف بھی اسی نام سے مطابق پایا طبیعت اور بڑھی تحریر تاریخ کو دست و قلم بڑھایا۔

انشا مملو بصد مطالب لکھی   یعنی ہے یہ دستان طالب لکھی
موسوم کیا جو مہر غالب ہے سرور   تاریخ بھی اسکی "مہر غالب" لکھی

مرزا نے اس دیباچہ کو بہت پسند کیا چنانچہ چودھری[۲] صاحب موصوف کو اس طرح داد دیتے ہیں۔

"اہاہا جناب منشی ممتاز علیخاں صاحب راہرہ پہونچے صاحب، یہ توسیح گیتی نورد ثانی مخدوم جہانیاں جہاں گرد ہیں۔ بہر حال

---

[۱] اسکی طبع ثانی مطبع نولکشور لکھنؤ سے ہوئی اور طبع ثالث بھی اسی مطبع سے ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء میں ہوئی

آپنے دیباچہ بہت اچھا لکھا ہے۔ کتاب کو اس سے رونق ہوجائیگی"
خواجہ غلام غوث بیخبر عود ہندی کا دیباچہ خود مرزا صاحب سے لکھوانا چاہتے تھے اور اس پر اصرار کرتے تھے مگر مرزا اس خدمت سے معافی چاہتے ہیں اور اپنے ظریفانہ انداز میں اُن کو لکھتے ہیں۔

"بندہ پرور اگر ایک بندۂ قدیم کہ عمر بھر فرمان پذیر رہا ہو بڑھاپے میں ایک حکم بجانہ لائے تو مجرم نہیں ہوجاتا۔ مجموعہ نثر اردو کا انطباع اگر میرے لکھے ہوئے دیباچہ پر موقوف ہے تو اُس مجموعہ کا چھپ جانا بالفتح میں نہیں چاہتا بلکہ چھپ جانا بالضم چاہتا ہوں سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

رسم ست کہ مالکان تحریر — آزاد کنند بندۂ پیر

آپ بھی اُسی گروہ یعنی مالکان تحریر میں سے ہیں پھر اس شعر پر عمل کیوں نہیں کرتے"

پھر انھیں کو :-

"اس سے آگے آپ کو لکھ چکا ہوں کہ منشی ممتاز علی خاں سے میری ملاقات ہے وہ میرے دوست ہیں یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ میں صاحب فراش ہوں اٹھنا بیٹھنا ناممکن ہے خطوط لیٹے لیٹے لکھتا ہوں اس حال میں دیباچہ کیا لکھوں"

یا تو ایک وقت تھا جب مرزا اپنے خطوط کے چھپوانے کے سخت مخالف تھے، یا اب وہی تجویز اُن کو اس قدر پسندیدہ معلوم ہوتی ہے کہ اپنے مسودات محفوظ رکھتے ہیں اور بغرض اشاعت اُن کو روانہ کرتے ہیں۔

خواجہ غلام غوث بیخبر کو اس طرح رقم طراز ہیں۔

پیر و مرشد کوئی صاحب ڈپٹی کلکٹر ہیں کلکتہ میں مولوی عبدالغفور خاں اُنکا نام۔ نساخ اُنکا تخلص ہے۔ میری اُنکی ملاقات نہیں۔ انھوں نے اپنا دیوان چھاپے کا موسوم بہ "دفتر بیمثال" مجھ کو بھیجا اُسکی رسید میں یہ خط میں نے اُنکو لکھا چونکہ یہ خط مجموعہ نثر اردو کے لائق ہے آپکے پاس ارسال کرتا ہوں۔ اور ہاں حضرت وہ مجموعہ چھپے گا بالفتح یا چھپے گا بالضم چھپ چکا ہو توحق تصنیف کی جتنی جلدیں منشی ممتاز علی خاں کی ہمت اقتضا کرے فقیر کو بھیجئے۔

مرزا کے خطوط خود اُن کی زندگی میں بہت مقبول ہو گئے تھے اور لوگ انکے پڑھنے کے بہت خواہشمند تھے۔ چنانچہ بیخبر کو لکھتے ہیں۔

"اجی حضرت یہ منشی ممتاز علیخاں کیا کر رہے ہیں رقعے جمع کئے اور نہ چھپوائے فی الحال پنجاب حاطہ میں اُنکی بڑی خواہش ہے، جانتا ہوں وہ آپ کو کہاں ملینگے جو آپ اُن سے کہیں مگر یہ تو حضرت کے اختیار میں ہے کہ جتنے میرے خطوط آپ کو پہونچے ہیں وہ سب یا اُن سب کی نقل بطریق پارسل آپ مجھ کو بھیجدیں۔ جی یوں چاہتا ہے کہ اس خط کا جواب وہی پارسل ہو ع تم سلامت رہو قیامت تک"

اردوے معلّےٰ سب سے پہلے اکمل المطابع دہلی میں چھپی اور یہ بھی مرزا صاحب کی زندگی میں شائع ہو گئی تھی جیسا کہ نواب علاؤ الدین احمد خاں کے اُس خط سے جو صفحہ ۴ پر درج ہے ظاہر ہوتا ہے۔ اِس مطبع کے مہتمم میر فخرالدین

اور منشی مطبع لالہ بہاری لال مشتاق تھے جن کی کوشش بلیغ سے وہ سب
خطوط جمع ہوئے جو اُردوئے معلے کے نام سے چھپے ہیں۔ اسی مطبع کے متعلق
مرزا منشی بہاری لال مشتاق مذکور کو لکھتے ہیں :-

"حکیم غلام رضا خاں کے دوام صحبت کو اپنے طالع کی یاوری
سمجھو...... میاں سچ تو یہ ہے کہ اکمل المطابع اجمل المطابع بھی ہے
حکیم غلام نبی خاں منجملہ خوبان روزگار ہیں نکو خو اور نکو کردار ہیں،
میر فخرالدین آزاد منش اور سعادت مند نوجوان ہیں کم گفتار اور مرنج و
مرنجاں ہیں۔ تم چاروں شخص پیکر صدق و صفا و مہر و ولا کے چار عنصر ہو
جہان آفریں تم چاروں صاحبوں کو خوش و خرسند و دلشاد اور اکمل المطابع
کو بارونق و آباد رکھے"

اُردوئے معلّٰے کے شروع میں میر مہدی مجروح کا لکھا ہوا دیباچہ ہے
جسکے آخر میں یہ عبارت ہے۔

"منشی جواہر سنگھ صاحب جوہر...... کی طبع والا نے
یہ اقتضا کیا کہ یہ گوہر ہائے شب افروز سلک تحریر میں منسلک ہو کر
زینت بخش عروس سخن ہوں اور یہ گلہائے پراگندہ جمع ہو کر ایک جا
گلدستہ ہوں تا اُسکے رواح روح پرور سے دماغ نکتہ سرایان غیرت چمن
ہوں۔ اسواسطے میر فخرالدین صاحب مہتمم اکمل المطابع دہلی نے سعی بے پایاں
اور لالہ بہاری لال صاحب منشی مطبع مذکور نے کوشش فراواں سے
اکثر خطوط جمع کئے اور قصد انطباع کیا اور اُردوئے معلّٰے نام رکھا گیا۔

اور ان خطوں کو دو حصّوں پر منقسم کیا۔ پہلے حصّہ میں صاف صاف عبارت کے خط تحریر کیے تاکہ طلبا سے مدرسہ فائدہ اُٹھائیں دوسرے حصّہ میں مطالب مشکلہ کی تحریر اور تقریظ وغیرہ لکھی تاکہ سخنوران معنی آب اوسکے دیکھنے سے مزا پائیں......."

جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ مرزا کے خطوط ہی اون کی نثر اُردو کے بڑے کارنامے ہیں تو اب یہ دیکھنا ہے کہ اُنکی خطوط نویسی کس انداز کی ہے جسنے اون کو نثر نگاروں کی صفِ اوّلین میں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن سب سے آگے پہونچا دیا اور اگر غور سے دیکھا جائے تو اونکی یہ سادہ اور بے تکلف نثر ہی وہ چیز ہے جس میں وہ بالکل یگانہ اور منفرد ہیں اور اسی میں اونکا کوئی مقابل نہ کبھی تھا نہ بالفعل ہے اور نہ آیندہ ہونے کی اُمید ہے۔ نظم میں تو اُن کے بعض لوگ مقلد ہیں یا مقلدی کے مدعی ہیں مگر اون کی صاف اور سادہ نثر کو ہر شخص نے ایک بھاری پتھر سمجھ کر چوم کر چھوڑ دیا ہے مولانا حالی لکھتے ہیں۔

"وہ چیز جس نے اُن کے مکاتبات کو ناول اور ڈرامے سے زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے وہ شوخیٔ تحریر ہے جو اکتساب یا مشق و مہارت یا پیرویٔ تقلید سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے خط کتابت میں مرزا کی روش پر چلنے کا ارادہ کیا ہے اور اپنے مکاتبات کی بنیاد بذلہ سنجی و ظرافت پر رکھنی چاہی ہے مگر اُن کی اور مرزا کی تحریر میں وہی فرق پایا جاتا ہے جو اصل اور نقل یا روپ اور بہروپ میں ہوتا ہے مرزا کی طبیعت میں شوخی ایسی بھری ہوئی تھی جیسے ستار کے تار میں

سُر بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور قوت متخیلہ جو شاعری اور ظرافت کی خلاق ہے اوسکو مرزا کے دماغ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو قوت پرواز کو طائر کے ساتھ۔ اگرچہ مرزا کے بعد نثر اُردو میں بے انتہا وسعت اور ترقی ہوئی ہے۔ علمی، اخلاقی، پولٹیکل، سوشل اور ریلیجس مضامین کے لوگوں نے دریا بہا دیے ہیں بائیوگرافی اور ناول میں بھی متعدد کتابیں نہایت ممتاز لکھی گئی ہیں باوجود اس کے مرزا کی تحریر خط کتابت کے محدود دائرے میں بلحاظ دلچسپی اور لطف بیان کے اب بھی اپنا نظیر نہیں رکھتی " (از یادگار غالب صفحہ ۱۶)

خط نویسی نثر نگاری کی ایک مستقل صنف ہے اور یہی وہ صنف ہے جس میں کاتب تحریر اپنا ما فی الضمیر، اپنا کیرکٹر، اپنے اخلاق و عادات، دوسروں کی متعلق اپنی حقیقی رائیں، اپنی سوسائٹی کا سچا چربہ، غرضکہ ہر وہ چیز جو اسکے قلم سے تراوش کرے۔ صحیح طور پر دنیا کے سامنے ظاہر کر دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ شاعری میں وہ شخص جو شعر کہتا ہے بالکل بدل جاتا ہے۔ وہ اپنے اشعار کے پردے میں وہ شخص ہی نہیں رہتا جو فی الحقیقت وہ ہوتا ہے اور دیگر اصناف نثر مثلاً تاریخ نگاری اور افسانہ نویسی میں بھی وہ اپنی ذاتی رایوں اور خیالات کے صحیح اظہار پر مجبور نہیں ہوتا اور اُسکا بطون و ما فی الضمیر اسکی تحریر سے کسی طرح نہیں معلوم ہو سکتا۔ پس اگر ہم کو کسی شخص کو جانچنا ہو تو اُسکی اُس قسم کی تحریروں سے اُس کو جانچ سکتے ہیں جن میں وہ اپنے اور دوسروں کے حالات صحیح اور من و عن لکھنے پر مجبور ہوتا ہے اور یہ بات سوائے

خطوط کے دیگر اقسام نثر میں نہیں پائی جاتی۔ میرے اس خیال کی تائید مسطور ذیل سے بھی ہوتی ہے۔ جو محترمی جناب مولوی عبدالحق صاحب نے مکتوبات حالی کے مقدمہ میں لکھی ہیں۔

"خطوں کی یہی سادگی اور بے ریائی ہے جو دلوں کو لبھا لیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ خطوں سے انسان کی سیرت کا جیسا اندازہ ہوتا ہے وہ کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں ہوسکتا۔ خطوں میں کاتب مکتوب الیہ سے بلکہ اکثر اوقات اپنے سے آپ باتیں کرنے لگتا ہے، جو خیال جس طرح اسکے دل میں ہوتا ہے اُسی طرح قلم سے ٹپک پڑتا ہے نہیں بلکہ وہ اپنا دل کاغذ کے ٹکڑے پر نکال کر رکھ دیتا ہے اور اگر وہ دل ایسا ہو جو سراسر درد سے لبریز ہو جس میں ہمدردی بنی نوع انسان کوٹ کوٹ کے بھری ہو، جو پریم کے رس سے سینچا گیا ہو، تو بتاؤ کہ اُس دل کی تراوش کیسی ہوگی؟ اگر تم ایسے دل کی زیارت کرنی چاہتے ہو تو آؤ اور دیکھو کہ وہ پاک دل ان خطوں میں لپٹا ہوا ہے۔"[1]

خط نویسی دنیا کی اکثر زبانوں میں موجود ہے۔ موجودہ زبانوں میں علاوہ عربی و فارسی کے لاطینی، انگریزی، فرنچ، جرمن وغیرہ میں ایسی مستقل کتابیں خطوط و رسائل کی موجود ہیں جنسے مصنف کی اعلیٰ انشار پردازی کے علاوہ اُسکے اخلاق و عادات اور اُسکے ماحول کا بھی پورا پتہ چل جاتا ہے۔ زبان لاطینی میں ہاریس اور سیسرو، انگریزی میں ملٹن، بیکن، کوپر، گولڈ اسمتھ بائرن، لارڈ چسٹرفیلڈ، کوئن وکٹوریہ وغیرہ۔ فرانسیسی میں والٹیر، ڈیڈرو وغیرہ

[1] سیر المصنفین جلد دوم صفحہ ۳۶۷

کے خطوط ایسی تصانیف ہیں جو اُن زبانوں میں نثر کے معرکۃ الآرا کارنامے سمجھے جاتے ہیں۔

عربی میں اس صنف خاص کا حال معلوم نہیں مگر فارسی میں تو مکتوبات اور رقعات کی وہ کثرت ہے کہ اگر ایسی سب کتابیں جمع کی جائیں تو اُن سے دفتر کے دفتر تیار ہو سکتے ہیں۔ پنج رقعہ، رقعات ابوالفضل، رقعات بیدل، انشائے طاہر وحید، رقعات نعمت خان عالی، رقعات عالمگیری فارسی کی بہت مشہور و متداول کتابیں ہیں۔ مابعد کی تصانیف میں انشائے خلیفہ، انشائے مادھورام، فائق، منیر، بہار عجم وغیرہ اُس زمانہ کی یادگار ہیں جب فارسی کا رنگ اپنی بہار دکھا کے پھیکا پڑ رہا تھا، ان سب کتابوں کا رنگ جُدا جُدا ہے۔ انشائے مادھورام بعض فرامین شاہی کا مجموعہ ہے۔ خلیفہ شاہ محمد نے نثر رنگین اور صنائع بدائع کا التزام کیا ہے۔ انشائے فائق، انشائے فیض رسال و دلکشا وغیرہ ایک زمانہ میں عرصہ تک داخل درس رہیں۔

انھیں فارسی مکاتیب کے تتبع میں اور انھیں کے طرز پر اردو رقعات بھی ترتیب پانے لگے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ جس طرح نظم اردو نظم فارسی کے تتبع اور نقل تھی اور اب تک ہے اُسی طرح نثر اردو بھی پہلے بالکل فارسی نما لکھی جاتی تھی۔ انشائے خرد افروز، مکتوبات احمدی و محمدی، رقعات عنایت علی، انشائے اردو، سرور وغیرہ اسی انداز کی کتابیں ہیں۔ جب رنگ بدلا اور نثر اردو میں زمانہ موجودہ کا رنگ پیدا ہوا تو منشی امیر احمد مینائی اور اکبر وغیرہ نے خطوط تحریر کیے جس میں تقلید فارسی اور مقفیٰ و مسجع روش کو چھوڑ کر

عبارت میں سادگی، بے تکلفی اور شگفتگی پیدا کی، مگر ان میں سے ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو مرزا غالب کی تحریروں کے مقابلہ میں پیش کی جاسکے۔
قدما کا یہ رنگ تھا کہ وہ اپنی تحریروں کو جان جان کر مشکل بنانا پسند کرتے تھے۔ انہیں اُنکو بڑا مزہ آتا تھا کہ آسانی سے اُنکی بات سمجھ میں نہ آئے، گویا اُنکی بات آسانی سے سمجھ جانا ایک جرم تھا اور انہیں وہ اپنی اہانت سمجھتے تھے مشکل مطالب کو ثقیل اور نامانوس الفاظ میں صنائع بدائع کے زیور سے آراستہ کر کے پیش کرنا ہی وہ اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے اور اسی طریقے سے پڑھنے والے پر وہ اپنا سکہ جما لیتے تھے، طاہر وحید ابوالفضل اور بیدل کا یہی انداز ہے، ہر چند کہ رنگ ہر ایک کا الگ الگ ہے مگر اشکال سب میں جزد مشترک ہے۔

اُردو رقعات نویسوں نے بھی فارسی کی تقلید میں مشکل پسندی اختیار کی اپنے خطوط کے مطالب کو تو اسقدر دقیق و مشکل نہ بنا سکے مگر عبارت میں وہی رنگینی، وہی قافیہ پیمائی، وہی پیچیدہ فقرے، وہی فضول باتیں جس کی دس دس سطریں بھی آپ چھوڑ جائیے تو نفس مطلب میں کچھ فرق نہ آئے۔

مرزا غالب کے بچپن اور جوانی کے زمانہ میں نثر نویسی کا یہی رنگ نورون پر تھا، اسی وجہ سے ان کے رقعات فارسی ان تکلفات بارہ سے خالی نہیں ہیں، مگر اُنکی نظر غائر نے جلد سے جلد ان خرابیوں کو دریافت کر لیا اور انکے دفعیہ پر اُنھوں نے کمر ہمت باندھ لی، چنانچہ پنج آہنگ کے لکھنے کے وقت اگرچہ ایک حد تک رسم قدیم کے موافق خطوط نویسی کے بارہ میں وہ اُن پرانی باتوں کے پابند تھے مگر پھر بھی اُن کو ان خامیوں کا اندازہ ہو چکا تھا اور وہ

اس سے احتراز کرنے لگے تھے، جہاں انھوں نے اس کتاب میں القاب آداب کے خزانہ اور بزرگانہ مراتب مقرر کئے اور اساطیر الاولین کو نگاہ میں رکھتے ہوئے دعائیہ فقرے مبتدیوں کے لئے جمع کردئے ہیں وہ یہ بھی لکھتے ہیں۔

ادا شناس داند کہ ہنجار من
در نگارش این ست کہ چوں کلک و
ورق بکف گیرم مکتوب الیہ را
بلفظیکہ فراخور حالت اوست در سر
آغاز صفحہ آواز دہم و زمزمہ سنج
دعا گردم، القاب و آداب و
خیریت گوئی و عافیت جوئی حشو و
زائد ہست و بختگان حشو را وقع ننہند
و نیز دانا شناسد کہ دریں باب
چہ ساحری تواں کرد و دریں
شیوہ گنجائش سخن گستری
تا کجاست ... ...
... ...
... ...
بمال اے ہوشمند سخن پیوند
کہ نامہ نگار ملا آں باید کہ نگارش را

جاننے والے جانتے ہیں کہ میرا
طریقہ تحریر میں یہ ہے کہ جب قلم و
کاغذ ہاتھ میں لیتا ہوں تو مکتوب الیہ
کو اُس لفظ کے ساتھ جو اُسکی حالت
کے موافق ہو صفحہ کے شروع میں
پکارتا ہوں اور اسکے بعد مطلب
لکھنا شروع کردیتا ہوں، القاب
آداب اور خیریت گوئی اور خیر و
عافیت طلبی زائد و بیکار ہے اور
تجربہ کار زوائد کی وقعت نہیں کرتے
اور عقلمند لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ
اس معاملہ میں کیا ساحری کیجا سکتی
ہے اور اس طریقہ میں ادائے مطلب
کی گنجائش کہاں تک ہے
اے سخن شناس عقلمند جان کہ
خط لکھنے والے کو چاہیئے کہ تحریر کو

از گذارش دور تر نبرده رنگ
گفتن دهد مطلب را بدان روش
گزارد که دریافتن آں دشوار
نبود ۔ اگر مطلبے چند داشتہ باشد
در تقدیم و تاخیر ترتیب نگهی را بکار
برد و از ان پرہیزد کہ سخن گرہ در گرہ
گردد و اجزار مدعا بہم درخورد
و زنہار استعارات دقیق و
لغات مشکل نا مانوس در عبارت
درج نہ کند ۔ و در ہر نورد رتبہ
مکتوب الیہ در نظر دارد ۔ تا تواند
سخن را درازی نہ دہد و از تکرار
الفاظ محترز باشد و بیشتر بمذاق
اہل روزگار حرف زند و از
احاطۂ قواعد و قوانینے کہ قرار داده
ایں مردم است بدر نرود
اما اندازۂ خوبی بیان
نگاه دارد ۔ و ایں
پارسی آمیختہ بتازی را

تقریر سے دور نہ لیجائے اور تحریر
میں تقریر کا رنگ پیدا کرے مطلب
کو اس انداز سے ادا کرے کہ
اسکے سمجھنے میں دشواری نہو، اگر
چند مطلب رکھتا ہو تو تقدیم و تاخیر
میں بڑی ہوشیاری سے کام لے اور
اس سے بچے کہ الفاظ پیچیدہ ہو جائیں
اور مطلب کے اجزار ایک دوسرے سے الجھ جائیں
اور دقیق استعارے اور مشکل و نامانوس
لغات عبارت میں کبھی نہ لائے اور
ہر تحریر میں مکتوب الیہ کا مرتبہ نظر میں
رکھے اور جہانتک ممکن ہو تحریر کو طول
نہ دے اور ایک ہی لفظ کو بار بار لکھنے سے
بچے، اور زیادہ تر زمانے کے لوگوں کے
مذاق کے موافق (یعنی مانوس) الفاظ
لکھے اور جو قواعد و قوانین کہ ایسے لوگوں نے
بنا دئے ہوں انسے باہر نجائے لیکن
اسی کے ساتھ خوبی زبان کو ہاتھ سے
نہ جانے دے، اور اس عربی ملی ہوئی فارسی کو

درکشاکش تصرفات ہندی	”ہندی فارسی نویسوں کے تصرفات
زبانان پارسی نویس ضایع	کے بیجا آمیزش سے خراب و ضائع
نگذارد و لغات عربی جز بقدر	نہ کرے اور عربی لفظ صرف بقدر ضرورت
بایست صرف ننماید و پیوستہ	استعمال کرے اس سے زائد نہیں[۱۵]
دران کوشد کہ سادگی و نغزی	اور ہمیشہ اس کی کوشش کرتا رہے کہ
شعار او گردد۔	سادگی اور لطافت اس کی عادت ہو جائے“

یہ عبارت ہر چند فارسی رقعات سے تعلق رکھتی ہے مگر اردو میں بھی انھوں نے یہی طرز بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ اختیار کیا، چنانچہ ایک خط میں مرزا حاتم علی بیگ مہر کو لکھتے ہیں :-

”مرزا صاحب! میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے، ہزار کوس سے بزبان قلم باتیں کیا کرو، ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔“

مرزا تفتہ کو :-

”بھائی! مجھ میں تم میں نامہ نگاری کا ہے کو ہے مکالمہ ہے“۔

نواب انور الدولہ شفق کو :-

”یہ خط لکھنا نہیں ہے باتیں کرنی ہیں اور یہی سبب ہے کہ میں القاب و آداب نہیں لکھتا۔“

---

[۱۵] یہ نصیحت فارسی کے متعلق ہے مگر اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ اردو کی تحریر میں عربی و فارسی دونوں زبانوں کے غیر مانوس اور ثقیل الفاظ سے بچتا رہے۔

میر مہدی سے قدیم روش نامہ نگاری کی مذمت کرتے ہیں :-

"تمہارا دماغ جل گیا ہے، لفافہ کو کریدا کرو، مسودہ کو بار بار دیکھا کرو، پاؤ گے کیا یعنی تم کو وہ محمد شاہی روشیں پسند ہیں، یہاں خیریت ہے، وہاں کی عافیت مطلوب ہے، خط تمہارا بہت دن کے بعد پہونچا، جی خوش ہوا، مسودہ بعد صلاح کے بھیجا جاتا ہے، برخوردار میر سرفراز حسین کو دینا اور دعا کہنا اور ہاں حکیم میر اشرف علی اور میر افضل علی کو بھی دعا کہنا، لازمۂ سعادتمندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح خط بھیجتے رہو۔" کیوں سچ کہیو، اگلوں کے خطوط کی تحریر کی یہی طرز تھی؟ ہائے کیا اچھا شیوہ ہے، جب تک یوں نہ لکھو وہ خط ہی نہیں۔ چاہ بے آب ہے، ابر بے باراں ہے، خانہ بے چراغ ہے، چراغ بے نور ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ تم زندہ ہو، تم جانتے ہو کہ ہم زندہ ہیں، امر ضروری کو لکھدیا، زوائد کو اور وقت پہ موقوف رکھا، اگر تمھاری خوشنودی اسی طرح کی نگارش پر منحصر ہے تو بھائی! ساڑھے تین سطریں ایسی بھی میں نے لکھدیں کیا نماز قضا نہیں پڑھتے اور وہ مقبول نہیں ہوتی؟"

اس سے اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ مرزا اس طرز جدید کے موجد اور مخترع تھے[1]

---

[1] "شمالی ہند میں ہنوز مقفی عبارت کا دستور تھا، اگرچہ غالب نے اپنے خطوط سے جدید طرز کی ایجاد و شروع کی تھی مگر عام طور سے اسکا دستور نہ تھا" ("دکن میں اُردو" مصنفہ نصیرالدین ہاشمی ۱۴۶)

انھوں نے نہ صرف قدیم و فرسودہ طرزِ القاب و آداب اور خطوط میں معمولی معمولی باتوں کو یک قلم ترک کیا، بلکہ تحریر میں سلاست و بے تکلفی کے علاوہ ایک عجیب شگفتگی دلآویزی اور شوخی و ظرافت پیدا کی جس سے یہ طرز انھیں کیلئے مخصوص ہوگیا اور اُن کے زمانہ میں اور اُن کے بعد اب تک کوئی ہمسر و مقابل اُنکی اس قسم کی تحریر کا پیدا نہو سکا[ء] اکبر مرحوم ظریفانہ نظم میں اپنا عدیل و نظیر نہیں رکھتے تھے، اِسی طرح غالب بھی شوخ و ظریفانہ نثر میں یگانہ و منفرد تھے، مگر تعجب معلوم ہوتا ہے کہ اکبر اپنا ظریفانہ انداز اپنی نثر میں پیدا نہ کر سکے، کیونکہ اُنکے خطوط میں کوئی خاص دلآویزی اور شوخی و ندرت مثل غالب کے خطوط کے ہم کو نظر نہیں آتی۔

قبل اسکے کہ خطوط غالب کی مخصوص خوبیوں کا ذکر کیا جائے ایک ضروری بات گذارش کر دینے کے قابل ہے وہ یہ کہ جامعانِ خطوط نے خطوطِ غالب کے جمع کرنے اور چھپوانے میں صرف ایک خیال کو پیش نظر رکھا، یعنی یہ کہ پبلک اُن کو

ملہ[ء] مرزا کی اردو خط و کتابت کا طریقہ فی الواقع سب سے نرالا ہے، نہ مرزا سے پہلے کسی نے خط و کتابت میں یہ رنگ اختیار کیا اور نہ اُن کے بعد کسی سے اُسکی پوری پوری تقلید ہوسکی، انھوں نے القاب و آداب کا پرانا اور فرسودہ طریقہ اور بہت سی باتیں، جن کو مترسلین نے لوازم نامہ نگاری میں سے قرار دے رکھا تھا مگر درحقیقت فضول اور دور از کار تھیں سب اُڑا دیں۔ (یادگار غالب)

پڑھ کر ہنسے اور خوش ہو اور مرزا کی جدت طرازیوں کی تعریف کرے، اسکے سوا اور کوئی غرض اُنکی نہ تھی، ہم کو تعجب معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت بھی اس سے زیادہ اور کوئی اہم مصرف اپنے خطوط کی اشاعت کا نہیں نکال سکے تھے۔ جب یہ خیال جامعان خطوط کے دل میں جاگزیں تھا کہ خطوط محض ایک اعجوبہ روزگار چیز کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کئے جائیں جنکو پڑھ کر وہ خوش ہوں اور ہنسیں ہنسائیں، تو ظاہر ہے کہ اُنکی یکجائی و انطباع میں کسی خاص ترتیب و تنظیم کی ضرورت ہی نہ سمجھی گئی، یہاں تک کہ تاریخ تحریر ایسی ضروری چیز اکثر خطوط سے بیکار و غیر ضروری سمجھکر اُڑا دی گئی۔

مرزا اپنے خطوط میں تہذیب حال کے موافق تاریخ لکھنے کے بہت عادی تھے، کبھی شروع میں لکھ دیتے کبھی آخر میں یا کبھی اثناء تحریر میں، اسکی تصریح کر دیتے یا کوئی ایسی بات لکھتے کہ جس سے تاریخ تحریر خط بخوبی معلوم ہو جا سکتی اگر یہ سب خطوط بترتیب اسمار مکتوب الیہم تاریخوار جمع کر دیے جاتے تو اس سے بڑا فائدہ یہ ہوتا کہ مرزا کی زندگی کے ضروری واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ زمانہ موجودہ کی فائل کے انداز سے خود انھیں کی تحریر سے ترتیب پا جاتے۔

مثلاً بعد غدر دلّی کی تباہی و بربادی کے حالات، مرزا کی پنشن کا بند ہونا اور پھر جاری ہونا، قاطع برہان کی تصنیف، بعض قصائد وقطعات کی تصنیف، انکا انطباع اور ممدوحوں کے پاس اُنکا بھیجا جانا، کوئن وکٹوریہ کے قصیدہ کی تیاری، اُس کا ولایت روانہ کیا جانا اور ولایت سے اُسکی رسید کا آنا، مرزا کی دیگر تصانیف کا انطباع وغیرہ وغیرہ، یہ سب

ایسی ضروری باتیں ہیں کہ تعجب ہے مولانا حالی ایسے بزرگ نے بھی جو مرزا کے شاگرد رشید تھے اور یقیناً مرزا کی آخر عمر کی صحبتوں میں شریک ہوتے ہوں گے اور جنکو اکثر اصل خطوط کے دیکھنے کا اور اُن کے جانچنے کا موقع ملا ہوگا اسپر توجہ نہیں فرمائی اور بعض خطوط کو مرزا کی نثر اور اُن کے خاص انداز تحریر کا نمونہ سمجھکر تبرکاً و تیمناً ہمارے سامنے پیش کر دیا۔

صورت موجودہ میں تمام خطوط گڑبڑ ہوگئے ہیں، مثلاً ایک ہی شخص کے نام ۶۵ سے ۶۶ کے خطوط کے بعد ۶۱ - ۶۲ کے خطوط نظر آتے ہیں، اور اکثر میں تاریخ تحریر خط ایک بے ضروری جزو سمجھکر حذف کر دی گئی ہے پس ایسی صورت میں کسی قسم کی کوئی ترتیب جس سے کوئی عمدہ نتیجہ مستنبط ہو سکے اگر محال نہیں تو مشکل ضرور معلوم ہوتی ہے، کسی وقت اگر اصلی خطوط ہاتھ آجائیں اور قاعدے سے تاریخوار مرتب کر دیے جائیں تو مرزا کی ایک نہایت عجیب و غریب مستند خود نوشتہ سوانح عمری انھیں سے تیار ہو جائے گی۔

اپنا مطلب واضح کرنیکی غرض سے ہم مرزا کے چند خطوط لیتے ہیں اردوئے معلّیٰ کے شروع ہی میں نواب میر غلام بابا خان بہادر رئیس سورت کے نام چند خطوط ہیں جنکی تعداد دس ہے، ان کی ترتیب موجودہ اور مجوزہ تاریخوار ایک نقشہ کی صورت میں پیش کی جاتی ہے جسکے خانہ تفصیل سے معلوم ہو جائے گا کہ واقعات مندرجہ خطوط مجوزہ صورت میں کس عمدہ طریقہ سے دکھائے جا سکتے ہیں اور موجودہ صورت میں جبکہ کوئی ترتیب نہیں ہے کیا کیا قباحتیں لازم آتی ہیں۔ مثلاً مرزا صاحب نواب صاحب کو دوسرے خط میں لکھتے ہیں :-

" واہ او لسا غز د ر دی، کیا جگر خوں کن اتفاق ہے، پہلا عنایت نامہ
جو حضرت کا مجھکو آیا اسمیں خبر مرگ .... "

یہ پہلا خط دوسرے نمبر پر ہونے کی سوائے بے توجہی و بے اعتنائی کے کوئی
وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ یہی حال باقی خطوط کا بھی ہے جیسا کہ نقشہ سے ظاہر ہے

[illegible]	[illegible]	[illegible]	مختصر مضمون خط
۱	۲	۲ ستمبر ۱۸۶۳ء	(سب سے پہلا خط) تعزیت نامہ در باب وفات نواب میر جعفر علیخان
۲	۹	۲۳ دسمبر ۱۸۶۳ء	گھڑی کے عطیہ کا شکریہ
۳	۱	۲۲ مارچ ۱۸۶۶ء	" درفش کاویانی" کی رسید کی اطلاع، بوستانِ خیال کا اشتہار اور ایک نئے اخبار کا اشتہار خط میں بھیجا جاتا ہے۔
۴	۵	۹ اگست ۱۸۶۶ء	شادیوں کی قرارداد کی خبر سنکر مبارکباد، نواب صاحب کے لڑکے کا تاریخی نام " سید مہابت علیخاں " رکھکر بھیجا تھا[۱] اسکی رسید نہ پہنچنے کی شکایت
۵	۶	۱۴ نومبر ۱۸۶۶ء	شادی میں بسبب ضعف نہ شریک ہوسکنے کی معذرت، نواب صاحب کی لڑکی کی تقریب بسم اللہ کی مبارکباد اور تاریخ، اپنی تصویر کی تیاری کی اطلاع۔
۶	۷	اوائل ۱۸۶۸ء	نواب صاحب کے افزائش عز و جاہ دعا لیا خطاب، اور ہائیکورٹ سے مقدمہ جیتنے کی مبارکباد۔

[۱] اس سے ظاہر ہے کہ ایک ایسا بھی خط جسمیں نام درج کیا ہوگا اس مجموعہ میں نہیں ہے

[illegible]	[illegible]	[illegible]	مختصر مضمون خط
۷	۳	۳ر اپریل ۶۶ء	کسی دعوت میں عدم شرکت کی معذوری، تکرار مبارکباد مندرجہ خط نمبر ۶
۸	۸	۱۳ر مئی ۶۶ء	سورت نہ پہونچ سکنے کی معذرت، خط دیر میں لکھنے میں ضعف و پیرانہ سالی کا عذر
۹	۱۰	۱۷ر دسمبر ۶۶ء	نواب صاحب مرزا کے کمال کی تعریف کرتے ہیں اس کا شکریہ۔ عطیہ (غالباً روپیہ) پہونچنے کا شکریہ "قاطع برہان" کی تیاری کی نواب صاحب کو اطلاع۔
۱۰	۴	۲ر اپریل ۶۸ء	ضعف اس قدر طاری ہے کہ یہ خط کسی دوسرے سے لکھوایا ہے نواب صاحب کے شکوہ و شکایت کا جواب اپنے آلام و مصائب کا ذکر۔

"ادبی خطوط" کی ترتیب سے پیشتر ہمارا یہی خیال تھا کہ اردوئے معلی اور عود ہندی دونوں کتابوں کو اس انداز سے نئے سرے سے ترتیب دیں کہ مرزا کی آخر عمر کے اہم واقعات من و عن خود انھیں کی تحریر سے ظاہر ہو جائیں، مگر یہ کام بوجہ اکثر خطوط کے غیر مرتب صورت میں چھپنے اور بعض خطوط کے مجموعہ میں موجود نہ ہونے اور تاریخوں کے نکل جانے کے اسقدر دشوار بلکہ محال معلوم ہوا کہ اس ارادہ کو ترک کرنا پڑا اور صرف مرزا کے ادبی خطوط کے اجتماع پر کفایت کی گئی کہ یہ بھی ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں" ادبی خطوط " سے اس مجموعہ میں مرزا کی وہ تمام تحریریں

اورعبارتیں مراد ہیں جن میں اُنھوں نے :۔
(۱) خواہ اپنے یا دوسروں کے اشعار کے معانی اور مطلب سمجھائے یا اُنپر تنقید کی
(۲) فارسی واردو شعرا اور مصنفین پر یا اُنکے کلام اور تصانیف پر رائے نی کی
(۳) اپنے شاگردوں کے کلام پر اصلاحیں دیں۔
(۴) طریقہ اصلاح
(۵) ادبی سوالوں کے جوابات۔
(۶) اپنی تصانیف کے چھپوانے میں کسقدر انہماک کیا اور کیا کیا زحمتیں اُٹھائیں
(۷) قاطع برہان کی تحریر وانطباع میں کیا کیا مدارج طے کرنا پڑے۔
(۸) تحقیق لغات وتذکیر وتانیث بعض الفاظ۔

ان کے علاوہ بھی بعض ایسی عبارتیں ان خطوط میں شامل کرنا پڑیں جنکا کوئی ادبی تعلق تو نہ تھا مگر وہ اِس طرح سے بعض ادبی خطوط میں شامل تھیں کہ اُن کو علٰحدہ کردینے سے ادبی مضمون بالکل مختصر رہجاتا یا اُن عبارتوں میں کوئی جدت شوخی یا ندرت ایسی پائی گئی کہ اُنکا بھی شامل کردینا ضروری سمجھا۔ پس اس طریق سے اس اُستادِ اعظم کے بتائے ہوے ادبی نکتے بھی دریافت ہو گئے اور اُسکا انداز بیان اور شوخی تحریر کا بھی مزہ اُٹھایا گیا، یعنی ہم خرما وہم ثواب کا لطف حاصل ہوا۔

مجموعی تعداد اُن خطوط کی جو اس مجموعہ میں شامل ہیں چھیانوے ہے اس میں، اور اُردوے معلّٰی وعود ہندی کی ترتیب میں یہ فرق بھی ملحوظ رکھا گیا ہے کہ آخرالذکر کتابوں میں مکتوب الیہم کے نام بہت جلی بطور سرخی خط کے شروع میں

دیے گئے ہیں، مگر چونکہ غرض اصلی "کیا کہا گیا" ہے نہ یہ کہ "کس سے کہا گیا" لہذا مکتوب الیہم کے نام خفی حروف میں خط کے آخر میں دیے گئے اور شروع میں صرف سلسلہ کا نمبر ہے۔

اِس زمانہ میں چونکہ کتب بینی کا شوق بہت کم رہ گیا ہے دلچسپ سے دلچسپ کتاب بھی اول سے آخر تک پڑھنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ لہذا ایسے اصحاب کے لئے جو محض ایک سرسری نظر ڈال لینے کو غنیمت سمجھتے ہیں پورے پیرا کا مطلب مختصر طور پر حاشیہ پر دیدیا گیا ہے تاکہ اگر جی چاہے اور اتنا وقت نکالا جاسکے تو مزید معلومات کے شوق میں پورا پیرا پڑھ لیں ورنہ خط کا مطلب عبارت حاشیہ ہی سے دریافت ہو سکتا ہے۔

یہ مجموعہ طالب لُطف اور طالب علم دونوں کے فائدہ کے واسطے موجودہ ایڈیشن عود ہندی اور اردوئے معلی سے معلومات اور دلچسپی دونوں اعتبار سے کسی طرح کم نہیں بلکہ ترتیب خطوط اور بعض دیگر معلومات مفیدہ کے لحاظ سے اُن سے کچھ زیادہ ہے۔

اب ہم مختصراً یہ دکھلانے کی کوشش کرینگے کہ مرزا نے نامہ نگاری میں لفظاً و معنًی کیا کیا تصرفات کئے اور کیا کیا جدتیں اور لطافتیں پیدا کیں۔

(۱) لفظی تصرفات (الف) پرانے طرز کے القاب آداب اور عبارت خاتمہ کو ترک کیا۔ (ب) پرانے طرز کے بے مزہ مقفٰی و مسجع فقرے جو قدیم نثر نگاروں کی شان تھی ترک کئے اور عبارت میں ایسی دل آویزی اور بے تکلفی پیدا کی جس کا لطف ہمارے کسی بیان سے ظاہر نہیں ہو سکتا صرف اصل خطوط کو پڑھنے سے

سمجھ میں آسکتا ہے۔

القاب کی قدیم روش ترک کرنے میں مرزا نے اپنے انھیں اصولوں پر عمل کیا جن کا ذکر صفحہ ۱۴ میں ہوا یعنی مکتوب الیہ کو اُسکی حالت کے موافق آغاز خط میں پکارنا۔ یہی لفظ" پکارنا" اُس عظیم الشان انقلاب کا پتہ دیتا ہے جو مرزا نے اپنے خطوط کے ذریعے سے اُردو نثر نگاری میں کیا ہے۔ مرزا کے مکتوب الیہ دو قسم کے لوگ تھے (۱) وہ جو اُن سے سن یا مرتبے میں بڑے تھے یا جن سے بے تکلفی کم تھی (۲) وہ جو اُن سے سن میں کم تھے یا جن سے بے تکلفی بہت تھی۔ باستثنا رچند لوگوں کے جن کا مرزا بہت ادب و لحاظ کرتے تھے اسی دوسری صنف میں اُنکے زیادہ تر مکتوب الیہ شامل ہیں کیونکہ اُن کے اکثر اعزا و احباب اور نیز اُن کے تمام شاگرد اسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر یہ بات قابل لحاظ ہے کہ وہ بڑے سے بڑے آدمیوں سے بھی تکلف و تصنع کی گفتگو کبھی نہیں کرتے بلکہ بموقع موقع سے اُن سے بھی ایسی مذاق اور ظرافت کی باتیں کر جاتے ہیں کہ پڑھنے والے کو یہ مطلق معلوم نہیں ہوتا کہ کاتب و مکتوب الیہ کے سن یا مرتبے میں کسی قسم کا فرق ہے۔

البتہ اس قسم کے لوگوں کے خطوط کو یا تو وہ کسی پرانے طرز کے القاب سے شروع کرتے تھے مثلاً نواب میر غلام بابا خاں کو" نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان" یا کوئی لفظ مختصر جیسے" قبلہ" و" جناب نواب صاحب" وغیرہ صاحب عالم مارہروی کو" پیر و مرشد"۔ مولوی عبد الغفور خاں نساخ کو جناب مولوی صاحب قبلہ۔

مگر مرزا کی تمام صناعی وجدت وشوخی صرف دوسری صنف کے لوگوں کے القاب میں جن سے وہ حد درجہ بے تکلف تھے نمایاں ہوتی ہے مثلاً اپنے شاگرد رشید مرزا تفتہ کو "نور نظر و لخت جگر، میری جان، صاحب، بھائی، مہاراج منشی صاحب، آؤ مرزا تفتہ گلے لگ جاؤ، اچھا میرا بھائی، جیتے رہو اور خوش رہو وغیرہ

میر مہدی مجروح کو برخوردار کامگار، نور چشم، جان غالب، میاں لڑکے، میاں سید زادے، اہاہا! میرا پیارا مہدی آیا، لو صاحب یہ تماشا دیکھو وغیرہ۔

مرزا علاء الدین احمد خاں کو، جانا جانا، اقبال نشانا، میری جان، علائی بھیا، مرزا علائی مولائی، یار، بھتیجے وغیرہ۔

یہ وہ لوگ ہیں جن سے مرزا سے کمال بے تکلفی اور محبت و یگانگت تھی، ان سے کم درجہ پر جو تھے ان کے القاب میں کوئی خاص جدت ندرت یا شوخی و بے تکلفی نہیں پائی جاتی مثلاً منشی شیو نرائن کو" برخوردار نور چشم برخوردار اقبال نشان، برخوردار کامگار لکھنے پر کفایت کرتے ہیں،

مرزا امیر الدین احمد خاں معروف بہ فرخ مرزا کو جو بہت کمسن تھے عجیب شاعرانہ انداز سے القاب لکھا ہے اور اسکے معنی بھی سمجھائے ہیں۔

"اے مردم چشم جہاں بین غالب" پہلے القاب کے معنی سمجھ لو یعنی چشم جہاں بین غالب کی پتلی چشم جہاں بیں تمہارا باپ مرزا علاء الدین خان بہادر اور پتلی تم ......"

ان سب القابوں سے مرزا کی کیفیات قلبی کا پورا اندازہ ہوتا ہے جو وقت اور جس حالت وکیفیت میں وہ ہوتے تھے ویسا ہی تراوش قلم کا انداز تھا، مگر مولانا حالی کا یہ خیال بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے، کہ وہ اپنے خطوط میں

کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور لکھنا چاہتے تھے جس کو پڑھ کر اُن کا مکتوب الیہ خوش اور باغ باغ ہو جائے

مقفیٰ و مسجع فقروں کا ترک۔ اس موقع پر بیشتر ہم مولوی غلام امام شہید اور منشی غلام غوث بیخبر کے رقعوں کے چند سطر بطور نمونہ پیش کرتے ہیں تاکہ اُس زمانہ کی عام خطوط نگاری کی روش معلوم ہو جائے اور یہ بھی اندازہ ہو کہ مرزا نے کیا کمال کیا کہ اس قسم کی عبارت کو جو اُن کے زمانہ میں نہ صرف رائج بلکہ داخل فیشن تھی بدل کر کیسی سادہ بے تکلف شوخ اور لطف انگیز عبارت کا رواج دیا۔ جو ہمارے نزدیک ایک بہت بڑا اعجاز ہے۔

مولوی غلام امام شہید کا رقعہ تہنیت و تعزیت آمیز:۔

مجموعہ انشاے شیریں زبانی دیباچہ کتاب سحر معانی، زاد ہمتہٗ قلم بعد تشریح مراتب اشتیاق و آرزومندی کے تعزیت کے مضمون سے آنسو بھی بہاتا ہے اور کچھ خوشی میں آکر مبارکباد کا مضمون بھی زبان پر لاتا ہے، زمانہ میں خوشی و غم دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور دنیا میں دھوپ چھاؤں کی طرح شادی کے ہاتھ میں ماتم کا ہاتھ ہے۔ دو پھول ایک ہی شاخ میں پھوٹتے ہیں، ایک دولھا دولھن کے سہرے کے کام آتا ہے دوسرا میت کی تربت پر چڑھایا جاتا ہے۔ دو موتی ایک سیپ میں پیدا ہوتے ہیں ایک بادشاہ کے تاج میں لگاتے ہیں دوسرے کو کھرل میں پیسکر دوا میں ملاتے ہیں ایک ہی کافور سے دو شمعیں بنتی ہیں ایک محفل سرود کے کام آتی ہے

دوسری مرنے کے مزار پر جلائی جاتی ہے۔ چمن میں کلی اگر کھلکھلا کر ہنستی ہے شبنم بے اختیار اُسکے ہنسنے پر روتی ہے۔ جس باغ میں خزاں ہو وہاں بہار بھی ہے اور جہاں گُل ہو وہاں خار بھی ہے۔۔

.............." ۵۱

بیخبر کا خط مولوی غلام امام شہید کے نام :-

قبلہ میری شوخی دیکھئے ! یوسف کو آئینہ دکھاتا ہوں خورشید کو روشنی کی حکایت سناتا ہوں۔ گلزار میں پھول لے جاتا ہوں ختن میں مشک تحفہ بھیجتا ہوں، دریا کے سامنے روانی کے معانی بیان کر رہا ہوں، چاند کے روبرو نورافشانی کا معاملہ کرتا ہوں، لعل کے حضور میں رنگ کی دُکان کھولتا ہوں، قند کے مواجہ میں شیرینی تولتا ہوں، مسیحا سے کہتا ہوں جاں بخشی کی روایت سنیے، موسیٰ سے تمنا کرتا ہوں کہ ید بیضا کی چمک دیکھیے یعنی حضرت کا دیوان مرتب کرکے آپ کے حضور میں پیش کرتا ہوں

.............." ۵۲

مرزا نے بھی روش زمانہ کے موافق مقفیٰ عبارت اپنے اکثر خطوط میں

---

۵۱ ماخوذ از سیر المصنفین جلد اول صفحہ ۱۹۰ (یہ رقعہ جنگنامہ نعمت خان عالی کی ابتدائی چند سطور کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے)

۵۲ ماخوذ از سیر المصنفین جلد اول صفحہ ۲۱۳

قائم رکھی (میرے خیال میں تقریباً چالیس فیصدی خطوط اسی رنگ میں ہیں) مگر اس روش میں بھی اُنکی بے تکلفی اور شوخی اُسی طرح جلوہ گر ہے جس طرح کہ اُنکی سادہ عبارت میں ہے اور معراج کمال یہ ہے کہ تصنع میں بے تصنعی اور بناوٹ میں سادگی کا لطف آتا ہے ۔

یہاں پہلے اُنکی مقفٰی عبارت کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے جس سے ناظرین کو اندازہ ہوجائیگا کہ مرزا میں اور شہید و بیخبر وغیرہ کی قسم کے لوگوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔

مقفٰی عبارت کا نمونہ :- (ہم اِس خط کو اِس طریقہ سے لکھتے ہیں کہ قوافی اچھی طرح سے واضح ہوجائیں یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہو کہ ہر چند عبارت مقفٰی ہے مگر برخلاف خطوط شہید و بیخبر متذکرۂ بالا کے ایک ایک فقرہ میں علحدہ علحدہ مضمون ہے)

یارب! یہ ایک خط جو مجھکو بڑودہ گجرات سے آیا ہے، کاتب نے اپنے کو احمد حسن قنوجی بتایا ہے اُدھر سے اظہار آشنائی ہے، میری طرف سے یہ بیجائی ہے، کہ مجھکو اُن کی اور اپنی ملاقات یاد نہیں آتی، سوچتا ہوں کوئی بات یاد نہیں آتی۔ خانۂ نسیاں خراب عشرۂ قتالہ کے مرحلہ کا رہ پیما ہوں، شاید اگر جیوں گا تو اس کا بھی مجھے علم نہ رہے گا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں۔ پینسٹھ برس کی عمر ہوئی حواس ظاہری میں سے سامعہ و شامہ باطل، حواس باطنی میں سے حافظہ زائل۔ بسبب نسیان کے اکثر مطالب ضروری تلف ہوجاتے ہیں

خدایا کیا اس عمر میں سب آدمی ایسے خرفت ہوجاتے ہیں حیران ہوں کہ آپ کو سید لکھوں مولوی لکھوں خان لکھوں، خط میں تو خیر کچھ لکھ دونگا خط کا کیا عنوان لکھوں ۔ بندہ پرور فقیر معاف رہے، حضرت کا دل غبار کدورت سے صاف رہے ۔ مولوی عبدالجمیل صاحب بریلوی کو جانتا ہوں ، بلکہ اُن کا احسان مانتا ہوں ۔ کہ باوجود عدم ملاقات ظاہری اکثر اُن کے خطوط آتے رہتے ہیں، گویا وہ اپنا نام ہمیشہ مجکو یاد دلاتے رہتے ہیں۔ نہ آپ کہ بعد ایک عمر ناگاہ بہ نامہ یاد فرمائیں ، اور اپنی اور میری ملاقات کا زمانہ یاد نہ دلائیں ۔ بہر حال تمھارا دعاگو ہوں ، خیر جو ہوں ۔ اس خط کے جواب میں ایسا کچھ لکھو کہ تم کو پہچان جاؤں، کب ملے تھے کئے ملاقاتیں ہوئی تھیں ۔ یہ سب مدارج جان جاؤں .... "

(بنام مولوی احمد حسن قنوجی)

غیر مقفٰی سادہ عبارت کا نمونہ :-

" بھائی ! اس عرض میں بھی تیرا ہم طالع اور ہمدرد ہوں، اگرچہ یک فنہ ہوں مگر مجھے اپنے ایمان کی قسم میں نے اپنی نظم و نثر کی داد باندازۂ بایست پائی نہیں آپ ہی کہا، آپ ہی سمجھا ۔ قلندری و آزادگی، وایثار وکرم کے جو دواعی میرے خالق نے مجھ میں بھر دئیے ہیں بقدر ہزار ایک ظہور میں نہ آئے ۔ نہ وہ طاقت جسمانی کہ اک لاٹھی ہاتھ میں لوں اور اُس میں شطرنجی اور ایک ٹین کا لوٹا

مع سوت کی رسی کے لٹکالوں اور پیادہ پا چل دوں کبھی شیراز جا نکلا، کبھی مصر میں جا ٹھہرا، کبھی نجف جا پہونچا۔ نہ وہ دستگاہ کہ ایک عالم کا میزبان بن جاؤں اگر تمام عالم میں نہو سکے نہ سہی جس شہر میں رہوں اس شہر میں کوئی بھوکا ننگا نظر نہ آئے ....

وہ جو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے اور خود در بدر بھیک مانگے وہ میں ہوں"

(بنام نواب علاء الدین احمد خان)

بندگی و سلام لکھنے کا نیا ڈھنگ

اُستاد میر جان کو اس راہ سے کہ میری پھوپھی اُن کی چچی تھیں اور یہ مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں دُعا اور اس رو سے کہ دوست ہیں اور دوستی میں کمی و بیشی سن و سال کی رعایت نہیں کرتے سلام اور اس سبب سے کہ اُستاد کہلاتے ہیں بندگی اور اس نظر سے کہ یہ سید ہیں دُرود، اور موافق مضمون اس مصرع کے:۔ سوا اللہ واللہ ما فی وجو سجود"

معنوی تصرفات یعنی خطوط میں ایسی باتوں کا ذکر جس سے کاتب و مکتوب لیہ دونوں کے اخلاق و عادات پر پوری روشنی پڑتی ہے :۔

(۱) مرزا ارسال خطوط میں دن تاریخ بلکہ وقت تک کی تفصیل کے پابند تھے:۔

"جناب چودھری صاحب آپ کا عنایت نامہ اسوقت پہونچا اور

یہ وقت صبح کا ہے دن بدھ کا ربیع الثانی کی چوبیسویں اور دسمبر کی پہلی ....''
(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

(۲) تحریر جواب میں تاخیر نہیں کرتے :-

''خط کے پہونچنے سے بہت خوش ہوا، ڈاک کیا ہے خاک ہے خیر ادھر پڑھا اُدھر جواب لکھا، خدا کرے یہ میرا خط جلد پہونچے ورنہ یہ آپ کو خیال ہو گا کہ غالب نے ہمارے خط کا جواب لکھا......''
(ایضاً)

(۳) انگریزوں کو خطوط و قصائد وغیرہ بھیجنے کا شوق اور اُن کے جواب و خوشنودی سے مسرت

''نواب لفٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کو نسخہ دستنبو بہ سبیل ڈاک بھیجا تھا اُن کا خط فارسی مشعر تحسین عبارت و قبول صدق ارادت و مودت بسبیل ڈاک آگیا، پھر قصیدہ بہاریہ تہنیت و مدحت میں بھیجا گیا اس کی رسید آگئی، وہی خانصاحب بسیار مہربان دوستانہ القاب اور کاغذ افشانی، ازاں بعد ایک قصیدہ جناب رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب کی مدح میں بتوسط صاحب کمشنر بہادر دہلی گیا اُسکے جواب میں خوشنودی نامہ بتوسط کمشنر بہادر کل مجکو آگیا ....''
(ایضاً)

ہنری اسٹوارٹ ریڈ صاحب ممالک مغربی شمالی کے مدرسوں کے ناظم اور گورنمنٹ کے بڑے صاحب ہیں امن کے دنوں میں ایک ملاقات میرے اُن کی ہوئی تھی میں نے اب ایک سادہ بے جلد (کتاب دستنبو)

اُن کو بھیجی تھی، کل اُن کا خط مجھکو اِس کتاب کی رسید میں آیا بہت تعریف لکھتے تھے اور ہاں بھئی ایک تماشہ اور ہے وہ مجھکو لکھتے تھے یہ دستنبو پہلے اِس سے کہ تم بھیجو مطبع مفید خلائق نے ہمارے پاس بھیجی ہے اور ہم اسکو دیکھ رہے اور خوش ہو رہے تھے کہ تمہارا خط مع کتاب کے پہونچا، اُن کے اِس لکھنے سے یہ معلوم ہوا کہ مطبع میں سے گورنر کی نذر بھی ضرور گئی ہوگی، کیا اچھی بات ہے کہ وہاں بھی میرے بھیجنے سے پہلے میرا کلام پہونچ جائے گا۔ میں چیف کمشنر پنجاب کو یہ کتاب بھیج چکا ہوں اور نواب گورنر کی نذر اور ملکہ کی نذر اور سکرتریوں کی نذر یہ پارسل انشاءاللہ آج روانہ ہو جائینگے۔ دیکھوں چیف کمشنر کیا لکھتے ہیں اور گورنر کیا فرماتے ہیں ؎

تا نہال دوستی کے بر دہد حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم (بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

(۴) مرزا کے زمانہ میں ڈاک کا انتظام اچھا نہ تھا اسی وجہ سے وہ اکثر کہتے ڈاک کے اب ڈاکو ہو گئے " ڈاک کیا ہے خاک ہے " اور شاید اسی ڈاک کی بد نظمی کی وجہ سے وہ بیرنگ خط بھیجنا پسند کرتے اور دوسروں کو بھی فہمائش کرتے تھے کہ تم بھی بیرنگ بھیجو۔

"ایک قاعدہ آپکو بتاتا ہوں اگر اسکو منظور کیجئے گا تو خطوط کے نہ پہونچنے کا احتمال اُٹھ جائے گا اور رجسٹری کا درد سر جاتا رہے گا آدھ آنہ نہ سہی ایک آنہ سہی، آپ بھی خط بیرنگ بھیجا کیجئے اور میں بھی

بیرنگ بھیجا کروں، پیڈ خطوط تلف بھی ہوتے ہیں، اس قاعدہ کا
جیسا کہ میں واضع ہوا ہوں بادی بھی ہوا اور یہ خط بیرنگ بھیجا.....
..............." (بنام چودھری عبدالغفور سرور)

(۵) طریق اصلاح، دوستوں کے کلام کی اصلاح پر بالکل فخر و مباہات نہیں کرتے بلکہ تہذیب و انکسار کو مدنظر رکھتے ہیں:-

"جناب شیخ صاحب (یعنی شیخ عطا حسین صاحب) کیوں مجکو محجوب کرتے ہیں اس باب میں اس سے زیادہ عرض نہیں کر سکتا کہ افادہ مشترک ہے قصیدہ و مثنوی بھیج دیجیے، لطف اٹھاؤنگا اور جو کچھ میرے خیال میں آئے گا بے تکلف عرض کر دونگا، میرا سلام کہئے اور مثنوی اور قصیدہ اُن سے لیکر جلد بھیج دیجئے ...." (ایضاً)

"صاحب یہ مثنوی تو میرے واسطے ایک مرثیہ ہو گئی۔ ہے ہے اُس بزرگوار کے جگر میں کیا کیا گھاؤ پڑے ہونگے تب یہ تراوش خونبنا بہ ظہور میں آئی ہو گی، مزہ یہ ہے کہ عنوان بیان سے حق بجانب نہیں کے معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ اصل کاغذ میرے نظر میں نہیں اور حقیقت حال مجھ پر مجہول ہے اسواسطے انجام و آغاز اندازہ داندازہ کچھ نہیں سمجھا۔ حک و اصلاح کو آپ بنظر اصلاح نظر فرمائیں میں نے بدستور ہر جگہ منشا اصلاح لکھ دیا ہے ...." (ایضاً)

"سنو صاحب یہ تم جانتے ہو کہ زین العابدین خاں مرحوم میرا فرزند تھا اور اب اُسکے دونوں بچے کہ وہ میرے پوتے ہیں میرے پاس

آتے ہیں اور دم بدم مجکو ستاتے ہیں اور میں تحمل کرتا ہوں، خدا گواہ ہے کہ میں تم کو اپنے فرزند کی جگہ سمجھتا ہوں، پس تمہارے نتائج طبع میرے معنوی پوتے ہیے جبان عالم صورت کے پوتوں سے کہ مجھے کھانا نہیں کھانے دیتے، مجکو دوپہر کو سونے نہیں دیتے، ننگے ننگے پاؤں میرے پلنگ پر رکھتے ہیں، کہیں پانی لڑھاتے ہیں، کہیں خاک اُڑاتے ہیں، میں تنگ نہیں آتا تو ان معنوی پوتوں سے کہ انہیں یہ باتیں نہیں ہیں کیوں گھبراؤں گا۔ آپ انکو جلد میرے پاس بہ سبیل ڈاک بھیجد یجئے کہ میں اُن کو دیکھوں، وعدہ کرتا ہوں کہ پھر جلد اُن کو تمہارے پاس بسبیل ڈاک بھیجدونگا ...."

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

(۶) دوستوں کا عشق :۔

"تمہارے دستخطی خط نے میرے ساتھ وہ کیا جو بوسے پیراہن نے یعقوب کے ساتھ کیا تھا، میاں یہ ہم تم بڈھے ہیں، یا جوان ہیں، توانا ہیں یا ناتوان ہیں، بڑے بیش قیمت ہیں یعنی بہر حال غنیمت ہیں، کوئی جلا بھنا کہتا ہے ؎

یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ	یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ

وہی بالاخانہ ہے اور وہی میں ہوں سیڑھیوں پر نظر ہے کہ وہ میر مہدی آئے وہ میر سرفراز حسین آئے وہ یوسف مرزا آئے وہ یوسف علیخاں آئے، مرے ہوؤں کا نام نہیں لیتا، بچھڑے ہوؤں میں سے کچھ گنے نہیں،

اللہ اللہ ہزاروں کا میں ماتمدار ہوں میں مرونگا تو مجھکو کون روئیگا

.... (بنام میر سرفراز حسین)

"میرن صاحب کو بہت بہت دعا کہنا اور میری طرف سے

پیار کرنا........" (بنام میر مہدی مجروح)

(۷) دوستوں کی دلشکنی کسی طرح روا نہیں رکھتے صاحب عالم سجادہ نشین مارہرہ ایک بدخط شخص تھے انکی تحریر مرزا صاحب سے نہیں پڑھی جاتی تھی، چودھری عبدالغفور سرور کو اُن کے اکثر خط واپس کردئے ہیں اور لکھا ہے کہ آپ اُن کی تحریر اپنے قلم سے لکھ کر بھیج دیجئے، مگر اِس کا تذکرہ اُن سے نہ کیجئے گا اللہ اکبر! یہ تہذیب اور دلشکنی کا خیال۔

"حضرت صاحب یعنی صاحب عالم کی خدمت میں عرض کیا تھا

کہ آپ جو کچھ لکھیں وہ بقلم چودھری صاحب لکھا جائے، حضرت نے نہ مانا

اور پھر عبارت بدست خاص لکھی واللہ باللہ نہ مجھسے نہ اور کسی سے پڑھی گئی

ناچار آپ کا خط پھر آپ کو بھیجتا ہوں حضرت سے کچھ نہ فرمائیے گا

مگر اس عبارت کو اپنے ہاتھ سے نقل کرکے مجھکو بھجوائیے گا، ضرور اور

جلد" (بنام چودھری عبدالغفور سرور)

"یہ خط ناچار از روئے اضطرار واپس بھیجتا ہوں، واسطے خدا کے

میرے پیر و مرشد کے ارشادات کو ایک اور کاغذ پر اپنے ہاتھ سے

نقل کرکے بھیج دیجئے تاکہ مجھ بدنصیب کو معلوم ہو کہ حضرت نے

کیا لکھا........" (ایضاً)

"حضرت کی تحریر کا ایک لفظ سوائے سعادت توام شاہ عالم کے
اگر پڑھا گیا ہو تو دیدے پھوٹیں، ایمان نصیب نہو، وہ خط بدستور
آپکے پاس واپس بھیجتا ہوں اور ولی سفید کاغذ پر حرف بحرف
اسکی نقل کر کے پھر مجھے بھیجدیجے تاکہ اسکے جواب لکھنے میں سعادت
حاصل کروں لیکن بہت جلد بہت جلد .... (ایضاً)

(۸) دوستوں کی مصیبت و پریشان حالی میں دلی ہمدردی اور اسکو رفع کرنیکی دلی خواہش :-

"بھائی! ہوش میں آؤ! غور کرو! یہ مقدور مجھ میں نہیں کہ
اُن کو یہاں بلاکر ایک الگ مکان رہنے کو دوں اور اگر زیادہ نہو تو
تیس روپیہ مہینہ مقرر کروں کہ بھائی یہ لو اور دریبہ اور چاوڑی اور
اجمیری دروازہ کا بازار اور لاہوری دروازہ کا بازار ناپتے پھرو اور
اردو بازار اور خاص بازار اور بلاقی بیگم کا کوچہ اور خان دوراں خاں
کی حویلی کے کھنڈر گنتے پھرو۔ اے میر مہدی! تو درماندہ و عاجز
پانی پت میں پڑا رہے میرن صاحب وہاں پڑے ہوئے دلّی دیکھنے
کو ترسا کریں، سرفراز حسین نوکری ڈھونڈھتا پھرے اور میں ان غمہائے
جانگداز کی تاب لاؤں، مقدور ہوتا تو دکھا دیتا کہ میں نے کیا کیا
ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ، اللہ! اللہ! اللہ........"
(بنام میر مہدی مجروح)

(۹) مرزا کے اکثر مکتوب الیہم انکے نادیدہ دوست تھے، جن کو انھوں نے

کبھی نہیں دیکھا تھا مگر پھر بھی خطوط کے طرز ادا سے معلوم ہوتا ہے کہ مدتوں کے یار غار ہیں۔ ایک نہیں بلکہ صدہا صحبتوں کے لطف اُٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ اعجاز تحریر ہے کہ نادیدہ لوگوں کے اخلاق و عادات سے بھی اس طرح واقف معلوم ہوتے ہیں کہ گویا اُن کے ساتھ مدتوں صحبت رہی ہے۔

(۱۰) مرزا کے اکثر احباب کی علیحدہ علیحدہ جماعتیں اور ٹولیاں تھیں جنکا ذکر اس جماعت کے کسی سربرآوردہ شخص کے خطوط میں برابر ہوتا رہتا ہے اور اس جماعت کے ہر ہر فرد کو مرزا حسب مدارج بے تکلفی و محبت سے یاد کرتے رہتے ہیں مثلاً ایک جماعت کے احباب حسب ذیل ہیں :-

مرزا علاء الدین احمد خاں، انکے چچا زاد بھائی مرزا شہاب الدین احمد خاں، مرزا علی حسین خاں، استاد میر جان، حمزہ خاں (ایک بوڑھے آدمی علاء الدین احمد خاں کے اُستاد تھے) مرزا قربان علی بیگ سالک۔ مرزا شمشاد علی بیگ رضوان،

دوسری جماعت کے احباب :-

صاحب عالم مارہروی، انکے بیٹے شاہ عالم، چودھری عبد الغفور سرور، چودھری غلام رسول، شیخ عطا حسین،

تیسری جماعت کے احباب

نواب میر غلام بابا خان، میاں داد خاں سیاح، میر ابراہیم علی خاں وفا حکیم احمد حسن مودودی وغیرہ،

چوتھی جماعت کے احباب،

میر مہدی مجروح، اُنکے چھوٹے بھائی میر سرفراز حسین الملقب بہ مجتہد العصر،

میرن صاحب، یوسف علیخاں، یوسف مرزا، حکیم میر اشرف علی،

پانچویں جماعت کے احباب

مرزا تفتہ، مرزا حاتم علی مہر، منشی نبی بخش حقیر، اُن کے بیٹے منشی عبداللطیف وغیرہ،

مرزا کے زورِ تحریر کا یہ اثر ہے کہ اُن کے الفاظ اور اندازِ کلام کے ذریعہ سے ان میں سے ہر ایک کا خط وخال ہماری نظروں کے سامنے آجاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ اُس جماعت کے اور لوگ اس شخص سے کس طرح پیش آتے ہیں، مثلاً ذیل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ میرن صاحب ایک نوجوان حسین خوشرو آدمی تھے اور میر مہدی اور اُن کی جماعت کے لوگ اُن سے محبت رکھتے تھے۔

"نادر کا اتنا خوف نہیں جتنا حسین آدمی کا ڈر ہوتا ہے۔ تم اُن سے خواہش وصال کرتے ہوئے ڈرو میرے خط کے جواب کے اب میں کیوں نہیں کہتے۔ نا صاحب یہ کچھ بات نہیں میرے خط کا جواب اُن سے لکھوا کر بھجواؤ ...." (بنام میر مہدی مجروح)

"میاں! کیوں ناسپاسی وناحق شناسی کرتے ہو چشم بیمار ایسی چیز ہے کہ جسکی کوئی شکایت کرے (میر مہدی کی آنکھیں دُکھنے آئی تھیں جسکی شکایت اُنھوں نے مرزا کو لکھی تھی) تمہارا منہ چشم بیمار کے لائق کہاں چشم بیمار میرن صاحب قبلہ کی آنکھ کو کہتے ہیں جسکو اچھے اچھے عارف دیکھتے رہتے ہیں تم کنو آرہ چشم بیمار کو کیا جانو....." (ایضاً)

(۱۱) دوستوں سے لطیف مذاق۔ میر مہدی کی آنکھیں دکھنے آئی ہیں

اُن کو لکھتے ہیں :-

"تمھاری آنکھوں کے غبار کی وجہ یہ ہے کہ جو مکان دلی میں ڈھائے گئے اور جہاں جہاں سڑکیں نکلیں جتنی گرد اُڑی اُسکو آپنے از راہِ محبت اپنی آنکھ میں جگہ دی ...."

میر مہدی نے ایک مرتبہ لکھا کہ جو خط آپنے مجکو بھیجا تھا وہ میرے ہم نام کے ہاتھ جا پڑا اُس پر فرماتے ہیں :-

"وہ جو تم نے لکھا تھا کہ تیرا خط میرے نام کا میرے ہمنام کے ہاتھ جا پڑا، صاحب قصور تمھارا ہے، کیوں ایسے شہر میں رہتے ہو جہاں دوسرا میر مہدی بھی ہو - مجکو دیکھو کہ میں کب سے دلی میں رہتا ہوں نہ کوئی اپنا ہمنام ہونے دیا نہ کوئی اپنا عرف بننے دیا، نہ اپنا ہم تخلص بہم پہونچایا..............."

(۱۲) خطوط میں بیچ کی باتیں - عموماً اس قسم کی باتوں کی تفصیل عام لوگوں کیلئے دلچسپی سے خالی ہوتی ہے مگر مرزا کی سحر نگاری اور اُن کی عبارت میں دلآویزی اور اثر کچھ ایسا ہوتا ہے کہ بار بار پڑھیے پھر بھی اُن کے خطوط مزہ دیتے ہیں - میر مہدی دلی کے حالات کی تفصیل چاہتے ہیں اُن کو لکھتے ہیں -

"جو یاے حال دلی والو ر سلام لو، مسجد جامع واگذاشت ہو گئی، چتلی قبر کی طرف سیڑھیوں پر کبابیوں نے دکانیں بنالیں، انڈا، مرغی، کبوتر، بکنے لگا .... ہمارے پاس شراب آج کی اور ہے کل سے رات کو نری انگیٹھی پر گزارہ ہے، بوتل گلاس

موقوف .... اور بولو کیا لکھوں، دھوپ میں بیٹھا ہوں،
یوسف علیخاں اور لالہ ہیرا سنگھ بیٹھے ہیں کھانا تیار ہے خط لکھکر
بند کر کے آدمی کو دونگا، اور میں گھر جاؤں گا وہاں ایک دالان میں
دھوپ آتی ہے اسی میں بیٹھوں گا منہ ہاتھ دھوؤں گا، ایک روٹی کا
چھلکا سالن میں بھگو کر کھاؤنگا، بیسن سے ہاتھ دھوؤنگا، باہر آؤنگا
پھر اسکے بعد خدا جانے کون آئیگا کیا صحبت ہوگی ....،،

نواب امین الدین احمد خاں نے دریافت کیا تھا کہ سنا جاتا ہے آپنے شراب
چھوڑ دی ہے اس کی کیا اصلیت ہے، اسپر اُن کے بیٹے مرزا علاء الدین خاں
کو لکھتے ہیں :—

"بھائی کو سلام کہنا اور کہنا کہ صاحب وہ زمانہ نہیں کہ ادھر
متھرا داس سے قرض لیا اُدھر درباری مل کو جا مارا ادھر خوب چند
چین سکھ کی کوٹھی جا لوٹی ہر ایک پاس تمسک مہری موجود، شہد لگاؤ
چاٹو نہ مول نہ سود، اس سے بڑھکر یہ بات کہ روٹی کا خرچ بالکل میاں گھمی
کے سر، بایں ہمہ کبھی خان نے کچھ دیدیا کبھی الور سے کچھ دلوا دیا کبھی ماں
نے کچھ آگرہ سے بھیجدیا، اب میں اور باسٹھ روپیہ آٹھ آنے
کلکٹری کے سو روپیہ رامپور کے، قرض دینے والا ایک میرا مختار کار
وہ سود ماہ بماہ لیا چاہے، مول میں قسط اُس کو دینی پڑے، انکم ٹکس جدا

چوکیدارہ جدا، سود جدا، مول جدا، بی بی جدا، بچے جدا، شاگرد پیشہ جدا،
آمد وہی ایک سو باسٹھ، تنگ آگیا، گزارہ مشکل ہوگیا، روز مرہ کا
کام بند رہنے لگا، سوچا کہ کیا کروں کہاں سے گنجائش نکالوں قہر درویش
بجان درویش، صبح کی تبرید متروک، چاشت کا گوشت آدھا، رات
کی شراب وگلاب موقوف، بیس بائیس روپیہ مہینا بچا، روزمرہ کا خرچ
چلایا، یاروں نے پوچھا، تبرید وشراب کب تک نہ پیوگے؟ کہا گیا
کہ جب تک وہ نہ پلائینگے، پوچھا کہ نہ پیوگے تو کس طرح جیو گے؟
جواب دیا کہ جس طرح وہ جلائینگے، بارے مہینا پورا نہیں گذرا تھا کہ
رام پور سے علاوہ وجہ مقرری اور روپیہ آگیا، قرض متفرق ادا ہوگیا
متفرق رہا، خیر رہو، صبح کی تبرید رات کی شراب جاری ہوگئی، گوشت
پورا آنے لگا، چونکہ بھائی صاحب نے وجہ موقوفی اور بحالی پوچھی تھی
اُن کو یہ عبارت پڑھا دینا..........“

(۱۳) مرزا اپنی شہرت اور نام آوری کو مسلم جانتے ہیں:-

”قسم شرعی کھا کر کہتا ہوں کہ ایک شخص ہے کہ اُس کی عزت
و نام آوری جمہور کے نزدیک ثابت اور متحقق ہے، اور تم صاحب بھی جانتے ہو
مگر جب تک اُس سے قطع نظر نہ کرو اور اُس مسخرہ کو گمنام و رذیل نہ سمجھ لو
تم کو چین نہ آئے گا - پچاس برس سے دلی میں رہتا ہوں، ہزار ہا خط
اطراف و جوانب سے آتے ہیں بہت لوگ ایسے ہیں کہ محلہ نہیں لکھتے بہت لوگ
ایسے ہیں کہ محلہ سابق کا نام لکھ دیتے ہیں۔ حکام سرکار کے خطوط فارسی

وانگریزی یہاں تک کہ ولایت کے آئے ہوئے صرف شہر کا نام اور میرا نام، یہ سب مراتب تم جانتے ہو اور ان خطوط کو تم دیکھ چکے ہو اور پھر مجھ سے پوچھتے ہو کہ اپنا مسکن بتا۔ اگر ہیں تمھارے نزدیک امیر نہیں، نہ سہی، اہل حرفہ میں سے بھی نہیں ہوں کہ جب تک محلہ اور تھانہ نہ لکھا جائے ہرکارہ میرا پتہ نہ پائے۔ آپ صرف دہلی لکھ کر میرا نام لکھ دیا کیجئے، خط کے پہونچنے کا میں ضامن ....

.........." (بنام مرزا علاء الدین احمد خاں)

(۱۴) پنشن سے دربار اور خلعت کی برقراری مقدم سمجھتے ہیں:-

"مجھے تو دربار وخلعت کے لالے پڑے ہیں تم کو پنشن کا فکر ہے یہاں کے حاکم نے میرا نام فرد میں نہیں لکھا میں نے اسکا اپیل نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کے ہاں کیا ہے، دیکھئے کیا جواب آتا ہے ....

.........." (بنام میر مہدی مجروح)

(۱۵) اہل یورپ کے مذاق کے خلاف مرزا کے خطوط میں کھانے پینے کی چیزوں اور زبان کے چٹخاروں کا کہیں پتہ نہیں مگر شراب کو مستثنیٰ کرکے جسکا ذکر اکثر خطوط میں ہے، مرزا کے ماکولات کا بھی کہیں کہیں ذکر ہے۔

"شام کا کھانا بھی سویرے آتا ہے کئی طرح کے سالن، پلاؤ، مطنجن، لیسنہرے، دونوں وقت روٹیاں، خمیری چپاتیاں، مربے، اچار، میں بھی خوش، لڑکے بھی خوش (یہ رامپور کے کھانے کی تفصیل ہے) "یہاں چاول مجھے بڑھتے نہیں، لمبے نہیں، پتلے نہیں، اب زیادہ

تصدق کرد، پرانے اور پتلے چاول آدھ ایک روپیہ کے خرید کر کے بھیج دو، یاد رہے نئے چاول قابض ہوتے ہیں اور پرانے چاول قابض نہیں ہوتے یہ میرا تجربہ ہے .... (بنام حکیم غلام نجف خاں)

"خصی بکروں کے گوشت کے قلیے، دو پیازے، پلاؤ، کباب جو کچھ تم کھا رہے ہو مجھکو خدا کی قسم اگر اس کا خیال بھی آتا ہو۔ خدا کرے بیکانیر کی مصری کا کوئی ٹکڑا تم کو میسر نہ آیا ہو، کبھی یہ تصور کرتا ہوں کہ میر جان صاحب اسی مصری کے ٹکڑے چبا رہے ہونگے تو یہاں میں رشک سے اپنا کلیجہ چابنے لگتا ہوں ....

(بنام مرزا علاء الدین احمد خان)

"تاریخ نے مزہ دیا، خدا جانے وہ خرمے کس مزہ کے ہونگے جنکی تاریخ ایسی ہے دیکھو صاحب ع قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید: تاریخ دیکھی اسکی تعریف کی، خرمے کھائینگے اسکی تعریف کرینگے، کہیں یہ تمہارے خیال میں نہ آئے کہ یہ حسن طلب ہے کہ ناحق تم دین محمد غریب کو دوبارہ تکلیف دو ابھی رقعہ لیکر آیا ہے ابھی خرمے لیکر آئے لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اگر بفرض محال تم یوں ہی عمل میں لاؤ گے اور میاں دین محمد کے ہاتھ خرمے بھجواؤ گے تو ہم بھی کھائینگے تازہ شے بہتر۔ بارہ سے بہتر[۱۲۶۲] (آخری دو فقروں میں تجنیس خطی ملاحظہ کے قابل ہے) .... (بنام میر احمد حسین میکش)

آخر عمر میں یہ غذا رہ گئی تھی :—

"اس مہینے یعنی رجب کی آٹھویں تاریخ سے بہتروان برس
شروع ہوا، غذا صبح کو سات بادام کا شیرہ قند کے شربت کے ساتھ
دوپہر کو سیر بھر گوشت کا گاڑھا پانی، قریب شام کبھی کبھی تین
تلے ہوئے کباب، چھ گھڑی رات گئے پانچ روپیہ بھر شراب خانہ ساز
اور اسیقدر عرق شیر........"   (بنام منشی حبیب اللہ خاں کا)

(۱۶) انگریزی زبان میں شعراء اردو کا تذکرہ :۔

" وہ (ٹیبگن صاحب) تذکرہ شعراء ہند کا انگریزی میں لکھتے ہیں
مجھ سے بھی انھوں نے مدد چاہی میں نے سات کتابیں بھائی ضیاءالدین
خاں صاحب سے مستعار لیکر ان کے پاس بھیجدیں، پھر انھوں نے مجھ سے
کہا کہ جن شعراء کو تو اچھی طرح جانتا ہے انکا حال لکھ بھیج، میں نے
سولہ آدمی لکھ بھیجے بقید اسکے کہ اب زندہ موجود ہیں اور اس تعداد
کی صورت یہ ہے (۱) نواب ضیاءالدین احمد خاں بہادر رئیس لوہارو
........(۲) نواب مصطفےٰ خان بہادر علاقہ دار جہانگیر آباد....
........(۳) منشی ہرگوپال معزز قانونگو سکندر آباد کے کہ تفتہ تخلص
کرتے ہیں اسداللہ خاں غالب کے شاگرد...... اصل یہ ہے کہ تذکرہ
انگریزی زبان میں لکھا جاتا ہے اشعار ہندی اور فارسی کا ترجمہ شامل
نہ کیا جائیگا صرف شاعر اور اس کے استاد کا نام اور شاعر کے مسکن اور
وطن کا نام مع تخلص درج ہوگا........ ....۱۸۶۴ء
(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

(۱۷) تصویر کے متعلق ۔ اپنی تصویر کے متعلق مرزا نے جن خطوط میں ذکر کیا ہے یا جس کو جس کو وہ تصویر بھیجی ہے اُن کا حوالہ یہاں دیا جاتا ہے :۔

"میاں محمد افضل تصویر کھینچ رہے ہیں جلدی نہ کرد، دیر آید درست آید

(یہ تصویر تملی معلوم ہوتی ہے) .... (بنام میر مہدی مجروح)

"بارے بصورت تصویر دونوں صاحبوں یعنی حکیم سید احمد حسن مودودی اور نواب میر ابراہیم علی خاں (وفا) کی خدمت میں میرا سلام پہونچتا معلوم ہوا۔ اگرچہ اس صورت میں چلنا پھرنا خدمت بجا لانی نہیں ہو سکتی مگر خیر حضرت کے پیش نظر حاضر رہونگا..... ....." (بنام حکیم سید احمد حسن مودودی)

"آج ۱۶ ر جون ۱۸۶۷ء بارہ بجے عنایت نامہ آیا، سرنامہ دیکھکر سفیدہ صبح مراد سمجھا، ننگا ایک چھوٹی سی خس کی ٹٹی کے پاس بیٹھا ہوا تھا، خط پڑھکر وہ حال طاری ہوا کہ اگر ننگا نہ ہوتا تو گریبان پھاڑ ڈالتا! اگر جان عزیز نہوتی تو سر پھوڑتا اور کیونکر اس غم کی تاب لاتا کہ میں نے اپنے کو کھنچوا کر بصورت تصویر آپکی خدمت میں بھیجا، لفافہ انگریزی اقبال نشان شہاب الدین خاں سے لکھوا کر بیرنگ ارسال کیا اس فرمان میں اس لفافہ کے رسید نہ پائی ظاہرا ڈاک پر ڈاکو گرے اور میرے پیکر بے روح کے ٹکڑے اُڑا دیئے........." (بنام شہزادہ بشیر الدین)

"صاحب اس بڑھاپے میں تصویر کے پردہ میں کیا کھینچا کھنچا پھروں گوشہ نشین آدمی عکس کی تصویر اُتارنے والے کو کہاں ڈھونڈوں، دیکھو ایک جگہ میری تصویر بادشاہ کے دربار میں کھنچی ہوئی ہے

اگر وہ ہاتھ آجاوے گی تو وہ ورق بھیجدونگا ....

(بنام میاں داد خاں سیاح)

"تصویر کا حال یہ ہے کہ ایک مصوّر صاحب میرے دوست میرے چہرے کی تصویر اُتار کر لے گئے اُسکو تین مہینے ہوئے۔ آج تک بدن کا نقشہ کھینچنے کو نہیں آئے میں نے گوارا کیا آئینہ پر نقشہ اُتروا نا بھی۔ ایک دوست اس کام کو کرتے ہیں عید کے دن وہ آئے تھے میں نے اُن سے کہا کہ بھائی میری شبیہ کھینچ دو وعدہ کیا تھا کہ کل تو نہیں پرسوں اسباب کھینچنے کا لیکر آؤنگا۔ یہ پانچواں مہینہ ہے اُبتک نہیں آئے ....." (ایضاً)

(۱۸) دیوان اردو کی خراب طباعت سے بیزاری، مرزا کا دیوان مطبع احمدی شاہدرہ دلی میں جسکے مالک محمد حسین خاں اور مہتمم مرزا موجان تھے پہلی مرتبہ چھپا۔ قیمت چھ آنہ، غالبًا یہ دیوان بہت خراب چھپا ہوگا جس کی وجہ سے مرزا اسقدر ناراض و بیزار رہیں۔

"دیوان اردو چھپ چکا۔ ہائے لکھنؤ کے چھاپے خانے۔ جس کا دیوان چھپا اُسکو آسمان پر چڑھا دیا حُسن خط سے الفاظ کو چمکا دیا دلی پر اور اُسکے پانی پر اور اُسکے چھاپہ پر لعنت۔ صاحب دیوان کو اسطرح یاد کرنا جیسے کوئی کتے کو آواز دے............"

(بنام میر مہدی مجروح)

(۱۹) مرزا اپنے بے تکلف دوستوں سے استمداد زمین بے تکلف تھے۔

"یہ تمہارا دعاگو اگرچہ اور امور میں پایہ عالی نہیں رکھتا۔

مگر احتیاج میں اسکا پایہ بہت عالی ہے یعنی بہت محتاج ہے، سو دو سو میں میری پیاس نہیں بجھتی۔ تمھاری ہمت پر سو ہزار آفریں جے پور سے اگر مجکو دو ہزار ہاتھ آ جاتے تو میرا قرض رفع ہو جاتا اور پھر اگر دو چار برس کی اور زندگی ہوتی تو اتنا ہی قرض اور ملجاتا۔ یہ پانسو تو بھائی تمھاری جان کی قسم متفرقات میں جاکر سو ڈیڑھ سو بچ رہیں گے سو وہ میرے صرف میں آئینگے اور وہ جو سو بابو صاحب منگوائے گئے تھے وہ صرف انگریزی سوداگر کے دینے تھے قیمت اس چیز کی جو ہمارے مذہب میں حرام اور تمھارے مشرب میں حلال ہے سو وہ دیے گئے ...." (بنام مرزا تفتہ)

یہ پانسو روپیہ وصول ہو کر حسب ذیل طریقہ سے خرچ کیے گئے :۔

"ہنڈوی بارہ دن کی میعادی تھی چھ دن گذر گئے تھے چھ دن باقی تھے، مجکو صبر کہاں مِتی کاٹ کر روپیہ لے لئے قرض متفرق سب ادا ہوا بہت سبکدوش ہو گیا۔ آج میرے پاس ستائیس روپیہ نقد بکس میں اور چار بوتل شراب اور تین شیشے گلاب کے توشہ خانہ میں موجود ہیں الحمد للہ علے احسانہ ...." (ایضاً)

(۲۰) مرقع نگاری یعنی الفاظ کے ذریعہ سے سماں کھینچنا۔ مرزا کے خطوط میں اکثر جگہ اس قسم کے سین ہیں جن میں کسی آدمی یا منظر یا موقع کی ہو بہو تصویر کھینچدی ہے۔ وفادار ماما :۔

"بی وفادار جن کو تم کچھ اور بھائی خوب جانتے ہیں اب تمھاری

پھوپی نے اُن کو وفادار بیگ بنا دیا ہے، باہر نکلتی ہیں نہ سودا تو کیا لائیں گی مگر خلیق اور ملنسار ہیں رستے چلتوں سے باتیں کرتی پھرتی ہیں۔ جب وہ محل سے نکلیں گی ممکن نہیں کہ اطراف نہر کی سیر نہ کرینگی ممکن نہیں کہ دروازہ کے سپاہیوں سے باتیں نہ کرینگی ممکن نہیں کہ پھول نہ توڑیں اور بی بی کو جاکر نہ دکھائیں اور نہ کہیں کہ یہ پھول تمہارے چچا کے بیٹے کی کاٹی کے ایں یعنی تمھارے چچا کے بیٹے کی کیاری کے ہیں ...." (بنام مرزا علاء الدین احمد خاں)

جاڑے کی صبح :-

"صبح کا وقت ہے جاڑا خوب پڑ رہا ہے انگیٹھی سامنے رکھی ہوئی ہے دو حرف لکھتا ہوں ہاتھ تاپتا جاتا ہوں۔ آگ میں گرمی نہیں مگر ہائے آتش سیال کہاں۔ کہ جب دو جرعے پی لئے فوراً رگ و پے میں دوڑ گئی۔ دل توانا ہوگیا۔ دماغ روشن ہوگیا، نفس ناطقہ کو تواجد بہم پہونچا۔ ساقی کوثر کا بندہ اور تشنہ لب۔ ہائے غضب ہائے غضب ...." (بنام میر مہدی مجروح)

نواب کلب علی خاں مرحوم والی رامپور کی گدی نشینی کے موقع پر حکام انگریزی کا اجتماع اور دعوت۔ اور نواب صاحب موصوف کی تصویر یہ الفاظ ہیں:-

"یہاں جشن کے وہ سامان ہو رہے ہیں کہ جمشید اگر دیکھتا تو حیران رہجاتا، شہر سے دو کوس پر آغا پور نامی ایک بستی ہے۔ آٹھ دس دن سے وہاں خیام برپا تھے۔ پرسوں صاحب کمشنر بہادر بریلی مع چند

صاحبوں و میموں کے آئے اور خیموں میں اُترے کچھ کم ستّو صاحب اور میم جمع ہوئے سب سرکار رامپور کے مہمان۔ کل سہ شنبہ ۵ دسمبر حضور پرنور بڑے تجمل سے آغا پور تشریف لیگئے ۱۲ پر دو بجے گئے اور شام کو ۵ بجے خلعت پہن کر آئے۔ وزیر علی خاں خانساماں خواصی میں سے روپیہ پھینکتا ہوا آتا تھا۔ دو کوس کے عرصہ میں دو ہزار سے کم نہ نثار ہوا ہوگا آج صاحبان عالی شان کی دعوت ہے ٹپن اور شام کا کھانا یہیں کھائینگے۔ روشنی، آتش بازی کی وہ افراط کہ رات دن کا سامنا کریگی طوائف کا وہ ہجوم حکام کا وہ مجمع کہ اس مجلس کو طوائف الملوک کہا چاہیئے .... رئیس کی تصویر کھینچتا ہوں۔ قد، رنگ، شکل شمائل بعینہ بھائی ضیاء الدین خاں۔ عمر کا فرق اور کچھ کچھ چہرہ اور لحیہ متفاوت حلیم و خلیق، باذل، کریم، متواضع، متشرع، متورع، شعر فہم، سیکڑوں شعر یاد، نثر کی طرف توجہ نہیں نظم لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں جابجا لالے طباطبائی کی طرز برتتے ہیں۔ شگفتہ جبیں ایسے کہ اُن کے دیکھنے سے غم کوسوں بھاگ جاے فصیح البیان ایسے کہ اُنکی تقریر سنکر ایک اور نئی روح قالب میں آئے ....،،

(بنام مرزا علاء الدین احمد خاں)

دلّی کی تباہی بعد غدر :-

"سنتے ہیں کہ نومبر میں مہاراجہ (الور) کو اختیار ملے گا مگر وہ اختیار ایسا ہوگا جیسا کہ خدا نے خلق کو دیا ہے۔ سب کچھ اپنے

قبضۂ قدرت میں رکھا۔ آدمی کو بدنام کیا ہے"

بھائی! کیا پوچھتے ہو۔ کیا لکھوں۔ دلّی کی ہستی منحصر کئی ہنگاموں پر ہے۔ قلعہ، چاندنی چوک، ہر روز مجمع مسجد جامع کا، ہر ہفتہ سیر جمنا کے پل کی، ہر سال میلہ پھول والوں کا، یہ پانچوں باتیں اب نہیں، پھر کہو دلّی کہاں۔ ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں اس نام کا تھا۔ نواب گورنر جنرل بہادر ۱۵ دسمبر کو یہاں داخل ہونگے، دیکھئے کہاں اترتے ہیں اور کیونکر دربار کرتے ہیں۔ آگے کے دربار میں سات جاگیردار تھے کہ انکا الگ الگ دربار ہوتا تھا۔ جھجھر، بہادر گڈھ، بلب گڈھ، فرخ نگر، دوجانہ، پاٹودی، لوہارو، چار معدوم محض ہیں جو باقی رہے انہیں سے دوجانہ، لوہارو۔ تحت حکومت ہانسی حصار پاٹودی حاضر۔ اگر ہانسی حصار کے صاحب کمشنر بہادر ان دونوں کو یہاں لے آئے تو تین رہیں۔ ورنہ ایک ہیں۔ دربار عام والے مہاجن لوگ سب موجود اہل اسلام میں سے صرف تین آدمی باقی ہیں۔ میرٹھ میں مصطفےٰ خاں، سلطان جی میں مولوی صدر الدین خاں، بلی ماروں میں سگ دنیا موسوم بہ اسد تینوں مردود و مطرود۔ محروم و مغموم، تم آتے ہو چلے آؤ، ..... خانچند کے کوچہ کی سڑک دیکھ جاؤ۔ بلاقی بیگم کے کوچہ کا ڈھنیا۔ جامع مسجد کے گرد ستر ستر گز گول میدان نکلنا سن جاؤ"

" شہر کا حال میں کیا جانوں پونٹی ٹولی کوئی چیز ہے وہ جاری

ہوگئی ہے۔ سوائے اناج اور اُپلے کے کوئی چیز ایسی نہیں جس پر محصول لگا ہو جامع مسجد کے گرد پچیس پچیس فٹ گول میدان نکلے گا - حویلیاں ڈھائی جائیں گی۔ دارالبقا فنا ہو جائے گی، رہے نام اللہ کا خانچند کا کوچہ شاہ بولا کے بڑھ تک ڈھے گا - دونوں طرف پھاوڑہ چل رہا ہے"

" لو جامع مسجد واگزاشت ہو گئی خشکی قبر کی طرف سیڑھیوں پر کبابیوں نے دکانیں بنالیں - انڈا مرغی کبوتر بکنے لگا - دس آدمی مہتمم ٹھہرے - مرزا الٰہی بخش، مولوی صدرالدین تفضل حسین خان، تین یہ سات اور ۷ ار نومبر ۱۴ ار جمادی الاول سال حال جمعہ کے دن ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ در قید جسم سے رہا ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون -

" آبادی کا حکم عام لوگوں کو کمال لطف اور نرمی سے آباد کرتے جاتے ہیں اور ایک نقل سنو وہاں کے صاحب کمشنر بہادر اعظم جو دیکھا کہ محلے میں ہنود بسے ہوئے ہیں اہل اسلام نہیں ہیں۔ ہنود کو اور علاقوں پر بھیج دیا - اور انکی جگہ مسلمانوں کو بھرتی کیا"

" عملداری کی وہ صورت ہے جو غدر سے پہلے تھی - اب یہاں ٹکٹ چھاپے گئے ہیں میں نے بھی دیکھے - فارسی عبارت یہ ہے "ٹکٹ آبادی در درون شہر دہلی بشرط ادخال جرمانہ" مقدار روپیہ کی حاکم کی رائے پر ہے آج پانچ ہزار ٹکٹ چھپ چکا ہے - کل اتوار یوم التعطیل ہے - پرسوں دوشنبہ سے دیکھئے یہ کاغذ کیونکر تقسیم ہوں"

مضمون بہت طویل ہے اور دلچسپ ہے اور ہم جانتے ہیں کہ مرزا کے رقعات پر جتنی مرتبہ نگاہ ڈالی جائے گی اسی قدر ان کے غوامض اور دقائق اور دلچسپ باتوں پر عبور ہوتا جائے گا، اور اس دریائے ذخار سے برابر درِ شاہوار نکلتے آئینگے، اور جس طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام ابو حنیفہ رح کے متعلق فرمایا تھا کہ

أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا إِنَّ ذِكْرَهُ

هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ

اسی طرح مرزا غالب کے ذکر کا اعادہ و تکرار بھی مثل مشک کے ہمیشہ خوشبو دیتے اور مشامِ جاں کو معطر کرتے رہینگے۔ مگر بخوف طوالت اور اپنی عاجز بیانی کا اعتراف کرتے ہوئے اور اس شعر کو پڑھتے ہوئے کہ

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

ہم اس مقدمہ کو ختم کرتے ہیں۔

خاکسار محمد عسکری عفی عنہ

لکھنو، مورخہ ۱۳ راگست سنہ ۱۹۲۹ء

ادبی خطوط مرزا غالب

یعنی

ایسے خطوط جنمیں مرزا نے نکات ادبیہ حل کیے ہیں، اشعار کے معنی سمجھائے ہیں اور شعرا کے متعلق رائے زنی کی ہے،

نمبر ۱

اپنا ذوق فارسی اور مسلک خلاف جمہور۔ شراح غلطی کر سکتے ہیں اور اون کے کلام کو وحی نہ سمجھنا چاہیے۔ "دیوانگری محبت تو" الخ کی تشریح۔ "دیوانگی محبت" اور "دیوانگی و محبت" میں فرق۔ "تا ہر چہ گفتی از تو مکرر شنودمے" کی تشریح۔

اپنا ذوق فارسی اور مسلک خلاف جمہور

چودھری صاحب شفیق مکرم کی خدمت میں بعد ارسال سلام مسنون عرض کرتا ہوں کہ آپ نے ذرہ پروری اور درویش نوازی کی ورنہ میں سزاوار ستایش نہیں ہوں۔ ایک سپاہی زادہ ہیچمداں اور پھر دل افسردہ و رواں فشردہ۔ ہاں ایک طبع موزوں اور فارسی زبان سے لگاؤ رکھتا ہوں اور یہ بھی یاد رہے کہ فارسی کی ترکیب الفاظ اور فارسی اشعار کے معنی کی پرداز میں میرا قول اکثر خلاف جمہور پائیے گا اور حق بجانب میرے ہوگا۔

شارح غلطی کر سکتے ہیں اور انکے کلام کو وحی نہ سمجھنا چاہیے

پہلے میں حضرت سے پوچھتا ہوں کہ یہ صاحب جو شرحیں لکھتے ہیں کیا یہ سب ایزدی سروش ہیں اور انکا کلام وحی ہے۔ اپنے قیاس سے معنی پیدا کرتے ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ ہر جگہ اُن کا قیاس غلط ہے۔ مگر یہ بھی نہیں کوئی کہہ سکتا کہ جو کچھ یہ فرماتے ہیں وہ صحیح ہے۔ اسی چھاپے میں کہ جسکا آپ حوالہ دیتے ہیں "منکہ باشم[1] عقل کل الخ" اس شعر کی شرح کو ملاحظہ کیجئے عبارت وہ تعقید سے لبریز کہ مقصود شارح کا سمجھا بھی نہیں جاتا اور جب غور و تامل کے بعد سمجھ لیجئے تو وہ معنی ہرگز لائق اس کے نہیں ہیں کہ فکر سلیم اوسکو قبول کرے۔ پھر "احسان[1] تو بشگافته الخ"۔ اس مصرع کی توجیہ کتنی بیہودہ اور بے نفع ہے۔ عرفی کو کہاں سے لاؤں جو اوس سے پوچھوں کہ بھائی تو نے اس شعر کے کیا معنی رکھے ہیں۔

دیوانگری محبت تو الخ کی تشریح

؎[2] دیوانگری محبت تو	کامروز مسلم ست مارا
بیگانه ز تاج کرد تارک	آوارہ ز کفش کرد پارا

جیسا کہ دوسرے شعر کے مفہوم کو شارح کہتا ہے کہ دیوانگی میں یہ حالت بعید نہیں ایسا ہی اگر کوئی کہے منصب دیوانی سے یہ بات بعید ہے تو پھر شارح کیا جواب دیگا۔ ہاں یہ کہیگا کہ غلبہ محبت میں پاس وضع نہ رہا اور دیوان جی صاحب گھر ہی سے ننگے سر اور ننگے پاؤں نکل بھاگے۔ ہم نے مانا مگر ہم پوچھتے ہیں کہ "دیوانگی

[1] ان اشعار کی تشریح خط نمبر ۲ میں کی گئی ہے [2] عرفی قصیدہ نعتیہ

کیوں نہ لکھیں کہ دوسرے شعر کے معنے بے تکلف منطبق ہو جائیں اور توجیہات درمیان نہ آئیں۔

دیوانگی محبت" اور "دیوانگی و محبت" میں فرق

فقیر کے نزدیک "دیوانگی محبت" تو صحیح اور بے تکلف ہے اور "دیوانگی و محبت" غلط محض اور "دیوانگی محبت" تو تکلف محض۔ دیوانگی اور محبت دو صفتیں کیوں جمع کریں۔ غور کیجیے عطف واو یہ چاہتا ہے کہ یہ شخص پہلے سے دیوانہ تھا اور پھر اُسی حالت میں اُس کو محبت پیدا ہوئی۔ دیوانگی میں تاج و کفش بیجا تھی محبت پیدا ہونے کے بعد یہ حالت طاری ہوئی۔ کیا بے مزہ توجیہ ہے۔ ہاں "دیوانگی محبت" یعنی وہ جنون جو فرط محبت میں بہم پہونچا اُسنے اس احوال کو پہونچایا۔ فقیر "دیوانگی محبت" کہیگا اور "دیوانگی و محبت" کہنے کو منع کریگا اور "دیوانگی محبت" کہنے کو نہ مانع آئے گا نہ تسلیم کریگا۔ زیادہ اس سے کیا عرض کروں۔ یاد آوری اور رہ گستری کا شکر بجا لاتا ہوں اور بس۔

اب یہاں سے روئے سخن حضرت پیر و مرشد صاحب عالم صاحب کیطرف ہے۔ اپنے مخدوم و مطاع حضرت صاحب کی خدمت میں بندگی عرض کرتا ہوں اور حیران ہوں کہ اور کیا کہوں۔ . . . .

"تا ہر چہ گفتی از تو مکرر شنود ست" کی تشریح

ع تا ہر چہ گفتی از تو مکرر شنودہ ہ "شدست" کی رعایت سے کہ وہ بیائے مجہول ہے بمعنی "شد" اکثر صاحب "گفتی" کو بھی بیائے مجہول پڑھتے ہیں تاکہ "میگفت" کے معنی پیدا ہوں۔ اس صورت میں

خطاب سے بطرف غیبت کے رجوع کرتے ہیں اور "گفتی" بیائے معروف کہ صیغہ واحد حاضر ہے ازمنہ میں سے شعار زمانۂ ماضی رکھتا ہے اور "شدن" "شود" یہ سب استقبال کے مقتضی ہیں اور معروف "گفتی" ماضی ہے پس اگر "گفتی" بیائے معروف کہیئے تو اوپر کے مصرعہ میں "بُدی" کہنا ہوگا۔ بودی کا مخفف۔ خلاصہ یہ کہ اگر وہاں "بدی" کہیئے تو یہاں "گفتی" بیائے معروف بے تکلف درست اور بیائے مجہول غلط ہے اور اگر وہاں "شدے" کہیئے تو یہاں "گفتے" بیائے مجہول کہیئے۔ غیبت اور خطاب کا تفرقہ مٹا دیجئے۔ "گفتے" بیائے مجہول میں خطاب حاضر مقرر رہتا ہے۔ اور تو کا لفظ جو قریب ہے وہ اس معنی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ نظائر اسکے فارسی میں بہت ہیں۔ رباعی کے باب کی پرسش ہرگز نہ رہے۔ نہیں کہی زیادہ حد ادب (بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۲

تکمیل فارسی کے واسطے مناسبت طبیعت اور تتبع اہل زبان ضروری ہے۔

تشریح ؎ منکہ باشم عقل کل را نا وکسا نداز ادب ✣ مرغ اوصاف تو از اوج بیان انداختہ

تشریح ؎ انعام تو بر دوختہ چشم دہن آز ✣ احسان تو بشگافتہ ہر قطرۂ یم را

تشریح ؎ ناموس نگہداشتی از جود نگیتی ✣ جز پردگیانِ حرمِ معدن دیم را

وقت است کہ این قوم بہر کوچہ و بازار ✣ پرسند زہم فشار رسوائی ہم را

رباعی کی حقیقت۔ رباعی خاقانی ذوقافیتین۔ رباعی غالب۔ اقسام نثر۔

رقعۂ غالب درنثر مرجز (بلینک ورس)

تکمیل فارسی کے لیے مناسبتِ طبیعت اور تتبع اہلِ زبان ضروری ہے۔

بندہ پرور مہربانی نامہ آیا سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا۔ فارسی کی تکمیل کے واسطے اصل الاصول مناسبت طبیعت کی ہے۔ پھر تتبع کلام اہل زبان لیکن نہ اشعار قتیل و واقف وشعرائے ہندوستان کہ یہ اشعار سوائے اسکے کہ ان کو موزونی طبع کا نتیجہ کہیئے اور کسی تعریف کے شایاں نہیں ہیں۔ نہ ترکیب فارسی نہ معنی نازک۔ ہاں الفاظ فرسودہ عامیانہ جو اطفال دبستاں جانتے ہیں اور جو متصدی نثر میں درج کرتے ہیں وہ الفاظ فارسی یہ لوگ نظم میں خرچ کرتے ہیں۔ جب رودکی و عنصری و خاقانی و رشید وطواط اور اُن کے امثال و نظائر کا کلام بالاستیعاب دیکھا جائے اور اُن کی ترکیبوں سے آشنائی بہم پہونچے اور ذہن اعوجاج کیطرف نہ لیجائے تب آدمی جانتا ہے کہ ہاں فارسی یہ ہے۔

منکہ باشم[1] عقل کل را ناوک انداز ادب مرغ اوصاف تو از اوج بیاں انداختہ

"منکہ باشم" اس کی جو شرح چھاپہ میں لکھی ہے اوسکو ملاحظہ کیجیے اور معنی میرے خاطر نشان کیجیے تو میں سلام کروں۔ پہلے نظر یہاں لڑنی چاہیئے کہ "از اوج بیان انداختہ" کا فاعل کون ہے اور مفعول کون ہے۔ اگر "عقل کل" کو انداختہ کا مفعول اور "منکہ" کے کاف کو کدامیہ ٹھہراؤگے تو بے شبہہ "انداختہ" کے فاعل وہ ٹھہرینگے

[1] عرفی قصیدہ حمد

ایک "ناوک انداز ادب" اور ایک "مرغ اوصاف تو"۔ ایک فعل اور دو فاعل یہ کیا
طریق اور کیسی تحقیق ہے۔ اب فقیر سے اسکے معنے سنیے "من" "انداختہ"
کا مفعول "را" مقدر "منکہ" کا کاف توصیفی "ناوک انداز ادب"۔ ادب آموز
یعنی اُستاد "مرغ اوصاف تو" فاعل مجھکو کہ عقل کل کا اُستاد ہوں تیرے
مُرغ توصیف نے اوج بیان سے گرا دیا۔ عقل کل تک کہ وہ علویوں میں اعلیٰ ہے
اُسکا ناوک پہنچ سکتا، مگر مرغ اوصاف اوس مقام پر ہے کہ جہاں اس
ناوک انداز کو ناوک پہونچانے کی گنجایش نہیں۔ اوج بیان سے گرنا عاجز آنا
ہے قدرت وہ کہ عقل کل سے بھی زیادہ اور عجز یہ کہ اوج بیان سے گر گیا۔ اچھا
مبالغہ ہے مرغ اوصاف کی بلندی کا۔ اور کیا خوب مضمون ہے اظہار عجز باوجود
دعوی قدرت کا۔

انعام تو بردوختہ چشم دہن آز
احسان تو بشگافتہ ہر قطرۂ یم را[۵۱]

انعام تو بردوختہ چشم و دہن آز   احسان تو بشگافتہ ہر قطرۂ یم را
پہلے مصرع کے تو معنے وہی ہیں جو چھاپے میں لکھے
ہیں مصرعۂ ثانی کی شرح میں گمراہ ہوگیا "احسان تو ہر قطرۂ دریا بشگافت تاہم بقید
حباب نیامد"۔ یہ بیچارا اس معنی کے معنی نہیں سمجھا۔ سیدھی بات ہے مگر خیال میں
جب آئیگی کہ اساتذہ کے مسلمات معلوم ہوں۔ کمال ایثار و عطا میں مروارید

---

۵۱ عرفی۔ قصیدہ نعتیہ

دیا قوت اور بحر و معدن کی کم حقیقتی آتی ہے لعل و دُر کا معدوم ہو جانا اور بحر و کان کا خالی رہ جانا نئی نئی طرح سے باندھا ہے۔ چنانچہ میں نے کسی زمانے میں اسی زمین میں ایک قصیدہ لکھ کر وزیر الدولہ والی ٹونک کو بھیجا تھا۔ اُس میں کے دو شعر آپ کو لکھتا ہوں۔

ناموس نگہ داشتی از جود مگیتی[له]
جز پردگیانِ حرم معدن و یم را
وقت است کہ این قوم بہر کوچہ و بازار
پرسند ز ہم منت رسوائی ہم را

ناموس نگہ داشتی از جود مگیتی — جز پردگیانِ حرم معدن و یم را
وقت است کہ این قوم بہر کوچہ و بازار — پرسند ز ہم منت رسوائی ہم را

"پردگیانِ حرم معدن و یم" لعل و گوہر جو کثرتِ ایثار سے کوچہ و بازار میں خاک آلود پڑے ہوئے ہیں۔ وہ باہم دگر در دمندانہ یہ گفتگو کرتے ہیں کہ اس شخص نے سب کی حرمتیں رکھ لیں اور سب کی آبروئیں بچائیں ہم کو اس قدر بے حرمت اور ذلیل کیوں رکھا ہے۔ قطرہ دریا کا حساب کے واسطے چیر نا بجنا سہے مقولہ عرفی کا یہ ہے کہ جتنے موتی دریا میں ہاتھ آئے بخشدیے اور بخشش کا ذوق باقی رہا۔ چونکہ قطرہ میں بالقوۃ استعداد موتی ہو جانے کی ہے تو اس احتمال سے ہر قطرہ دریا کو چیر ڈالا اگر موتی ہاتھ

له قصیدۂ غالب در مدح وزیر الدولہ والی ٹونک

آدیں تو وہ سائلوں کو دئیے جاویں[۱]۔ پہلے مصرعہ میں حرص کا سیر کر دینا موافق مسلمات شعر ممتنع۔ اور اسکا مرفوع میں آنا اغراق۔ دوسرے مصرعہ میں باحتمال استعداد بالقوۃ قطرہ کو چیر ڈالنا اور پھر اس طرح کہ ہر قطرہ کو۔ یہ اغراق سے گذر کر تبلیغ و غلو ہے۔

یہاں سے خطاب حضرت صاحب عالم کیطرف ہی۔ مخدوم مکرم و مطاع معظم قبلہ دیدہ و دل کہ جو میرے اور اپنے ملنے کو از قسم فرض محال نہیں مانتے ہیں۔ خدا کرے ایسا ہی ہو جیسا وہ جانتے ہیں۔ تقصیر معاف ہو اگر دنیا میں ظہور ہر امر کا بحسب مساعدت اسباب ہے تو اس تمنا کا حصول مانند اعادۂ شباب ہے

[۱] مختصر یہ کہ شارح کے معنے کے مطابق تو احسان نے دریا کے قطرونکو اسواسطے چیرا کہ وہ بذل و عطا کے حساب میں پورے پڑ جائیں۔ مگر مرزا صاحب کے معنی نہایت شاعرانہ اور لطیف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قطرے چیرنے کی غرض یہ تھی کہ اون میں استعداد موتی بننے کی دریافت کیجائے اگر اُن میں ایسی استعداد پائی تو وہ سب موتی انعام میں دیدیئے۔

وان فاق الوری فی الجنس والفصل

فان الد ربعض القطر فی الاصل

یہ شعر علامہ عبدالجلیل بلگرامی کا مرزا کے خیال اور معانی کی تصدیق کرتا ہی علی ہذا القیاس متنبی کا یہ شعر

وان تفق الانام وانت فیہم   فان المسک بعض دم الغزال

بھی انہیں معانی کا مؤید ہے۔

کوئی وجہ نہیں پاتا آپ کے یہاں تشریف لانے کی اور کوئی صورت نظر نہیں
آتی میرے وہاں آنیکی. اگرچہ حیز امکان سے باہر نہیں مگر وقوع میں تامل ہے
اب جو بھائی منشی نبی بخش صاحب کو خط لکھونگا تو آپکا سلام ضرور لکھ دونگا۔
آپنے احباب بعاض کی خیر و عافیت عموماً لکھی بالتخصیص حضرت شاہ عالم
صاحب کا سلام نہ لکھا کیا وہ وہاں نہیں ہیں اور اگر کہیں ہیں تو انکا حال مجھکو
لکھئے اور اگر وہاں ہیں تو میرا سلام انکو کہئے۔

رباعی کی حقیقت رباعی کے باب میں بیان مختصر یہ ہے کہ اسکا ایک وزن معین
ہے. عرب میں دستور نہ تھا سوائے عجم کے یہ بحر ہزج میں سے نکالا ہے "مفعول
مفاعلن فعولن" ہزج مسدس اخرب مقبوض مقصور۔ اس وزن پر "فعلن" بڑھا
دیا ہے "مفعول مفاعلن فعولن فعلن" زحافات اس میں بعض کے نزدیک اٹھارہ
اور بعض کے نزدیک چوبیس ہیں اور وہ سب جائز اور روا ہیں اور اس بحر کا نام
بحر رباعی ہے. رباعی ہیچ ہے کہ سوائے اس بحر کے اور بحر میں نہیں کہی جاتی
اور یہ جو مطلع اور حسن مطلع کو رباعی کہتے ہیں اس راہ سے کہ چار مصرعے ہیں
کہو ورنہ رباعی نہیں ہے نظم ہے قدما کو بیشتر اسکا التزام تھا کہ ہر مصرعہ میں
قافیہ رکھتے تھے۔

رباعی خاقانی ذوقافیتین خاقانی برعایت صنعت ذوقافیتین کہتا ہے رباعی

من بودم آن نگار روحانی روی   افگند دران دو زلف چوگانی گوی

خلقے بدر ایستادہ خاقانی جوئے　　　　من در حرم وصال سجانی گوئے

اپنی رباعی | میں پانچ سات برس سے بہرا ہو گیا ہوں ایک رباعی چار قافیہ کی اس مضمون خاص کی میں نے لکھی ہے برعایت صنعت ذوقافیتین رباعی دارم دل شاد و دیدۂ بینائے ؛ و زکری گوشم بنود پروائے ؛ خوبست کہ نشنوم زہر خود رائے ؛ گلبانگ انا ربکم الاعلائے ۔ فقیر اس باب میں متعصب ہے اور وزن کی دو بیت میں قافیہ والی کو رباعی نہ کہیگا ۔

اقسام نثر | (۱) نثر عاری نہ قافیہ نہ وزن (۲) نثر مسجع قافیہ موجود وزن مفقود ۔ مگر اس میں تسجیع کی رعایت ضرور ہے یعنی فقرہ میں کے الفاظ مماثل اور ملایم ہمد گر ہوں اور اگر یہ بات نہ ہو گی اور صرف قافیہ ہو گا تو اسکو مقفے کہینگے نہ مسجع (۳) نثر مرجز وہ ہے کہ وزن ہو اور قافیہ نہو ۔ جب آپ لاٰ لہ قتیل کے گڑھے ہوئے فقرے دیکھ چکے ہیں تو مجکو فقرہ تراشی کی تکلیف کیوں دیتے ہیں زمانہ گزشتہ میں بھائی ضیاء الدین خانصاحب نیر تخلص ایک مختصر سا دیوان حضرت نظامی کا مجکو دکھلانے لائے تھے اُس میں نثر مرجز تھی میں اُس دن نواب مصطفے خاں حسرتی کو خط لکھا چاہتا تھا اسی وضع پر خط لکھا اور وہ خط "پنج آہنگ" میں ہی مگر میں نے اس طرز میں بمقتضائے شوخی طبع یہ بات کی ہو کہ ایک جگہ جو فقرے مقفی ہو گئے ہیں اور وہ لفظ مجکو پسند آ گئے ہیں میں نے اسکو یوں ہی رہنے دیا ہو۔ اسکو دستور میں تصور نہ کیجئے گا وہ رقعہ یہ[1] ہے ۔

---

[1] ایسے اصحاب کے لیے جو مرزا غالب کے کلام کے عاشق تو ضرور ہیں مگر (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ پر)

رقعہ غالب در نثر مرجز رلمبنگ ورس)

ہاں خواجۂ بے پروا! من بندہ کہ غمناکم، وز غصہ جگر چاکم، خواہم سخنے گفتن، آن روز کہ می رفتند، آں نامہ فرستادند، کز دیدن آں خوں شد، دل تا جگر از اندہ، گفتم چہ کنم غالب، چوں کار دگرگوں شد، بیایدم اینک رفت، تا عذر سخن خواہم، چون گرد و غبارے بود، رفتن نتوانستم،

اُن کی بولی نہیں سمجھتے اور نہ سمجھنے کی زحمت گوارا فرماتے ہیں اس خط کا مضمون صاف اور عام فہم اردو میں لکھا جاتا ہے تاکہ ہر شخص اسکو سمجھ لے اور یہ دیکھے کہ مرزا معمولی معمولی باتوں کو کس شاعرانہ انداز سے اور کیسے دلچسپ پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔ یہ خط نواب مصطفےٰ خان شیفتہ کے نام ہے جن سے مرزا صاحب کو کمال محبت اور خلوص تھا اور انکو بھی مرزا صاحب سے حد درجہ کی عقیدت اور محبت تھی۔ مرزا کو نواب صاحب سے اُن کی بے پروائی کی سخت شکایت ہے اسلئے اس خط میں انکو "خواجۂ بے پروا" کے القاب سے یاد کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:۔

"مجکو نہایت افسوس اور رنج ہے اور اسی رنج میں میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ جس دن آپ جانیوالے تھے اور وہ رقعہ بھیجا تھا تو اُسکو پڑھ کر مجھے بیحد افسوس ہوا۔ میں دل میں سوچا کہ اب کیا کروں؟ کام بگڑ گیا مجکو اسی وقت جاکر معذرت کرنا چاہیے۔ جانے کو بالکل تیار تھا مگر شدت گرد و غبار کیوجہ سے نہ جا سکا۔ پھر شام ہوگئی اور بالکل اندھیرا ہوگیا۔ میں اُسی رنج و غم میں پڑا رہا مگر سوتا کیا خاک۔ غم زدوں کو کہیں نیند آتی ہے۔ اسی حالت میں صبح ہوگئی اور آفتاب نکل آیا۔ اور میں نے اُسی کرب بےچینی میں دلکا راز زبان پر (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

آں روز بشام آمد، لا بلکہ سیہ تر شد، سر ماندہ ببالیں بر چوں
غمزدگاں خفتم، ہے ہے چہ تواں خفت، آں خستہ کہ غمخوارش، بر زخم
نمک ریزد، وز دیدۂ بیدارش، شور آبہ رواں باشد،
چوں از اُفقِ شرقی، خورشیدِ درخشندہ، ناگاہ سرے برزد، آتش
بجہاں درزد، مرغِ سحری پر زد، رفتم بجگر کاوی، واں رازِ نہانی
را، از دل بزباں دادم، در صورتِ تنہائی، بے پردہ چو ہمرازاں
نے آمد و ہمدم شد، چنداں کہ دم اندر نے، از مہر دمیدم من،
چوں من بنوا آمد، زاں نالہ کہ بر لب بود، از باطنِ نے سرزد، آں
دم کہ نفس با نے، زیں گونہ کشاکش کرد، یک کاغذِ ننوشتہ،
بود است بدستم در، چوں نالہ نمودے دہشت، زاں شعلہ کہ دودے
داشت، بر صفحہ نشانہا ماند، گفتم مگر ایں صفحہ، غمنامۂ راز استے

لانا چاہا۔ ناگاہ اُسی عالمِ تنہائی سے ایک صورت مثل نے کے پیدا ہوئی اور میری مونس و غمخوار
بنی۔ میں نے چاہا کہ اپنے نالوں کا اظہار اُس کی آواز سے کروں مگر اُسکی آواز بھی میرے نالوں کی
طرح دردانگیز تھی۔ جس وقت کہ میری سانس میں اور نے میں کشاکش جاری تھی میں نے ایک سادہ
کاغذ اٹھایا اور جو دھواں کہ میرے دل سے اُسوقت اُٹھ رہا تھا وہ نقوش کی صورت میں کاغذ
پر جم گیا اور ایک تحریر کی صورت اُس نے اختیار کرلی۔ اُس کاغذ کو جو میرا دلی راز اور نیز دلی نیاز
تھا۔ میں نے خط سمجھکر موڑا اور فوراً اوسکو لفافہ میں بند کرکے اور (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ پر)

فہرست نیاز استے، باید کہ فرد پیچم، وانگہ بہ نشانمندی، نزی

خواجہ رواں سازم، کوتاہ کنم گفتن، آں نامہ کہ من گفتم، حجاب

در والا، بردند و رواں کردند،

ہر چند در اندیشہ پیداست کہ خوش باشد، با خواجگی استغنا،

با ایں ہمہ خوش نبود، پوزش نہ پذیرفتن،

امروز سحرگاہاں، روشن گہر آں نیرؔ، کش روح رواں دانم، بل خوشتر

ازاں دانم، دیوان نظامی را، آورد بسوئے من، زیں گوشہ

نواہا بود، در پردۂ گفتارش، کز ذوق بہ ہنجارش، ایں زمزمہ

سر کردم، والا گہر اکبر خاں، خواہند سلام از من (بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۳

"دستنبو" کیونکر شروع ہوئی۔ "من آں دریائے آشوبم کہ از تاثیر خاصیت" کی شرح

بندہ پرور۔ آپ کا تفقد نامہ محررہ پندرہ نومبر آج پنجشنبہ کے دن

تیہ لکھکے آپکی خدمت میں روانہ کیا۔ ہر چند کہ جانتا ہوں کہ آپ کی شان شایان بے پروائی و
استغنا ہے مگر پھر بھی کسی کا عذر نہ قبول کرنا اچھی چیز نہیں ہے۔ آج میرے عزیز و حبیب ضیاء الدین
خاں نیرؔ آئے تھے اور دیوان نظامی مجھے دکھانے لائے تھے اُس میں ایک ایسی دلکش چیز نظر پڑی کہ
اُسی طرز پر یہ خط آپکو لکھ رہا ہوں۔ اکبر خاں صاحب کو میرا سلام پہونچے۔"

اٹھارہ نومبر کو یہاں پہونچا۔ مارہرہ کا خط دلی چوتھے دن آیا۔ ہر دلی کا خط مارہرہ دیر میں کیوں پہونچتا ہے۔ لو تمہاری خوشی اب کی یہ خط بیرنگ بھیجتا ہوں۔ مگر مجھکو اطلاع دیجیئے گا کہ کس دن پہونچا۔

"دستنبو" کیونکر شروع ہوئی | ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو یہاں فساد شروع ہوا میں نے اُسی دن گھر کا دروازہ بند اور آنا جانا موقوف کر دیا۔ بے شغل زندگی بسر نہیں ہوتی۔ اپنی سرگزشت لکھنا شروع کی۔ جو سُنا گیا وہ بھی ضمیمہ سرگزشت کرتا گیا۔ مگر بطریق لزوم مالایلزم اسکا التزام کیا ہے کہ بزبان فارسی قدیم جو دساتیر کی زبان ہے اُس میں یہ نسخہ لکھا جاوے اور سوائے اسما کے کہ وہ نہیں بدلے جاتے کوئی لغت عربی اس میں نہ آوے چنانچہ ایک نسخہ آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں مگر یہ نذر ہے جناب قبلہ و کعبہ حضرت صاحب عالم صاحب کی، اور چونکہ وہ آپکے بزرگ ہیں جرأت نہ کر سکا کہ آپ کی نذر کروں اور سیر میں اونکو مشترک رکھوں نذر اون کی ہو اور فیضیابی آپکی مطالعے سے۔ یہہات یہ کاتب اساتذہ کے کلام کو کیا بگاڑ دیتے ہیں گویا مسخ کر دیتے ہیں۔ اُنسے بعید نہیں لیکن تمسے اور حضرت صاحب سے بعید ہے کہ سہو کاتب کا نہ سمجھ لیا۔

من آں دریائے آشوبم کہ از تاثیر خاصیت[1] الخ | دو کا فونکا علی التواتر آنا دوسری بات ہے۔

---

[1] عرفی کے ایک قصیدہ نعتیہ کا اڑتالیسواں شعر ہے ؎ من آں دریائے آشوبم کہ از تاثیر خاصیت \ بگہ تسکین ست موج انگیز و آرام است طوفانش۔ یہ قصیدہ خاقانی کے اس قصیدہ کے جواب میں ہے جسکا مطلع یہ ہے ؎ دل من پیر تعلیم است و من طفل زباں دانش الخ

"دریاے آشوب" کیا ٹکسال باہر لفظ ہے۔ استعارہ یا لکنایہ صحیح مگر یہ محل نہیں ہے۔ یہاں تو دریا چاہیئے بے شائبہ استعارہ وکنایہ۔ عیاذاً باللہ عرفی اگر ایک بڑا قدح بھنگ کا یا ایک بوتل شراب کی پیئے ہوئے ہوتا تو بھی یوں نہ لکھتا۔ اُس غریب کا مصرعہ یوں ہے ع من آں دریا پُر آشوبم کہ از تاثیر خاصیت۔ "دریا" موصوف "پُر آشوب" صفت۔ دوسرے مصرعہ کا کاف صفت کی تفسیر

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۴

قتیل کی نسبت رائے۔ "کدہ" کی ترکیب دیگر الفاظ کے ساتھ۔ نثر مرجز اور نثر مقفیٰ کا فرق۔ نظامی اور ظہوری کی نثروں کے اوزان۔ اقسام نثر مسجع اور مرصع کا فرق۔ "حاشا" اور "حاش للہ" اسکی نسبت عیشی کی رائے "ہم عالم" کے اعتراض کا جواب۔ "انتظار" اور "انتظاری"

اب خطاب جناب حضرت عالم صاحب کیطرف ہے پیر و مرشد قلم کا کام زبان سے لینا یعنی تحریر کے مطالب کو پڑھنا اور پڑھا دینا آسان ہے اور زبان کا کام قلم سے لینا دشوار ہے۔ یعنی جو کچھ کہا چاہیے اُسکو کیونکر لکھا چاہیئے۔ وہ بات کہاں کہ کچھ میں نے عرض کیا کچھ آپنے فرمایا دو چار باتوں میں جھگڑے نے انجام پایا۔ خیر دولت مہربانی کہاں میسر۔ آپکے حکم بجالانے کو اپنا شرف جانتا ہوں اسوعرض کرتا ہوں کہ نظامی کب ایسا ہوا کہ جبتک فرید آباد کا کھتری دیوانی سنگھ تم

قتیل | متخلص بہ قتیل جس کو حضرت نے مرحوم لکھا ہے اُسکی تصدیق نہ کرے تب تک اُسکا کلام قابل استناد نہو۔ قتیل اساتذہ سلف کے کلام سے قطعاً مستثنا ہی نہیں۔ اُسکے علم فارسی کا ماخذ اُن لوگوں کی تقریر ہے جو کہ نواب سعادتعلیخاں کے وقت میں ممالک مغربی کی طرف سے لکھنؤ میں آئے اور ہنگامہ آرا ہوئے۔ بیشتر سادہ کشمیری یا کابلی و قندھاری و کرانی احیاناً کوئی عامہ اہل ایران میں سے بھی کوئی ہوگا تا کہ عظماے ایران سے بھی کوئی ہوگا۔ تقریر اور ہے تحریر اور ہے۔ اگر تقریر بعینہ تحریر میں آیا کرے تو خواجہ بقراط اور شرف الدین علی یزدی اور ملا حسین واعظ کاشفی اور طاہر وحید یہ سب نثر میں کیوں خون جگر کھایا کرتے۔ وہ سب اسطرح کی نثریں جو لالہ دیوانی سنگھ قتیل متوفی نے بتقلید اہل ایران لکھی ہیں نہ رقم فرمایا کرتے۔

"کدہ" کی ترکیب دیگر الفاظ کیساتھ | یہ شخص مدعی ہے کہ "کدہ" کا لفظ سوائے پانچ چار اسکے اور اسکے ساتھ ترکیب نہیں پاتا۔ پس "آرزوکدہ" اور "دیوکدہ" اور "زنبورکدہ" اور مثال اسکے جو ہزار جگہ اہل زبان کے کلام میں آیا ہے وہ نادرست ہے۔ میں اور آپ بیٹھیں اور اسکے خرافات پڑھے جائیں اور جو میں عرض کروں اوس پر حضرت غور فرمائیں تب معلوم ہو کہ یہ کتنا لغو اور فارسی دانی سے کتنا بیگانہ ہے۔

نثر مرجز اور نثر مقفی | آدھم بر سر مدعا۔ نثر مرجز اُسکو کہتے ہیں کہ وزن ہو اور قافیہ نہو

مقابل مقفیٰ کے کہ قافیہ ہو اور وزن نہو۔ اور یہاں یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ وزن میں قید

نظامی اور ظہوری کی نثر کے اوزان | منظور نہیں مثلاً حضرت نظامی علیہ الرحمۃ کی

نثر کا وزن یہ ہے۔ مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن۔ حضرت ظہوری علیہ الرحمۃ

فرماتے ہیں۔ "راتشیں سروبن گلشن فتح خنجرش ماہی دریائے ظفر۔ یہ نثر مرجز

ہے وزن اسکا فعلاتن فعلاتن فعلن۔ کاتبوں نے مقفےٰ کرنیکے واسطے

صورت بدل دی ہے اور کچھ تصرف کیا ہے کہ

نثر مرجز رہی نہ مقفے۔ چنانچہ اساتذہ فن "لن تنالوا البر

حتیٰ تنفقوا" اس آیت سراسر ہدایت اثر کو نثر مرجز کہتے ہیں اور اسکا وزن یہ ہے

فاعلاتن فاعلاتن فاعلن "ویرزق من حیث لا یحتسب" اسکا وزن فعولن

فعولن فعولن فعول۔

اقسام نثر | بندہ کی تحقیقات یہی ہے کہ نثر تین قسم ہے مقفےٰ قافیہ ہے اور وزن

نہیں۔ مرجز وزن ہے اور قافیہ نہیں۔ عاری نہ وزن ہے نہ قافیہ۔ مسجع ہی

مقفیٰ ہے کہ دونوں فقروں میں الفاظ ملائم اور مناسب ہمدگر ہوں۔

مسجع اور مرصع کا فرق | نظم میں یہ صنعت آپڑے تو اسکو مرصع کہتے ہیں اور نثر اس صنعت

پر مشتمل ہو تو اوسکو مسجع کہتے ہیں۔ اس قاعدہ کو نہ عبدالرزاق بدل سکتا ہے

نہ صاحب "قلزم ہفتگانہ" نہ یہ قطرہ ہی بے سروپا۔

حاشا اور حاش للہ | "حاشا و حاش للہ" کلام اہل عرب میں اسیطرح ہے

جس طرح آپ فرماتے ہیں مگر پارسیوں نے از راہ تصرف کے بمعنی "زنہار" قرار دیا ہے یعنی تاکید۔ اگر منفی پر آئے تو نفی کی تاکید اور مثبت پر آئے تو اثبات کی تاکید۔ میں کسی کلمہ کا استعمال نہیں کرتا جبتک اہل زبان کے کلام میں نہیں دیکھتا۔

اسکی نسبت عیشی کی رائے

عیشی بیچارہ اسکے لائق نہیں کہ مستند علیہ پڑے مگر یہ لفظ غلط نہیں لکھا ہے اُس غریب نے۔ حضرت قبلہ فارسیوں کے تصرفات اگر دیکھئے تو حیران رہ جایئے۔ مجکو اسوقت کہاں یاد ہے اور کتاب کے نام تو کوئی ورق بھی لکھا ہوا میرے پاس نہیں۔ "حاشا" کا کوئی شعر مؤکد نفی اگر یاد آجائیگا تو آپ کو لکھا جائیگا۔ سہ۔ ہرزہ مشتاب و پے جادہ شناسا بردار + ایکہ در راہ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت +

یہ مثنوی جس میں یہ مصرعہ ہے ع حاش للہ کہ بدمی گویم + کلکتہ میں میں نے لکھی ہے۔ پانچہزار آدمی فراہم تھے اور جو اعتراض مجھپر کیے تھے اُس میں سے

"ہمہ عالم" کے اعتراض کا جواب

ایک اعتراض یہ تھا کہ "ہمہ عالم" غلط ہے یعنی "ہمہ" کا لفظ "عالم" کے ساتھ ربط نہیں پا سکتا۔ قتیل کا حکم یوں ہے۔ عرض کیا گیا کہ حافظ کہتا ہے ع ہمہ عالم گواہ عصمت اوست + سعدی کہتا ہے ع عاشقم بر ہمہ عالم کہ ہمہ عالم از وست۔ غرض اس تحریر سے یہ ہے کہ مثنوی ہاں لکھی گئی اور ایک ایک نقل مولوی کرم حسین بلگرامی اور مولوی عبد القادر رام پوری اور مولوی نعمت علی

عظیم آبادی اور اُن کے امثال اور نظائر کے پاس بھیجی گئی۔ اگر یہ لوگ جگہ پاتے تو میری کھال اُدھیڑ ڈالتے۔ اب ایک نسخہ ہے "ابطال ضرورت" اگرچہ صاحب اُسکا ہندی ہے بلکہ ہندو ہے مگر قابل اچھا ہے۔ دیکھئے اساتذہ کیا کیا تصرفات نمایاں کر گئے ہیں۔

"انتظار" اور "انتظاری"

میں نے آج تک اردو میں "انتظاری" بمعنے "انتظار" نہ آپ لکھا نہ اپنے شاگردوں کو لکھنے دیا۔ اساتذہ مسلم الثبوت کے ہاں فارسی میں موجود ہے حاشا ایسا نہیں کہ اُن میں فارسی دانوں کو تامل ہو۔ زیادہ حد ادب

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۵

مرزا اہل زبان کے پیرو اور ہندیوں میں سوائے امیر خسرو دہلوی کے سب کے منکر ہیں۔ "قاطع برہان" کی تیاری۔ "انگبین و شہد ناب" اور "حرص و آز" کی تصحیح۔ "کمیاب" اور "نایاب"۔ "کم" کی ترکیب دیگر الفاظ کے ساتھ۔ "اندک" بمعنی "کم"۔ نثر مرجز اور نثر مسجع۔ اقسام ثلاثہ نثر۔ صاحب "دستور شگرف" اور ملا غیاث الدین کی رائے کی تنقید درباب "وزن" اور "سجع"

یہاں سے روئے سخن صاحب عالم صاحب کیطرف ہو۔ جناب فیض مآب مولائی و مرشدی تسلیم قبول کریں۔ اور اُس تحریر سے جواب میرے پاس بھیجی ہے

مجکو شاداں اور اپنے بخت اور قسمت پر نازاں تصور فرماویں۔ سب سمجھا اور سب مطالب کا جواب لکھتا ہوں پہلے اپنا ایک شعر کمال گستاخی کو کار فرما کر لکھتا ہوں اور یہ نہیں لکھتا کہ یہ شعر میں نے کیوں لکھا ہے شعر یہ ہے

مرا بہ غیر زیک ضبط در شمار آورد ۔۔۔ فغاں کہ نیست ز پروانہ فرق تا مگسش

مرزا اہل زباں کے پیرو اور ہندیوں سوائے امیر خسرو دہلوی کے سب کے منکر ہیں

بہر حال حضرت کو یہ معلوم ہے کہ میں اہل زبان کا پیرو اور ہندیوں میں سوائے امیر خسرو دہلوی کے سب کا منکر ہوں۔ جب تک قدما یا متاخرین میں مثل صائب و کلیم و اسیر و حزین کے کلام میں کوئی لفظ یا ترکیب نہیں دیکھ لیتا اسکو نظم اور نثر میں نہیں لکھتا۔ جن لوگوں کے محقق ہونے پر اتفاق ہے جمہور کو ان کا حال کیا گزارش کروں۔ ایک اُن میں صاحب "برہان قاطع" ہے۔ اب اِن دنوں مَیں برہان قاطع دیکھ رہا ہوں اور اُس کے فہم کی غلطیاں نکال رہا ہوں اگر زیست باقی ہے تو اِن نکات کو جمع کر کے اِس نسخہ کا نام "قاطع برہان" رکھوں گا۔ ع ۔ کجا بود منزل کجا تا ختم

"قاطع برہاں" کی تیاری

"انگبین و شہد ناب" اور "حرص و آز" کی تصحیح

شعر فردوسی میں "انگبیں و شہد" اور شعر استاد میں "حرص و آز" واقعی بادی النظر میں زائد معلوم ہوتا ہے۔ "شیرناب" بہتر ہے لیکن حرص و آز کو کیا کیجیے گا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ وہاں بھی "خشم و آز" ہے ہرگز حرص و آز نہیں۔ حکما اور صوفیہ قوت غضبی اور قوت شہوی

کی تعدیل میں منتین کرتے ہیں۔ قوت غضبی کی اصلاح سے فضیلت شجاعت اور قوت شہوی کی اصلاح سے فضیلت عفت حاصل ہے۔ اور یہ مسئلہ علم اخلاق میں مبرہن ہے۔ "دو دیدۂ من حرص وآز" بے معنے محض۔ اُستاد کو بدنام کیا۔ ایک اسم دو مسمے تراشے۔ واحد حقیقی کا تثنیہ۔ اِس سے علاوہ مرد عارف حکیم نے قوتِ شہوی کی اصلاح کا ذکر کیا اور قوت غضبی کا مذکور بھی نہ کیا۔ میں نے "خود خشم و آز" دیکھا ہے اور یہی بجا ہے۔ شہد کی جگہ شیر اور حرص کی جگہ خشم درست۔ میری رائے آپ کی رائے کے مطابق۔

"کمیاب" اور "نایاب" مگر "گوگرد سُرخ" اور "پیل سفید" میں ساکت ہوں۔ یہ تقریر کہ "گوگرد سُرخ" کمیاب اور "پیل سفید" نایاب ہے میرے دلنشین نہوئی۔ کبریت احمر اور کیمیا اور عنقا اِن سب کا ایک حکم ہے۔ نظر اس قاعدہ پر "لعل سفید" بہتر ہے اور "کبریت احمر" اور "پیل سفید" بے جوڑ ہے جیسے امیر خسرو کی انملیاں۔

"کم" کی ترکیب دیگر الفاظ کے ساتھ ایک قاعدہ اور عرض کرتا ہوں۔ "کم" کا لفظ اہل فارس کی منطق میں کہیں افادۂ معنی سلب کلی بھی کرتا ہے جیسے "کم آزار" یعنی نیازارندہ نہ یہ کہ کم آزارندہ "کم ہمتا" یعنی بے ہمتا بلکہ اندک کا لفظ بھی اسیطرح آتا ہے۔ جیسا کہ میرا خداوند نعمت نظامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتا ہے۔ ؎

"اندک" بمعنے "کم" پس و پیش چون آفتابم یکے ست ٭ فروغم فراواں فریب اندکے ست

یعنی فریب بالکل نہیں نہ یہ کہ کچھ ہے پس کمیاب اور نایاب ایک چیز ہے۔

نظامی نے "لعل سپید" کہا ہے کسی صاحب طبع نے اسکو غلط سمجھکر "پیل سپید" بنا دیا ہے۔ "انگبین و شہد ناب" شاید مثل غم و اندوہ، مسرت و فرحت، ہو یا ہو "شیر ناب" ہی ہو بلکہ "شیر ناب" بہتر ہے لیکن "حرص و آز" تو کسی طرح درست نہیں۔ عارف کا دعوی ناقص اور لغو رہا جاتا ہے۔ اگر یہ قباحت لازم نہ آتی تو بھی ہم حرص و آز کو مسلم نہ رکھتے کس واسطے کہ غلام کا شبہہ بکمال وضوح غم و اندوہ و عدل و داد کا نظیر نہین ہو سکتا۔ ہاں انگبین و شہد کے جواز میں ہم مضائقہ نہ کرینگے مگر "شیر ناب" کو اُس سے اچھا سمجھینگے۔ شہد میوے کی حلاوت کے واسطے اور شیر افزایش لطافت کے واسطے۔ "حاشا" و "حاش للہ" کا جواب آغاز تحریر میں لکھ چکا آپ کی اس نظیر لکھنے سے اسکے جواز پر میرا یقین نہ بڑھا "لو کشف الغطا، ما ازددت یقینا"

نثر مرجز اور نثر مسجع

نثر مرجز کے باب میں پیر و مرشد کو اتنا تامل کیوں ہے یہ جو نثریں آپنے لکھی ہیں۔ سوائے اُس نثر کے جسکا آگے لکھوں گا۔ یہ تو سب مسجع ہیں یعنے پہلے فقرہ کا ہر لفظ وزن میں موافق ہو دوسرے فقرے کے لفظ سے۔ نظم میں یہ صنعت آپڑے تو نظم کو مرصع کہینگے۔ اور نثر میں واقع ہو تو نثر کو مسجع کہینگے۔ جو حضرات کہ اس نثر کو مرجز کہتے ہیں وہ نثر مسجع کی مثال ہم کو دیں۔ زنہار زنہار یہ نثر مرجز نہیں مسجع ہے۔ ہاں یہ نثر مرجز ہے "صاحبا مشفقا شفیق ولی، زید الطافکم الی الابد، بعد تبلیغ بندگی و نیاز، بر ضمیر منیر روشن باد" اگر وہ نثر کہ

جسکو میں نے مسجع کہا ہے مرجز ہے تو اس کمبخت نثر کا کیا نام ہے۔ نہیں وہ مسجع ہے اور یہ مرجز ہے۔

اقسام ثلثہ نثر

میں تو بہت مختصر مفید لکھ چکا ہوں آپ مانیں تو کیا کروں وزن نہو قافیہ ہو وہ مقفےٰ۔ وزن ہو قافیہ نہو وہ مرجز ہے۔ الفاظ فقرتین وزن میں برابر ہوں وہ مسجع۔ اس صنعت کو بیشتر نثر مقفےٰ میں صرف کرتے ہیں اور چاہو قافیہ کا التزام نہ کرو۔ بہر رنگ اقسام ثلثہ نثر یہی ہے حضرت نے نثر مسجع کو مرجز کہا ہے۔ جواب وہی ہے کہ اگر مرجز یہ ہے تو مسجع کس نثر کو کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ نہ مجکو علم نہ یارائے کلام۔ قتیل لکھنوی اور غیاث الدین ملا مکتبی رامپوری کی قسمت کہاں سے لاؤں کہ تم جیسا شخص میرا معتقد ہو اور میرے قول کو معتمد سمجھے۔ بعد اتمام خط کی تحریر کے خیال آیا شاید کسی بات کا جواب رہ نہ گیا ہو میں نے آپکے خط کو دیکھا

صاحب دستور شگرف اور ملا غیاث الدین کی رائے کی تنقید در باب "وزن" اور "سجع"

اور ایک بات "دستور شگرف" کی عبارت میں نظر آئی "مرجز کلامیست منثور کہ وزن دارد سجع ندارد" اس تعریف کو دیکھیے اور نمونہ نثر کو دیکھیے وہ موزوں کہاں ہے جو "وزن دارد" اسپر صادق آئے۔ وزن بمعنی تقطیع شعر مفقود۔ "سجع ندارد" خدا جانے یہ بزرگ سجع کسکو کہتا ہے۔ سجع ہموزن ہونا دو لفظوں کا فقرتین میں یا مصرعین میں۔ سو اس نثر میں موجود ہے۔ موجود کو مفقود اور مفقود کو موجود لکھا ہے اور پھر کلام اُس کا مقبول ہو۔ اللہ اللہ اللہ ملا غیاث الدین لکھتا ہے "میں

مرجز نثرے باشد کہ کلمات فقرتین آں شعر جا باہموزن باشد در تقابل یکدیگر بدون رعایت سجع"۔ خدا کے واسطے سجع تو اُسی کو کہتے ہیں کہ کلمات فقرتین یا مصرعین ہموزن یکدیگر ہوں۔ سو اس نثر میں موجود ہے۔ "بدون رعایت سجع" کے کیا معنی مگر یہ دونوں صاحب وزن کو برابر ہونا کلمات کا سمجھتے ہیں اور سجع تقطیع شعر کو کہتے ہیں۔ اس عقدہ کی رکاکت اظہر من الشمس ہے صاحب "دستور شگرف" کا کلام نص اور مولوی غیاث الدین کا کلام حدیث نہیں ہے۔ آپ بھی غور فرمائیے اور انصاف کیجئے۔

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۶

نصیر الدین طوسی۔ مخصوص حروف فارسی۔ عبدالواسع ہانسوی۔ "بمراد" و "نامراد"۔ قافیہ شایگاں۔ ایطاء مع امثلہ۔ ایطاء جلی و خفی۔ ملا غیاث الدین وغیرہم سے خفگی۔

میکشم عوض گو مکرر باش۔ پیر و مرشد آج ہی ایک خط چودھری عبدالغفور صاحب کے نام روانہ کیا ہے اور انکو خیال ہے کہ وہ گرمی ہنگامۂ شادی میں اس خط کا آپ کی نظر سے گزرانا بھول نہ جائیں چھٹا جائگا نہ آپ کو آج ہی بھیجتا ہوں۔ صاحب ثلثہ کی عبارت نثر مرجز کے باب میں اتنی ہی ہے "وزن دارد و سجع ندارد" خدا کے واسطے وزن تقطیع شعر کو کہتے ہیں وہ مثال کی نثر میں کہاں ہے۔ سجع اسکو کہتے ہیں کہ کلمات کے فقرتین وزن میں برابر ہوں۔ یہ صنعت مثال کی نثر میں موجود ہے۔ جو ہے اُسکا سلب جو نہیں اُسکا ثبوت کیونکر مانوں۔ کیا آپ کی یہ مرضی ہے

کہ الفاظ کے موزوں ہونے کو وزن اور تقطیع شعر کو صحیح مان لیں۔ میں تو نہ مانونگا
آپ کو اختیار ہے۔ یہ کلام معصوم کا نہیں کہ اسکے تسلیم نہ کرنے سے آدمی کافر
ہو جاوے۔ زبان فارسی مُردے کا مال ہے عرب کے ہاتھ بطریق فَیْ آیا ہے۔
جس طرح چاہیں صرف کریں۔

نصیر الدین طوسی | خواجہ نصیر الدین طوسی اٹھائیس حرف کا زبان فارسی
میں نہ آنا لکھتے ہیں اور ذال نقطہ دار کا ذکر نہیں کرتے الا کوئی لغت

مخصوص حروف فارسی | فارسی ایسا بتائیے کہ جس میں ذال آئی ہو۔ گزاشتن
و گزشتن و پزیرفتن سب زے سے ہے۔ کاغذ دال مہملہ سے ہے۔ اس کا ذال
سے لکھنا اور کواغذ کو اس کی جمع قرار دینا تعریب ہے تحقیق اور آتش
(آذر) بدال ابجد ہے نہ بذال تخذ۔ کوئی لفظ متحد المخرج فارسی میں نہیں بلکہ
قریب المخرج بھی نہیں ۔ تے ہے طوے نہیں۔ سین ہے ثے نہیں اور صاد
نہیں۔ ہائے ہوز ہے حائے حطی نہیں۔ یہانتک کہ قاف نہیں اس راہ سے
کہ غین متحد المخرج بلکہ قریب المخرج ہے۔ زے کے ہوتے ذال کیونکر۔

عبد الواسع ہانسوی | وہ میاں صاحب ہانسی کے رہنے والے بہت چوڑے چکلے
جناب عبد الواسع فرماتے ہیں کہ "بے مراد" صحیح اور "نامراد" غلط۔ ارے تیرا
ستیاناس جائے۔ بے مراد اور نامراد میں وہ فرق ہے جو زمین اور آسمان میں ہے

"بے مراد" اور "نامراد" | نامراد وہ ہے کہ جس کی کوئی مراد کوئی خواہش کوئی آرزو
نہ بر آوے۔ بے مراد وہ کہ جس کا صفحۂ ضمیر نقوش مدعا سے سادہ ہو اور قسم
"بے مدعا" و "بے غرض و مطلب" حسبۃ للہ ان دونوں امروں میں کتنا

فرق ہے۔ "ناپروا" اور "ناکام" اور "نادرست" اور "ناچار" کہ یہ مخفف "ناچارہ" اور
"ناہار" کہ یہ مخفف "ناآہار" ہے اور "نامراد" اور "ناانصاف"۔ یہ سب درست ہیں
ہائے کہاں گئے ہانسی والے معلم۔

قافیہ شائگاں قافیہ شائگاں کہ جس کو عرب ایطا کہتا ہے وہ دو طرح پر ہے۔
خفی و جلی اہل خرد نے خاک اُڑائی ہے اور بات بنائی ہے خفی و جلی کی تفسیر میں
وہ کچھ لکھا ہے کہ صاحب طبع سلیم کبھی اسکو نہ سمجھے چہ جائے آنکہ مانے۔ اصل

ایطا مع امثلہ یہ ہے کہ ایطا وہ قافیہ ہے کہ جو دو حرف ایک صورت کے
ہوں جیسے الف فاعل گویا و بینا و شنوا۔ شعر اسیر ؎ اے دانہ تسبیح خیالت
دل دانا چہ حلقہ بستان بہ رخت دین بینا۔ اور نون و دال مضارع کا جیسا اُستاد کے
اس مطلع میں ہے ؎ دل شیشہ و چشمان تو ہر گوشہ بہ نندش مست است مبادا کہ
بناگہ شکنندش۔ اور ایسا ہی الف نون جمع کا مثل "چراغان" و "جوانان"۔ اور ایسا
ہی الف نون حالیہ مانند "گریاں" و "خنداں"۔ پس اگر یہ مطلع میں آپڑے تو

ایطائے جلی و خفی ایطائے جلی ہے۔ اگر غزل یا قصیدہ میں بطریق تکرار قافیہ
میں آپڑے تو ایطائے خفی ہے۔ ائمہ فن نے وہ کچھ لکھا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر قائل
تحقیق ہو تو میرے بیان پر غور کرو اور جو عبد الواسع اور غیاث الدین اور عبد الرزاق
ان ناموں کی شوکت نظر میں ہو تو تم جانو۔ ایک شخص بھیک مانگتا ہے باپ نے اسکا نام
میر بادشاہ رکھ دیا۔ اصل فارسی کو اس کھتری بچہ قتیل علیہ ما علیہ نے تباہ کیا۔

ملا غیاث الدین وغیرہم سے خفگی رہا سہا غیاث الدین رامپوری نے کھو دیا۔ اُن
کی قسمت کہاں سے لاؤں جو صاحب عالم کی نظر میں اعتبار پاؤں [illegible]

غور کرو کہ وہ خران نامشخص کیب کہتے ہیں اور میں خستہ و دردمند کیا بکتا ہوں واللہ نہ قتیل فارسی شعر کہتا ہے اور نہ غیاث الدین فارسی جانتا ہے۔ میرا یہ خط پڑھو یہ نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی پڑھو قوت ممیزہ سے کام لو ان غولوں پر لعنت کرو سیدھی راہ پر آجاؤ۔ اگر نہیں آتے تو تم جانو اور تمہاری بزرگی پر اور مرزا قتیل کی نسبت پر نظر کرکے لکھا ہے۔ نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی میری تحریر کو مانو گراس کھتری بچہ اور اس معلم سے بچو گمراہ نہ جانو۔ عربی کا صرف اور ہے اور فارسی کا قاعدہ اور ہے سمجھو یا نہ سمجھو تم کو اختیار ہے۔ عقل کو کام فرماؤ غور کرو۔ سمجھو عبدالواسع پیغمبر نہ تھا۔ قتیل برہان نہ تھا۔ واقف غوث الاعظم نہ تھا۔ میں یزید نہیں ہوں شمر نہیں ہوں مانتے ہو تو مانو نہ مانو تم جانو۔ (بنام صاحب عالم صاحب)

تبصرہ

تکرار بعض الفاظ "پرفضا" اور "پرفزا" ضمائر متصل واحد غائب و واحد متکلم۔

تکرار بعض الفاظ "پرفضا" اور "پرفزا" جناب عالی "چھا چھا" ترجمہ ہندی ایکبار "چھا" کفایت کرتا ہے۔ "انواع انواع" ہماری آپ کی بول چال میں ہے لیکن تحریر میں درست نہیں "چمن پرفضا" "چمن پرفزا" ژاژ خائی ہوئے کیوں لکھا۔

ضمائر متصل واحد غائب و حاضر و متکلم خطاب واحد غائب فقط شین ہے نہ اش ہاں اگر اسم لفظ مبنی ہائے انتہائی حرکت پر ہو مثل غمزہ و چشمہ و خانہ و دانہ

تو اسکو یوں لکھتے ہیں چشماش غمزہ اش خانہ اش دانہ اش اور باقی سب الفاظ کا حرف آخر شین سے ملجاتا ہے۔ خطاب احد حاضر خطاب احد غائب خطاب احد متکلم یا شش صاحب ہے۔ الف کو یہاں کیا دخل۔ اور وہ جو دکھنی یو ہیرہ یعنی یاج بر ہان قاطع استاش ام لکھتا ہے۔ غلط کرتا ہے۔

جہاں تم نے بعد اپنے نام کے یہ اشعار لکھے ہیں ع پریشان تر ز خوشیم دستان نیست الخ وہاں ربط کلام جاتا رہا تھا۔ ایک جملہ فاضل کر دیا ہے یعنی "بدیں اشعار زمزمہ سراست" یہ نثر اُس کاف توصیفی کی ہے اور آگے جو نثر ہے اُس کا فاعل وہی مصنف ہے.....

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۲

ندامت اور خجالت کا فرق طرح مکوئی اور طرح افتجہ را کا فرق
مؤنث الفاظ تخلص کیلئے جائز ہیں۔

میرے مشفق کو میرا سلام پہونچے۔ دونوں مخمس بعد اصلاح پہونچتے ہیں اشعار اصلاح سمجھ لیجئے "سید عالی نسب سرور دالا حسبی" یہ افتتاح کلام اور ابتدائے خطاب کے درخور نہ تھا مصرعۂ ثالث اس کی جگہ رکھ دیا گیا۔ دوسرے مخمس کی دو طرح پر تخمیس ہی۔ دونوں بے عیب ہیں اور مزید لطف کسی میں نہیں۔ جن مصرعوں کو چاہو رہنے دو "گزشت از افلاک" "از افلاک گزشت" ایک فارسی رہا اور دوسرا ہندی۔ حضرت نے دونوں فارسی میں لکھے تھے

ندامت اور خجالت کا فرق | ندامت فعل پر مترتب ہوا کرتی ہے۔ ترجمہ اسکا پشیمانی۔
حضرتِ یوسف کو ندامت کیوں ہو مگر خجالت۔ اس کا ترجمہ شرمندگی آپ
غور کیجئے کہ ندامت اور خجالت میں کتنا فرق ہے۔ جہاں آپ نے "عرق ریز
ندامت" لکھا وہ محل خجالت کا تھا۔ آپ نے ندامت کیوں لکھا بہرحال وہ
مصرعہ تو بدل گیا لیکن اطلاع ضرور تھی۔

طرح بسکون را اور طرح بفتحہ را کا فرق | طرح بفتح اول و سکون ثانی بمعنی فریب ہے۔ اور تصویر
مونث الفاظ تخلص کیلئے رجائز | کے خاکے کو بھی کہتے ہیں۔ اور بمعنی آسائش دنیا
بھی مجاز ہے۔ مرادف طرز روش بھی طرح ہے بفتحتین بس کا تفرقہ منظور رہا کرے
نسیم تخلص اچھا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ نسیم مونث ہے۔ جواب اسکا یہ ہے کہ جرأت
اور وحشت اور ایسے بہت تخلص ہیں کہ وہ مونث ہیں۔ باایں ہمہ اگر بدلا چاہیئے
تو اُس کا ہموزن "سلام" "تسلیم" اور "خیال" بھی ہے۔ اس میں سے جو
پسند آئے آپکے عم عالی مقدار اور آپ کے بزرگ آموزگار کو میرا سلام پہونچے

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۹

ظہوری کے بعض اشعار کے معنی سمجھاتے ہیں اور ظہوری کی تعریف کرتے ہیں

حضرت چودھری صاحب عنایت نامہ سابق سے ۹ تھا وہ خط پر
نہ تھا جواب طلب نہ کوئی اوسکا جواب کیا لکھتا۔ آج دوپہر کو یہ خط پہونچا آج
ہی خسرے سے فارغ جواب لکھکر خط چھوڑتا ہوں۔ کل صبح کو بشرط حیات ڈاک میں

بھجوا دوں گا۔ قاطع برہان کے مجلدات جو بموجب توقیع خریداری میری ملک ہیں وہ اوّل جولائی میں میرے پاس اور اُن میں سے دو مجلد آخر جولائی میں آپ کے پاس پہونچیں گے۔ ایک آپ رہنے دینگے اور ایک پیر و مرشد کی نذر کرینگے انشاء اللہ العلی العظیم۔

سہ حبذا فیض تعلق معجز کلک تو گر ٭ گرود صد سالہ رہ پیش نظر باشد ہماں

یہ شعر مولانا نور الدین ظہوری رحمۃ اللہ علیہ کا مدح کی خوشنویسی کی تعریف میں ہے مبالغہ حد تبلیغ اور غلو کو پہونچ گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اُس کا لکھا ہوا قطعہ یا کوئی عبارت سو برس کی راہ پر سے آدمی کو نظر آتا ہے۔ وجہ اس کی یہ کہ حرف بہت روشن صاف و جلی ہیں۔ اور چونکہ یہ امر بسبب عادت و عقل ممتنع ہے اس رو سے اُسکو "معجزۂ قلم" کہا۔ اور چونکہ معجزہ خرق عادت ہے اور خرق عادت ایک امر ہے مسلمات جمہور میں سے پس منکر کو گنجائش انکار نہ رہی یہاں یہ خیال آئے گا کہ "فیض تعلق" بیکار رہتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ حسن ایہام ہے۔ یعنے نگاہ کو، ازانجا کہ باصرہ مشتاق حسن ہے، اُس خط سے وہ تعلق بہم پہونچا ہے کہ اگر وہ خط سو برس کی راہ پر ہو تو بھی نگاہ اُس سے متعلق رہتی ہے۔ جیسے طائر کو اپنا آشیانہ اور مسافر کو اپنا وطن اور عاشق کو معشوق کا خد و خال مسافت بعیدہ سے پیش نظر رہتا ہے۔ چاہو ایک معلول کی دو علت سمجھو۔ "فیض تعلق" مذکور اور "حسن خط" مقدر۔ چاہو "فیض تعلق" کو ادعا کہو اور "حسن خط" جو تقدیر میں ہے اُسکو سبب سمجھو تعلق کا اور مؤکد جانو ادعا کا۔ سنو دعوی کے واسطے دلیل موضوع ہے ادعا کو دلیل ضرور نہیں ہے۔ ہاں ادعا پر تاکید طریقہ بلاغت ہے۔

یہ لطافت معنوی خاص اس بزرگ کے حصہ میں آئی ہے۔ میں جانتا ہوں مشتری اور عطارد نے ملکر ایک صورت پکڑی تھی اُس کا اسم نورالدین اور تخلص ظہوری تھا۔

اللہ اللہ فرماتا ہے ۔ مروت کرد شبہا بر تو سیر بام و در لازم نمی باشد چراغے خانہائے بینوایان[1] را۔ ظہوری کا ممدوح اور معشوق ایک ہے یعنی سلطان جلیل القدر ابراہیم عادل شاہ۔ بادشاہوں کے منظر بلند ہوتے ہیں۔ اور کیا بعید ہے کہ رعایا ملازمین میں سے کچھ لوگ زیر قصر رہتے ہوں اس واسطے بادشاہ دن کو اُس منظر بلند پر نہیں چڑہتا کہ مبادا رعیت یا ملازموں کی جورو بیٹیاں نظر آئیں۔ رات کو اُن کے گھر تاریک ہوتے ہیں۔ اگر کوئی بلند مکان پر چڑہتا تو کچھ نظر نہ آئیگا۔ یہ مدح ہوئی عفت کی اور عفت ایک فضیلت ہے فضائل اربعہ میں سے۔ اب ابہام کو سوچیئے۔ ممدوح نے راتوں کو کوٹھے پر چڑہنا اپنے اوپر لازم کیا ہے اس واسطے کہ اون کے گھروں میں چراغ نہیں اگر کسی کو کسی کپڑے میں پیوند لگانا یا کوئی چھوٹی چیز گانٹھنی یا کسی مریض کا تفحص حال منظور ہو تو وہ گھر اس ممدوح کے پرتو جمال سے روشن ہوجائے۔ چراغ کی حاجت باقی نہ رہے۔ جو کام جو شخص چاہے وہ کرلے۔ "مروت"۔

---

[1] مرزا نے جو یہ لطف معنی اس شعر کے بیان کیے ہیں وہ قابل دادضرور ہیں۔ مگر تاویل بعید دور کرکے صاف معنی تو یہ ہیں کہ مروت نے تجھپر لازم کردیا کہ راتون کو لوگوں کے بام و در یعنی مکانوں کو دیکھ تاکہ تجھ کو معلوم ہو کہ غریبون کے گھر میں چراغ نہیں جلتا۔

کے لفظ کا مزہ وجدانی ہے۔ سوائے اس لفظ کے کوئی لفظ یہاں کام نہیں آتا۔ اگر حفظ ناموس رعایا ہے تو مروت ہے۔ اور اگر مقلد دل کی کاربرآری ہے تو مروت ہے۔ قالب معنی کی جان ہے۔ ظہوری۔ ناطقہ کی سرفرازی کا نشان ہے۔ ظہوری۔ زیادہ کیا لکھوں۔ (بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۱۰

ہندوستان کے فارسی شعرا کی نسبت مرزا کی رائے قتیل کے بعض مسلمات کی غلطیاں

اب روئے سخن حضرت صاحب عالم کی طرف ہے خدمت خدام مخدوم خادم نواز میں بعد تسلیم معروض ہے۔ تفقد نامۂ نامی میں صورت عز و شرف نظر آئی۔ اللہ اللہ تم نے میری نظر میں میری آبرو بڑھائی۔ حضرت کی قدردانی کی کیا بات ہے۔ آپ کا التفات موجب مباہات ہے۔ یہ بات بطریق لسان زبان پر آئی ہو ورنہ قدردانی کیسی یہ قدر افزائی ہے۔ نظیری علیہ الرحمۃ کا شعر ایک کاغذ پر لکھ کر میرے گلے میں ڈال دیجئے اور زمرۂ شعرا میں سے مجھکو نکال دیجئے۔ شعر یہ ہے ؎ جوہر تیغ من در تہ زنگار بماند آنکہ آئینہ من ساخت نپرداخت دریغ۔ دعوے اور چیز ہے اور کمال اور ہے۔ علم عربی اور شے ہے اور فارسی کی حقیقت حال اور ہے۔ ملا طغرائے ملا طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ نے سعید لائے ہندی کو ایک رقعہ لکھا۔ عبارت اسوقت یاد نہیں آتی مگر یہ مضمون اسکا ہے کہ ایک دن مولانائے عرفی علیہ الرحمۃ اور ابوالفضل میں

مباحثہ ہوا۔ شیخ نے عرفی سے کہا کہ ہم نے تحقیق کو بحد افراط پہونچا دیا اور فارسی میں خوب کمال پیدا کیا۔ عرفی نے کہا کہ اسکو کیا کروگے کہ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے گھر کے بڈھوں سے اور بڑھیوں سے جو بات سُنی فارسی میں سُنی۔ شیخ گفت "ما فارسی از انوری و خاقانی فراگرفتہ ایم و شما از پیر زالاں آموختہ اید" عرفی فرمود "انوری و خاقانی نیز از پیر زنان آموختہ باشند"

> ہندوستان کے فارسی شعرا کی نسبت مرزا کی رائے

غالب کہتا ہے۔ ہندوستان کے سخنوروں میں حضرت امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ کے سوا کوئی استاد مسلم الثبوت نہیں ہوا۔ خسرو کیخسرو قلمرو سخن طرازی ہے۔ یا ہم چشم نظامی گنجوی و ہم طرح سعدی شیرازی ہے۔ خیر فیضی بھی نغز گوئی میں مشہور ہے۔ کلام اُس کا پسندیدۂ جمہور ہے۔ دیکھو عبد القادر بدایونی کیا لکھتا ہے۔ "زہے سپاہی فالیز" آرزو و فقیر اور رشید اور بہار وغیرہم انھیں میں آگئے۔ ناصر علی اور بیدل اور غنیمت ان کی فارسی کیا۔ ہر ایک کا کلام بنظر انصاف دیکھیے ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ منت اور مکین اور واقف اور قتیل یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ انکا نام لیجیے۔ ان حضرات میں عالم علوم عربیہ کے شخص ہیں۔ خیر ہوں فاضل کہلائیں کلام میں اُن کے مزا کہاں۔ ایرانیوں کی سی ادا کہاں۔ فارسی کی قاعدہ دانی میں اگر کلام ہے اُس میں پیروی قیاس ایک بلائے عام ہے۔ وارستہ سیالکوٹی نے خان آرزو کی تحقیق پر سو جگہ اعتراض کیا ہے اور ہر اعتراض بجا ہے۔ بااینہمہ وہ بھی جہاں اپنے قیاس پر جاتا ہے منہ کی کھاتا ہے۔ مولوی احسان اللہ ممتاز کو صنائع لفظی میں دستگاہ اچھی تھی۔ اس شیوۂ روش

کو خوب برت گئے۔ فارسی وہ کیا جانیں۔ قاضی محمد صادق اختر عالم ہونگے شاعری
سے اونکو کیا علاقہ۔

قتیل کے بعض مسلمات کی غلطیاں ایک بات حضرت کو اور معلوم رہے کہ ہندی
فارسی والوں نے کمال کو وہم میں منحصر رکھا ہے۔ کالپی کے نواب زادوں میں
سے ایک صاحب قتیل کے شاگرد تھے میں نے ایک رقعہ قتیل کا اُن کے
نام دیکھا ہے کہ قتیل اُنکو لکھتا ہے کہ جامہ گذاشتن بمعنے مردن مسلّم لیکن
بہت احتیاط کیا کرو۔ موقع دیکھ لیا کرو جب لکھا کرو۔ میں کہتا ہوں کہ احتیاط
کیا اور موقع کیا "فلاں مرد" "بہمان جامہ گذاشت"۔ پھر وہ کہتا
ہے کہ "کرد" کے ساتھ سوائے پانچ سات لفظ کے اور لفظ کو ترکیب نہ دو۔ پھر
فرماتا ہے کہ "ہمہ" کے لفظ کو جمع کے ساتھ لاؤ مفرد نہ ملاؤ۔ میں نے دستنبو
میں لکھا ہے کہ "ہمہ کس داند"۔ ایک شخص نے کہ وہ بھی مولوی کہلاتا ہے میری غیبت
میں کہا کہ "ہمہ کس داند" کیا ترکیب ہے۔ ایک لڑکا میرا شاگرد وہاں موجود
تھا۔ اُسنے کہا کہ یہ ترکیب بعینہ صائب کی ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے ؎

ہمہ کس طالب آب سر وردان است اینجا ۔۔ آب حیوان ز نفس سوختگان است اینجا

اُسنے کہا کہ تمہارا اُستاد "حاشا للہ" کو ماقبل کلمہ منفی لایا ہے اور یہ
جائز نہیں ع حاش للہ کہ بدنی گویم۔ میرے شاگرد نے کہا کہ یہ ترکیب انوری
کی ہے ؎ حاش للہ نہ مرا بلکہ ملک را نبود + با سگ کوی توایں زہرہ کہ یارا و مجال
مولوی ہدایت علی تمکین کا آجتک میں نے نام نہیں سُنا تھا۔ چھپے ہوئے
رستم ہیں۔ صائب اگرچہ اصفہانی نژاد تھا مگر وارد شاہجہاں آباد تھا۔

انتقام کشیدن و انتقام گرفتن دونوں بول گیا۔ مولوی صاحب بیچ فارسی بولتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

کلیم بروزن فعیل صیغہ اسم فاعل ہے مثل کریم و رحیم و سمیع و بصیر اسمائے الٰہی ہیں۔ کلیم اگر بمعنے ہمکلام لیجئے تو اسم الٰہی اسکو کیونکر قرار دیجئے۔

حضرت کا مصرعہ ع ہست کلامے زکلام کلیم[1] مخدوش لہجہ ہے۔ یعنی یا "کلمہ از کلام کلیم" یا "کلامے از کلمات کلیم" چاہیے "کلامے از کلام" مفرد میں سے مفرد کو نکالا چاہئے۔ گو جائز ہو۔

"گو باش" و "گو باشد" ہرگز محل تردد نہیں۔ اوہام و وسواس قواعد میں پیش نہیں جاتے۔

ع اے کریمے کہ از خزانۂ غیب۔ ہرگز یائے معروف نہیں۔ یائے مجہول ہے۔ یائے معروف یہاں نامقبول ہے۔ ع خدائے کہ بالا و پست آفرید۔ ایسا خدا ایسا کریم۔ اس تحتانی کو یائے وحدت کہو، توصیف کہو، یائے تعظیم کہو جس طرح کہو مجہول آئیگی۔ (بنام چودھری عبدالغفور سرور)

---

[1] قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ نے یہ مصرعہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پر لگایا ہوگا جس سے "کلیم" اسمائے الٰہی میں سے ثابت ہوتا ہے۔ غالب کا اعتراض ہے کہ "کلیم اللہ" میں "کلیم" بمعنی "ہمکلام خدا" ہے پس اسمائے الٰہی میں سے کیونکر قرار پا سکتا ہے۔

نمبر ۱۱

ہندی فارسی گویوں کے کلام کا اہل زبان سے مقابلہ۔ اہل زبان کے تین گروہ اور انکی علیحدہ علیحدہ طرز۔ بعض ہندی شعرا کے چیدہ اشعار۔

ہندی فارسی گویوں کے کلام کا اہل زبان سے مقابلہ

میرا قیاس اسکا مقتضی ہے کہ پیر و مرشد صاحب عالم مجھسے آزردہ ہیں اور وجہ اسکی یہ ہے کہ میں نے ممتاز و اختر کی شاعری کو ناقص کہا تھا اس رقعہ میں ایک میزان عرض کرتا ہوں۔ حضرت صاحبان صاحبوں کے کلام کو یعنی ہندیوں کے اشعار کو قتیل و واقف سے لیکر بیدل و ناصر علی تک اس میزان میں تولیں۔ میزان یہ ہے کہ رودکی و فردوسی سے لیکر خاقانی و سنائی و انوری وغیرہم تک ایک گروہ۔ ان حضرات کا کلام تھوڑے تفاوت سے ایک وضع پر ہے۔ پھر حضرت سعدی طرز خاص کے موجد ہوئے۔ سعدی و جامی و ہلالی یہ اشخاص متعدد نہیں۔ فغانی اور ایک شیوۂ خاص کا مُبدع ہوا۔ خیالہاے نازک و معانی بلند۔ اس شیوہ کی تکمیل کی ظہوری و نظیری و عرفی و نوعی نے۔ سبحان اللہ قالب سخن میں جان پڑ گئی۔ اس روش کو بعد اُسکے صاحبان طبع نے سلاست کا چرچا دیا۔ صائب و کلیم و سلیم و قدسی و حکیم شفائی اس زمرہ میں ہیں۔

اہل زبان کے تین گروہ اور انکے علیحدہ علیحدہ طرز

رودکی و اسدی و فردوسی یہ شیوہ

سعدی کے وقت میں ترک ہوا۔ اور سعدی کی طرز نے بسبب سہل ممتنع ہونیکے رواج نہ پایا۔ فغانی کا انداز پھیلا اور اس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے۔ تو اب طرزیں تین ٹھہری ہیں (۱) خاقانی اُسکے اقران (۲) ظہوری اُسکے امثال (۳) صائب اُسکے نظائر۔ خالصاً للہ ممتاز و اختر وغیرہم کا کلام ان تین طرزوں میں سے کس طرز پر ہے۔ بے شبہہ نہ فرماوگے کہ یہ طرز اور ہی ہے۔ پس تو ہم نے جانا کہ یہ طرز چوتھی ہے۔ کیا کہنا ہے خوب طرز ہے' اچھی طرز ہے' مگر فارسی نہیں ہے ہندی ہے۔ دار الضرب شاہی کا سکہ نہیں ہے ٹکسال باہر ہے۔ داد داد!!! انصاف انصاف! **نظم**

اگرچہ شاعران نغز گفتار — زیک جام اند در بزم سخن مست

ولے با بادہ بعضے حریفاں — خمار چشم ساقی نیز پیوست

مشو منکر کہ در اشعار ایں قوم — ورائے شاعری چیزے دگر ہست

بعض ہندی شعراء کے چیدہ اشعار

وہ چیز نہ حصے میں سب پارسیوں کے آئی ہے۔ ہاں اردو زبان میں بعض اہل ہند نے وہ چیز پائی ہے **میر تقی** علیہ الرحمۃ سے بدنام ہو گئے جانے بھی دو امتحان کو + رکھے گا کون تم سے عزیز اپنی جان کو **سودا** سے دکھلائیے لیجا کے تجھے مصر کا بازار + خواہاں نہیں لیکن کوئی واں جنس گراں کا۔ **قائم** سے قائم اور تجھے طلب بوسے کی کیونکر مانوں + ہے تو ناداں مگر اتنا بھی بد آموز نہیں۔ **مومن خاں** سے تم مرے پاس ہوتے ہو گویا + جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔ ناسخ کے یہاں کمتر آتش کے ہاں بیشتر یہ تیر نشتر ہیں۔ مگر مجھے اُن کا کوئی شعر اسوقت یاد نہیں آتا۔ یاد کیا اُسے

لیٹا ہوا ہوں۔ دم بدم پاؤں کے ورم کی ٹیس ہوش اُڑائے دیتی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون ۵ (بنام چودھری عبدالغفور سرور)

نمبر ۱۲

قبلۂ حاجات۔ قصیدہ دوبارہ پہونچا چونکہ پیشانی پر دستخط کی جگہ نہ تھی ناچار اُسکو ایک اور دو ورقے پر لکھوایا اور حضور میں گزرانا اور اپنی تمنائے دیرینہ حاصل کی یعنی دستخط خاص مشتمل اظہار خوشنودی طبع اقدس ہو گئے۔ احترام الدولہ بہادر میرے ہمزبان اور آپکے ثنا خواں رہے گویا اس امر خاص میں وہ شریک غالب ہیں۔ ہم بطریق کسرۂ اضافی اور ہم بسبیل کسرۂ توصیفی۔ پروردگار اس بزرگوار کو سلامت رکھے۔ قدردان کمال حق تو یوں ہے کہ خیر محض ہے۔

مؤلف غیاث اللغات وغیرہ کی نسبت رائے

غیاث اللغات ایک نام موقر اور معزز جیسے الفربہ خواہ نخواہ مرد آدمی آپ جانتے بھی ہیں یہ کون ہے۔ ایک معلم فرومایہ رامپور کا رہنے والا۔ فارسی سے ناآشنا محض۔ اور صرف و نحو میں ناتمام۔ انشا خلیفہ و منشآت مادھورام کا پڑھانیوالا چنانچہ دیباچہ میں اپنا ماخذ بھی اُسنے شاہ خلیفہ محمد و مادھورام و غنیمت و قتیل کے کلام کو لکھا ہے۔ یہ لوگ اہ سخن کے غول ہیں آدمی کے گمراہ کرنیوالے۔ فارسی کو کیا جانیں۔ ہاں طبع موزوں رکھتے تھے شعر کہتے تھے۔

ہرزہ مشتاب پے جادہ شناسان تیز ارے   کہ در راہ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت

(بنام نواب انور الدولہ سعد الدین خاں بہادر شفق)

نمبر ۱۳

"ارنی" کی رکی سکون و حرکت۔ تہذیب کے ساتھ اصلاح۔

للہ الشکر کہ پیر و مرشد کا مزاج اقدس بخیر و عافیت ہے۔ پہلے نوازشنامہ کا جواب باآنکہ وہ مشتمل ایک سوال پر تھا ہنوز نہیں لکھنے پایا کہ کل اور ایک مکرمت نامہ آیا۔ بندہ عرض کر چکا ہے کہ مسہل میں ہوں چنانچہ کل میرا مسہل ہوگا اس سبب سے اُس توقیع کا پاسخ نگار نہ ہو سکا تھا اور لکھتا بھی تو یہی لکھتا جو آپ نے لکھا ہے۔

"ارنی" کی رکی سکون و حرکت | "ارنی" کی رے کی سکون و حرکت کے باب میں قول فیصل یہی ہے جو حضرت نے لکھا ہے۔ اگر تقطیع شعر مساعدت کر جائے اور "ارنی" بروزن "چھینی" گنجائش پائے تو نعم الاتفاق ورنہ قاعدۂ تصرف مقتضی جواز ہے۔ مرزا عبدالقادر بیدل سے چور سنی طور ہستارنی گو و بگذر (۱)

کہ نمیرزد ایں تمنا بجواب لن ترانی۔

---

(۱) غالباً اسی مضمون سے یہ مضمون نکالا گیا ہے۔ ع بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود بیں ہیں کہ ہم + اُلٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا ۔ مگر اس مضمون کو عرفی نے اس طرح پر کہا ہے۔ ع

وقت عرفی خوش کہ کشود چوں در بر رخش   بر در نگشودہ ساکن شد و دیگر نزد

اسد اللہ بیگ غالب سے

رفت آنکہ ما ز حسن مدارا طلب کنیم + سر رشتہ در کف ارنی گوے طور بود۔

تہذیب کے ساتھ اصلاح

زوائد سے فارغ ہو کر عرض کرتا ہوں کہ ہاے کیا غزل لکھی ہے، قبلہ آپ فارسی کیوں نہیں کہا کرتے۔ کیا پاکیزہ زبان ہے اور کیا طرز بیان۔ کیا میں سخن ناشناس اور ناانصاف ہوں کہ ایسے کلام کی حک و صلاح پر جرأت کروں ع چہ حاجتست بمشاطہ روے زیبا را + ہاں ایک جگہ آپ تحریر میں سہو کر گئے ہیں ع اے مطرب جادو فن بازم رہ ہوشم زن + دو میم آپڑے ہیں ایک میم محض بیکار ہے "دیگر" کی جگہ آپ "بازم" لکھ گئے ہیں ع اے مطرب جادو فن دیگر رہ ہوشم زن۔

(بنام نواب انور الدولہ سعد الدین خان بہادر شفق)

نمبر ۱۴

میرن صاحب کے انتقال کی تاریخ۔ نئے طرز سے تخرجہ

آپ کو معلوم ہوگا کہ میرن صاحب نے انتقال کیا۔ یہ چھوٹے بھائی تھے مجتہد العصر لکھنؤ کے نام انکا سید حسین اور خطاب سید العلما۔ نقش نگیں "میر حسین ابن علی" میں نے انکی رحلت کی ایک تاریخ پائی اُس میں پانچ بڑھتے تھے یعنی ۱۲۷۰ ہوتے تھے۔ تخرجہ نئی روش کا میرے خیال میں آیا۔ میں تو جانتا ہوں اچھا ہو دیکھوں آپ پسند فرماتے ہیں یا نہیں قطعہ

حسین ابن علی آبروے علم و عمل
کہ سید العلما نقش خاتمش بودے

نماند و ماندے اگر زندہ پنج سال دگر
"غم حسین علی" سال ماتمش بودے

زیادہ حد ادب۔

(بنام نواب انوار الدولہ سعد الدین خاں بہادر شفق)

نمبر ۱۵

پیر و مرشد آداب۔ تتمہ غلطنامۂ قاطع برہان کو بھیجے ہوئے تین دن اور آپ کی خیر و عافیت مولوی حافظ عزیز الدین کی زبانی سُنے ہوئے دو دن ہوئے تھے کہ کل آپکا نوازش نامہ پہونچا۔ قاطع برہان کے پہونچنے سے اطلاع پائی۔ معتقدان برہان قاطع برچھیاں اور تلواریں پکڑ پکڑ کے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

دو اعتراضوں کا جواب

ہنوز دو اعتراض مجھ تک پہونچے ہیں۔ ایک تو یہ کہ "قاطع برہان" غلط ہے یعنی یہ ترکیب خلاف قاعدہ ہے کلام قطع کیا جاتا ہے برہان قاطع نہیں ہوسکتی۔ لو صاحب "برہان قاطع" صحیح اور "قاطع برہان" غلط۔ مگر برہان قاطع فاعل ہوسکتی ہو اور قطع کا فعل آپ نہیں قبول کرتی۔ "قاطع برہان" میں جو برہان کا لفظ ہے یہ مخفف برہان قاطع ہے۔ "برہان قاطع" کے رد کو قطع سمجھ کر "قاطع برہان" نام رکھا تو کیا گناہ ہوا۔ دوسرا ایراد یہ ہے کہ ع بانگلستان تیز بیجا۔ انگلس کا نون تلفظ میں نہیں آتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ خدا کے واسطے انگلس اور انگریز کا نون باعلان کہاں ہے۔ اور اگر ہے بھی تو ضرورت شعر کے واسطے لغات عربی میں سکون و حرکت کو بدل

ڈالتے ہیں اور اگر ہنگس کے نون کو غنہ کر دیا تو کیا گناہ ہوا۔

(بنام نواب انورالدولہ سعدالدین خان بہادر شفق)

نمبر ۱۶

ریو اور غزیو کا قافیہ۔ "سانس" مذکر۔ "سیف" "عدوکش" "زلف شبرنگ"
سخن بالفتح والضم حرف ثانی۔ "قبہ خشخاش"۔

موتیوں کا پھنکا البتہ بہت مناسب ہے خیر موتیون کا نوالہ بھی سہی۔ حافظ کے شعر کی حقیقت جب سمجھو گے جب قواعد مقررہ اہل سخن دریافت کروگے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر مطلع میں یا اور اشعار میں قصیدہ کے احتیاج آپڑے اور اُس کی اطلاع ایک شعر میں کر دیں تو وہ عیب جاتا رہتا ہے۔ جیسے استاد کا قطعہ ہے اُس میں ریو اور غزیو کا قافیہ ہے اور شعر اخیر قطعہ کا یہ ہے ؎ غلط کردم دریں معنیٰ کہ گفتم + ز نخندان نگار خویش بر اسیو + حالانکہ صحیح "سیب" ہے۔ بباے موحدہ۔ تاعنی اطلاع دی کہ میں نے غلط کیا جو "سیو" لکھا۔ اسیطرح حافظ فرماتا ہے۔ ع

بہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ حاصل اسکا یہ کہ دیکھ کتنا تفاوت ہے۔ ایک جگہ حرف روی ساکن اور ایک جگہ متحرک۔ مگر یہاں ابھی معترض کو گنجائش ہے کہ وہ یہ کہے کہ ہاں تفاوت کو ہم بھی جانتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ تفاوت تم نے کیوں رکھا۔ اسکا جواب پہلا مصرعہ ہے۔

ع صلاح کار کجا و من خراب کجا۔ یعنی حافظ فرماتا ہے کہ میں عاشق زار و دیوانہ ہوں۔ صلاح کار سے مجکو کیا کام۔

"سانس" مذکر — پورب کے ملک میں جہاں تک چلے جاؤ گے تذکیر و تانیث کا جھگڑا بہت پاؤ گے۔ سانس میرے نزدیک مذکر ہے۔ لیکن اگر کوئی مؤنث بولیگا تو میں اسکو منع نہیں کر سکتا۔ خود سانس کو مؤنث نہ کہوں گا۔

"سیف عدو کش" — سیف کو عدو کُش اور کمند کو عدو بند۔ سیف عدو بند نہیں ہو سکتی۔ تم کو کہتا ہوں کہ تم تلوار کو "عدو بند" نہ کہو۔ کوئی اور اگر کہے تو اس سے نہ لڑو۔

زلف شبرنگ — زلف کو "شبرنگ" اور "شبگوں" کہتے ہیں۔ "شبگیر" زلف کی صفت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ "شبگیر" اُس سفر کو کہتے ہیں کہ پہر چھ گھڑی رات رہے چلدیں۔ "نالۂ شبگیر" آہ و زاری آخر شب کو کہتے ہیں۔ "زلف شبگیر" نہ مسموع نہ معقول۔

"سخن" بالفتح و بالضم حرف ثانی — "سخن" کا قافیہ "بُن" بھی درست ہے۔ اور "تن" بھی جائز ہے۔ یعنی "سخن" کا دوسرا حرف مضموم بھی ہے اور مفتوح بھی ہے اور اسپر متقدمین اور متاخرین اور اہل ایران اور اہل ہند کو اتفاق ہے۔

قبۂ خشخاش — "قبۂ خشخاش" پوست کے ڈوڈے کو کہتے ہیں۔ اس میں کچھ تامل نہ چاہیے۔ تم اپنے تکمیل کی فکر میں رہا کرو۔ زنہار کسی پر اعتراض نہ کیا کرو۔ والدعا۔

(بنام مرزا یوسف علیخاں عزیز)

نمبر ۱۷

خور اور خرشید۔ خور کا قافیہ۔ جمشید۔

خور اور خرشید

میری جان۔ وہ پارسی قدیم جو ہوشنگ و جمشید و کیخسرو کے عہد میں مروج تھی اُس میں "خر" بجائے مضموم نور قاہر کو کہتے ہیں اور چونکہ پارسیوں کی دید و دانست میں بعد خدا کے آفتاب سے زیادہ کوئی بزرگ نہیں ہے اسی واسطے آفتاب کو "خر" لکھا اور "شید" کا لفظ بڑھا دیا۔ "شید" بشین مکسور و یائے معروف بروزن عید روشنی کو کہتے ہیں یعنی یہ اُس نور قاہر ایزدی کی روشنی ہے۔ خر اور خرشید یہ دونوں اسم آفتاب کے ٹھہرے۔ جب عرب و عجم مل گئے تو اکابر عرب نے کہ منبع علوم ہوئے واسطے دفع التباس کے خر میں واو معدولہ بڑھا کر خور لکھنا شروع کیا رفتہ رفتہ متاخرین نے اس قاعدہ کو پسند کیا اور منظور کیا اور فی الحقیقت یہ قاعدہ بہت مستحسن ہے۔ فقیر خر جہاں بے اضافہ لفظ شید لکھتا ہے۔ موافق قانون عظمائے عرب با واو معدولہ لکھتا ہے یعنی خور اور جہاں باضافہ لفظ شید لکھتا ہے وہاں بہ پیروی بزرگان پارسی سر بسر لفظ خور کو بے واو لکھتا ہے یعنی خرشید۔

خور کا قافیہ

خور کا قافیہ دَر اور بَر کے ساتھ جائز اور روا ہے۔ تو دمیں نے دو چار جگہ باندھا ہوگا۔ وہاں میں بے واو کیوں لکھوں۔ رہا خورشید چاہو بے واو لکھو چاہو مع الواو لکھو۔ میں بے واو لکھتا ہوں مگر مع الواو کو غلط نہیں جانتا اور خر کو کبھی بے واو نہ لکھونگا قافیہ

ہو یا نہو۔ یعنے نظم میں وسط شعر میں آپڑے یا نثر کی عبارت میں واقع ہو "خور" لکھونگا۔

جمشید | یہ بات بھی تم کو معلوم رہے کہ جس طرح خور ترجمہ نور قاہر کا ہے اسی طرح جسم ترجمہ قادر کا ہے کہ باضافہ لفظ شید اسم شہنشاہ وقت قرار پایا ہے۔ (بنام میر مہدی مجروح)

نمبر ۱۸

دہلی اور لکھنؤ کا فرق۔ شہر دہلی کی تباہی کی حالت۔

دہلی اور لکھنؤ کا فرق | جان غالب تمہارا خط پہونچا۔ غزل اصلاح کے بعد پہونچتی ہے ع ہر اک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے۔ مصرعہ بدل دینے سے یہ شعر کس رتبہ کا ہو گیا۔ اے میر مہدی تجھے شرم نہیں آتی ع میاں یہ اہل دہلی کی زبان ہے۔ ارے اب اہل دہلی یا اہل ہنود ہیں یا اہل حرفہ ہیں یا خاکی ہیں یا پنجابی ہیں یا گورے ہیں ان میں سے تو کس کی زبان کی تعریف کرتا ہے۔ لکھنؤ کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا ریاست تو جاتی رہی باقی ہر فن کے کامل لوگ موجود ہیں۔

خس کی ٹٹی پروا ہوا کا اب کہاں لطف۔ وہ تو اسی مکان میں تھا اب میر خیراتی کی حویلی میں وہ جہت و سمت بدلی ہوئی ہے۔ بہر حال

میاگذرد۔ مصیبت عظیم یہ ہے کہ قاری کا کنواں بند ہوگیا۔ لال ڈگی کے کنویں یک قلم کھاری ہوگئے۔ خیر کھاری ہی

شہر دہلی کی تباہی کی حالت

پانی پیتے۔ گرم پانی نکلتا ہے۔ پرسوں میں سوار ہو کر کنوؤں کا حال معلوم کرنے گیا تھا۔ مسجد جامع ہوتا ہوا راج گھاٹ دروازہ کو چلا۔ مسجد جامع سے راج گھاٹ دروازے تک بلا مبالغہ ایک صحرا لق و دق ہے۔ اینٹوں کے ڈھیر جو پڑے ہیں وہ اگر اور جا لیجائیں تو ہو کا مکان ہو جائے۔ یاد کرو مرزا گوہر کے باغیچہ کی اس جانب کو کئی بانس نشیب تھا اب وہ باغیچے کے صحن کے برابر ہوگیا۔ یہاں تک کہ راج گھاٹ کا دروازہ بند ہوگیا۔ فصیل کے کنگورے کھلے رہے ہیں۔ باقی سب اٹ گیا۔ کشمیری دروازے کا حال تم دیکھ گئے ہو۔ اب آہنی سڑک کے واسطے کلکتہ دروازہ سے کابلی دروازہ تک میدان ہوگیا۔ پنجابی کڑہ۔ دھوبی واڑہ۔ رامجی گنج سعادت خاں کا کٹرہ۔ جرنیل کی بی بی کی حویلی۔ رامجی داس گودام والے کے مکانات۔ صاحب رام کا باغ و حویلی۔ ان میں سے کسی کا پتہ نہیں ملتا۔ قصہ مختصر شہر صحرا ہوگیا تھا۔ اب جو کنویں جاتے رہے اور پانی گوہر نایاب ہوگیا تو یہ صحرا صحرائے کربلا ہو جائے گا۔ اللہ اللہ دلی نہ رہی اور دلی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہے جاتے ہیں۔ واہ رے حسن اعتقاد۔ ارے بندۂ خدا اردو بازار نہ رہا اردو کہاں۔ دلی اب شہر نہیں ہے۔ کیمپ چھاؤنی ہے۔ نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ نہر۔

(بنام میر مہدی مجروحؔ)

نمبر ۱۹

بنا بہ آب رسیدن اور بنا بہ آب رسانیدن۔ خراب اور خرابہ۔

قبلہ کل خط آیا آج جواب لکھتا ہوں۔ پہلے آپ کا ایک فقرہ لکھکر اتنا ہنسوں کہ پیٹ میں بل پڑ جائیں اور آنکھ سے آنسو نکل آئیں۔ فقرہ۔ "بڑھاپے میں کیا جانئے کہاں کی حرارت مزاج میں سما گئی ہے" فقط۔ کیوں صاحب تم نے بڈھوں میں اپنا نام لکھوایا تو مجھکو لازم ہے میں اپنے کو اموات میں گنوں۔ تمہاری عمر میرے نزدیک پچاس ۵۰ سے متجاوز نہوگی۔ اگر تجاوز کیا ہوگا تو دو تین برس سے وہ تجاوز زیادہ نہوگا۔ بھائی ضیاءالدین خاں اور تم ہم عمر ہو۔ وہ کچھ کم پچاس تم کچھ اوپر پچاس ابھی تم دونوں صاحبوں کو ایک سو بیس میں سے ستر برس یا کچھ کم ستر برس باقی ہیں۔

بنا بہ آب رسیدن اور بنا بہ آب رسانیدن "بنا بہ آب رسیدن" لازمی اور "بنا بہ آب رسانیدن" متعدی باجماع جمہور ضدین ہیں۔ ہم معنی استحکام و ہم معنی انہدام۔ درصورت استحکام نیو کا گہرا کھودنا ملحوظ ہے۔ اور درصورت انہدام لطمۂ امواج سیلاب مد نظر ہے۔ آپ کے لکھے ہوئے دونوں شعر مفید معنی خرابی ہیں۔ صائب ع بنائے عمر مسیح و خضر بآب رسید۔ یعنی ویران ہوگئی ڈھے گئی حال آنکہ وہ یقیناً جاودانی تھی۔ ع ہنوز تشنۂ خونست تیغ مژگانش۔ باآنکہ تیغ مژہ نے دو زندۂ جاوید کو مارا

مگر اتبک تشنۂ خون ہے۔ "تشنہ" بمعنی مشتاق اور "خون" بمعنی قتل
اور "بنائے عشر آب شدن" استعارۂ ہلاک سے ہزار میکدہ را
محتسب آب رساند و بنائے صومعۂ شیخ ہمچناں برپا ست۔ "بنائے میکدہ"
غلط "ہزار میکدہ" صحیح ہے۔ کلیم کے دیوان میں موجود۔ یعنی محتسب نے
ہزار میکدے ڈہا دیے دریا برد کر دیے صومعۂ زرق و ریا اتبک معمور و موجود
ہے۔ یعنی استحکام نعمت خان عالی کہتا ہے سے نیست محکم گر رسد بنیاد
دنیا تا بآب ÷ چوں حباب ایں خانۂ بے بنیاد میداینم ما ÷ صائب کہتا ہے
چلوۂ شمع تجلی ز رنگ نگذارد   رُخ تو خانۂ آئینہ را بآب رساند
بنوں موقوف۔ غالب کہتا ہے کہ اساتذہ کے کلام کے مشاہدہ میں اگر
تو غل لسے ہے تو ہزار ہا بات نئی معلوم ہوتی ہے۔

خراب اور خرابہ میں نے سات شعر امیر خسرو کی غزل پر لکھکر ایک مطرب
کو دیے وہ مجلسوں میں گانے لگا۔ اکبر آباد و لکھنؤ تک مشہور ہوئے۔ وہ غزل
جس کا مطلع یہ ہے مطلع از جسم بجان نقاب تا کے ÷ ایں گنج دریں خراب
تا کے۔ ایک صاحب آگرہ میں اور ایک صاحب لکھنؤ میں معترض
ہوئے کہ گنج در خرابہ باید نہ در خراب۔ ہر چند کہا کہ خرابہ ہندی علیہ اور اصل
لغت خراب عربی الاصل بمعنے ویران و ویرانہ ہے جس کی ہندی اوجڑ۔
معترض مصر رہا۔ صائب کے دیوان میں سے یہ مطلع نکلا۔ سے
بہ فکر دل نہ فتادی ہیچ باب دریغ   بگنج راہ نبردی دریں خراب دریغ

(بنام خواجہ غلام غوث بیخبر)

نمبر ۲۰

شگفتی اور شگفت۔ شفق۔ خراب بمعنی خرابہ۔ ویران و ویرانہ۔ موج و موجہ

جناب بھائی صاحب قبلہ۔ یقین ہے کہ آپ مع الخیر اپنی دارالریاست
میں پہنچ گئے ہوں اور جمعیت خاطر روزہ رکھتے ہوں۔ پان کے خیال
اور مولوی الطاف حسین کے فراق کے سوا کوئی وجہ ملال نہو۔ خدا کرے

شگفتی اور شگفت

تم کو یاد آجائے کہ مفتی جی "شگفتی" کو "شگفت" کا مزید علیہ
مسلم نہیں جانتے تھے۔ سکندر نامہ میں دیکھا ہے ؎

بسے در شگفتی نمودن طواف — عنان سخن را کشد در گزاف

شفق

صہبائی شفق صبح کو غلط اور اس رنگ کو مخصوص بشام جانتا تھا
محمد سعید اشرف مازندرانی کے کلام میں نظر پڑا ع ہمچو صبح شفق آلودہ
زخش سرخ و سفید۔

اب جو فقیر کا یہ مطلع مشہور ہوا ۔ ؎ از جسم بجاں نقاب تا کے،
ایں گنج دریں خراب تا کے۔ حضرات کو اس میں تامل ہے۔ خرابہ کی

خراب بمعنے خرابہ

جگہ خراب کو نہیں مانتے۔ آیا یہ نہیں جانتے کہ لغت عربی

ویران و ویرانہ، موج و موجہ

اصل خراب اور خرابہ مزید علیہ۔ ویران لغت
فارسی اصل اور "ویرانہ" مزید علیہ "موج" لغت عربی اصل اور "موجہ"
مزید علیہ ہے۔ مزید علیہ جائز اور لغت اصلی ناجائز کیوں ہو۔

یہ ایک مصرعہ قدما میں سے کسی کا ہے مگر پیش مصرعہ مجھے یاد نہیں اور یہ
بھی نہیں معلوم کہ کس کا ہے ع چوں مہر در کسوف و چوں گنج در خراب میں
خود کہتا ہوں کہ اسکو نہ مانو اس راہ سے کہ میں قائل کا نام نہیں بتا سکتا۔
یہ مطلع مرزا محمد علی صائب علیہ الرحمۃ کا ہے اور اُسکے دیوان میں موجود ہے
ے بہ نسکرد دل نفتادی بہیچ باب دریغ ٭ بگنج راہ نبردی دریں خراب دریغ۔
گنج و خراب۔ گنج و خرابہ۔ گنج و ویران۔ گنج و ویرانہ مستعمل اہل ایران ہے اِس
بات میں متردد ہونا محض عدم اعتنا ہے والسّلام۔ صبح شنبہ دہم ماہ صیام
سال غافر پے اہل اسلام ۱۲

(بنام نواب مصطفٰے خاں بہادر شیفتہ)

نمبر۲۱

"آب در بنا رسیدن" اور "آب در بنا رساندن"۔ از جسم بجاں نقاب تا کے ٭
ایں گنج دریں خراب تا کے۔ اسیر عارف علیشاہ خراسانی کا اعتراض اور دخل۔

قبلہ آج تیسرا دن ہے کہ میں "بنا بہ آب رسیدن" و "بآب رساندن"
کی حقیقت باستناد اشعار اساتذہ لکھکر بسبیل ڈاک بھیج چکا ہوں آج اِتفاقاً
بھائی ضیاء الدین خاں صاحب آئے اور اس امر خاص میں کلام کے
بادی ہوئے میری تقریر سُن کر کہنے لگے کہ "آب
در بنا رسیدن" و "آب در بنا رساندن" کے باب میں

"آب در بنا رسیدن" اور "آب در بنا رساندن"

متردد ہیں کہ آیا یہ ترکیب جائز ہے یا نہیں؟ اب میں متنبہ ہوا کہ واقعی جو میں نے لکھا وہ سوال دیگر اور جواب دیگر تھا۔ ستّر برس کا پیر خرف حواس معرضِ تلف۔ اگرچہ سوال کو غلط سمجھا لیکن جواب غلط نہیں لکھا "رسیدن بنا بآب" ہم معنے استحکام بنا و ہم معنے انہدام بنا درست فقط۔ اب "آب در بنا رسیدن" "درساندن" کی کیفیت سنئے۔ فقیر نے اساتذہ کے کلام میں کہیں یہ ترکیب نہیں دیکھی پس میں اسکی صحت اور غلطی میں کلام نہیں کر سکتا۔ جانب غلطی میرے نزدیک راجح ہے۔ آپ جبتک کلام اہل زبان میں نہ دیکھ لیں اسکو جائز نہ جانئے گا۔ مگر کلام سعدی و نظامی و حزیں اور ان کے امثال و نظائر کا معتمد علیہ ہے نہ آرزو اور واقف اور قتیل و غیرہم کا۔

میرا ایک مطلع ہے ؎ از جسم بجان نقاب تا کے؛ این گنج درین خراب تا کے؛ ایک گروہ معارض ہوا کہ گنج کو "خرابہ" کہو "نہ خراب"۔ میں متحیر کہ یا رب کس سے کہوں "خرابہ" مزید علیہ "خراب" ہے۔ مثل ویران و ویرانہ و موج و موجہ۔ الحاق ہائے ہوز سے لغت دوسرا نہیں پیدا ہوا۔ بارے صائب کے دیوان میں ایک مطلع نظر آیا ؎ بفکر دل نہ فتادی بہیچ باب دریغ؛ بہ گنج راہ نہ بردی دریں خراب دریغ؛ یہ مطلع لکھ کر معترض صاحبوں کو بھیجدیا کہ غالب کو دردسر نہ دیجئے جو پوچھنا ہے وہ صائب سے پوچھ لیجئے۔

از جسم بجاں نقاب تا کے این گنج درین خراب تا کے

دیکھو خط نمبر ۱۹

عارف علیشاہ خراسانی کا اعتراض اور دخل

عارف علیشاہ خراسانی نے اسی مطلع پر ۔ از جسم بجاں نقاب تا کے؟ ایں گنج دریں خراب تا کے ۔ تین اعتراض کئے تھے ۔ پہلا نقاب کے ساتھ عارض و رُخ کا ذکر بھی ضرور تھا ۔ وہ نہیں ہے ۔ دوسرا گنج تو ویرانے ہی میں ہوتا ہے پھر اُس پر تاسف کیا جو کہتے ہیں "تا کے"۔ تیسرا ویرانہ کو خرابہ کہتے ہیں نہ خراب ۔ اور وہاں ان اعتراضوں کے بعد انھوں نے دخل کیا تھا ۔ از جسم بجاں حجاب تا کے + گل بر رُخ آفتاب تا کے + خراب اور خرابہ کا جواب تو صائب کا مطلع اوپر کے خطوں میں لکھ چکا ۔ یہ[1] خط بقیہ اعتراضوں کے جواب اور دخل کے بیجا ہونے کے اظہار میں ہے ۔

(بنام خواجہ غلام غوث بیخبر)

نمبر ۲۲

از جسم بجاں نقاب تا کے؟ ایں گنج دریں خراب تا کے ۔ کے اعتراضوں کا جواب اور اس شعر کے معنے سمجھاتے ہیں ۔ فافہموا ۔

قبلہ دیکھئے ۔ ہم عارف ہیں ورود نامہ سے پہلے جواب نامہ لکھتے ہیں ۔ دن بھول گیا ہوں غالب ہے کہ آج تیسرا دن ہو ۔ صبح کو میں نے "آب در بنارسیدن" کی بحث میں خلاصۂ تحقیق لکھکر ارسال کیا ۔

---

[1] یعنی خط نمبر ۲۲

اُسیدن شام کو آپ کا خط آیا۔ بقیہ جواب اب لکھتا ہوں۔

از جسم بجاں نقاب تا کے الخ کے اعتراضوں کا جواب

نقاب اس شعر میں بمعنے حائل ہے۔ حول کو وجہ و رُخ کی خصوصیت نہیں۔ دو چیزوں کے بیچ میں جو شے آ جائے۔ بلکہ اُس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ جو چیز ایک چیز کی مانع نظارہ ہو وہ نقاب ہے اُس شے نامرئی کا رُخ بمناسبت نقاب مقدر ہے اور یہ تقدیر جائز اور بلیغ ہے۔ "حجاب" کا یہاں اوپری یعنے بے محل اور نا ملائم ہونا بشرط عقل سلیم و طبع لطیف ظاہر ہے۔ "گل" خاک بآب سرشتہ کو کہتے ہیں وہ رُخ آفتاب تک کہاں پہونچے۔ ہاں گرد و غبار میں آفتاب چھپ جاتا ہے۔ اُسکا استعمال از روے مجاز جائز ہے۔ "گنج در ویرانہ تا کے" یہ بہت لطیف بات ہے یعنی افسوس کیا جاتا ہے اُس گنج کے بیکار ہونے کا۔ "گنج" سے غرض یہی تو نہیں کہ جنگل میں مدفون رہے وہ تو یہ چاہتا ہے کہ مدفن سے نکلے اور صرف ہو اور لوگ اُسکے وجود سے تمتع پائیں۔ یہاں ایک اور دقیقہ ہے کہ اس شعر میں گنج مشبہ بہ اور روح انسانی مشبہ ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ روح کا تعلق جسم سے جاودانی نہیں پس کیا قباحت ہے اگر ایک عنصری ستم زدہ قطع تعلق روح کا منتظر اور مشتاق ہو مثلاً ایک میعادی محبوس حسرتمندانہ کہے کہ الٰہی وہ دن کب آئیگا کہ میں قید سے نجات پاؤں کب تک سڑک کاٹوں کب تک رنج اُٹھاؤں۔

فاخر مکین

فاخر مکیں ایک شاعر تھا شجاع الدولہ و آصف الدولہ کے

عہد میں۔ اس نے سعدی و نظامی و حزیں کے اشعار کو صلاحیں دی ہیں۔ جب ایک ہندوستانی بے علم تنک مایہ اساتذہ نامی عجم کے کلام کو صلاح دے۔ اگر ایک عالم خراسانی نے ایک ہندی کے مطلع میں تصرف کیا تو کیا قباحت لازم آئی۔ خدا کا شکر کہ مجھ کو ستر برس کی عمر میں پچاس برس کی مشق کے بعد اُستاد میسر آیا۔

(بنام خواجہ غلام غوث بیخبر)

نمبر ۲۳

جناب مرزا صاحب دلی کا حال تو یہ ہے ؎

گھر میں تھا کیا جو ترا غم اُسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

یہاں دھرا کیا ہے جو کوئی لوٹیگا وہ خبر محض غلط ہے۔ اگر کچھ ہے تو بدیں نمط ہے کہ چند روز چند گوروں نے اہل بازار کو ستایا تھا۔ اہل قلم اور اہل فوج نے بانصاف رائے ہمدگر ایسا بندوبست کیا کہ وہ فساد مٹ گیا۔ اب امن و امان ہے۔

ناسخ کی نسبت مرزا کی رائے

ناسخ مرحوم جو تمہارے اُستاد تھے میرے بھی دوست صادق الوداد تھے مگر یک فنی تھے۔ صرف غزل کہتے تھے۔ قصیدہ اور مثنوی سے اُن کو کچھ علاقہ نہ تھا۔ سبحان اللہ تم نے قصیدہ میں وہ رنگ دکھایا کہ انشا کو رشک آیا۔ مثنوی کے اشعار جو میں نے دیکھے

کیا کہوں کیا حظ اُٹھایا ہے خدا سے میں بھی چاہوں از رہِ مہر فروغ میرزا حاتم علی مہر۔ اگر اسی انداز پر انجام پائے گی تو یہ مثنوی کارنامہ اُردو کہلائے گی خدا تم کو جیتا رکھے تمہارا دم غنیمت ہے۔ صاحب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ معیار الشعرا میں تم نے اپنا خط کیوں چھپوایا؟ تمہارے ہاتھ کیا آیا؟ سنو تو سہی اگر سب کا کلام اچھا ہو تو امتیاز کیا رہے۔

(بنام مرزا حاتم علی مہر)

نمبر ۲۴

جناب عالی کل میرے شفیق مکرم منشی نواب جان کلبہ احزان میں تشریف لائے۔ آپ کا سلام کہا معلوم ہوا خواجہ صدرالدین صاحب لشکر کے ساتھ گئے ہیں۔ اس فصل میں کہ ابھی سے رات و دن آگ برستی ہے اچھا ہوا کہ زحمت سفر نہ کھینچی۔

مرزا اپنے رقعات چھپوانے کے خواہشمند ہیں اور خواجہ غلام غوث بیخبر سے اپنے رقعات یا اُن کی نقل طلب کرتے ہیں

اجی حضرت یہ منشی ممتاز علی کیا کر رہے ہیں۔ رقعے جمع کئے اور نہ چھپوائے۔ فی الحال پنجاب احاطہ میں ان کی بڑی خواہش ہے جانتا ہوں کہ وہ آپ کو کہاں ملیں گے جو آپ اُن سے کہیں۔ مگر یہ تو حضرت کے اختیار میں ہے کہ جتنے میرے خطوط آپکو پہونچے ہیں۔ وہ سب یا اُن سب کی نقل بطریق پارسل آپ مجھکو بھیجدیں۔ جی یوں

چاہتا ہے کہ اس خط کا جواب وہی پارسل ہو ع تم سلامت رہو قیامت تک
(بنام خواجہ غلام غوث بیخبر)

نمبر ۲۵

نامراد اور بے مراد - نامرادی کے معنی - ؎ عاقلاں از بے مرادیہائے خویش ٭ باخبر گشتند از مولائے خویش۔

نامراد اور بے مراد

حضرت پیرو مرشد ...... ناظرین "قاطع برہان" پر روشن ہوگا کہ "نامراد" اور "بے مراد" کا ذکر مبنی اسپر ہے کہ عبدالواسع ہانسوی بے مراد کو صحیح اور "نامراد" کو غلط لکھتا ہے۔ میں لکھتا ہوں کہ ترکیبیں دونوں صحیح لیکن "بے مراد" غنی کو کہتے ہیں اور "نامراد" محتاج کو۔ اب آپ کے نزدیک اگر ان دونوں کا محل استعمال ایک ہی ہو تو میرا مدعائے اصلی یعنی "نامراد" کی ترکیب کا علی الرغم عبدالواسع کے صحیح ہونا فوت نہیں۔ شعر میرزا صائبؔ

نامرادی زندگی بر خویش آساں کردہ است ٭ ترک جمعیت دل خود را بساماں کردہ است

نامرادی کے معنے

یہاں "نامرادی" "بے مرادی" کے معنے کیونکر دیگی۔ اغنیا خواہ اہل توکل خواہ اہل توسل متمولین پر کبھی کام آسان نہیں ہوتا بلکہ مفلسوں سے زیادہ اُنپر مشکلیں ہیں۔ یہ ہے اہل توکل اُن کی صفتیں اور ہیں۔ وہ اہل اللہ ہیں۔ مقربان بارگاہ کبریا ہیں۔ دنیا پر لات مار سے ہوئے ہیں۔ کام اُنپر کب مشکل تھا کہ اُنھوں نے اُسکو آسان کر دیا۔

"نامراد" صیغہ مفرد ہے مساکین کا۔ اصناف مساکین کی شرح ضرور نہیں۔ سختی کشی و بینوائی و تہیدستی و گدائی یہ اوصاف ہیں مساکین کے۔ ان صفات میں سے ایک صفت جس میں پائی جاوے وہ مسکین و نامراد۔ البتہ مساکین پر نہ ایک کام بلکہ سب کام آسان ہیں نہ پاس ناموس و عزت نہ حُبِ جاہ و مکنت۔ نہ کسی کے مدعی نہ کسی کے مدعا علیہ۔ دن رات میں دو بار روٹی ملی بہت خوش۔ ایک بار ملی بہرحال خوش۔ خدا کے واسطے مولانا صاحب کے شعر میں سے "نامراد" بمعنی "کسیکہ ہیچ مراد نداشتہ باشد" کیونکر ثابت ہوتا ہے۔ مساکین کی زندگی جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں آسان گذرتی ہے یا اغنیا کی۔؟

عاقلاں از بے مراد ہائے خویش
باخبر گشتند از مولائے خویش

رہا مولوی معنوی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر سے عاقلاں از بے مراد ہائے خویش کو باخبر گشتند از مولائے خویش۔ میں نے مثنوی کے ایک نسخہ میں "عاقلاں" کی جگہ "عاشقاں" دیکھا ہے۔ بہرصورت معنی یہ ہیں کہ عشاق یا عقلا بعد ریاضت شاقہ ماسوا اللہ سے اعراض کر کے بے مراد اور بے مدعا ہو گئے یہ پایۂ تسلیم و رضا ہے۔ البتہ اس رتبہ کے آدمی کو خدا سے لگاؤ پیدا ہوگا۔ ع باخبر گشتند از مولائے خویش۔ یہاں بھی بے مرادی سے نامرادی کے معنی نہیں لیئے جاتے مگر ہاں ع بے مرادی مومناں از نیک و بد دوسرا مصرع ع ور بجلی بے مرادت داشتے۔ ان دونوں مصرعوں میں نامراد اور بے مرادی کے معنی میں غلط واقع ہو گیا ہے۔ خیر "بے مراد" اور

"نامراد" ایک سہی۔ ہر چند دوسرے مصرع مولوی میں "بے مراد" کے معنی "بے حاجت" کے درست ہوتے ہیں۔ مگر ع من کہ رندم شیوہ من نیست بحث۔ زیادہ تکرار کیوں کروں۔ معہذا مصرعۂ اوّل کی کچھ توجیہ بھی نہیں کر سکتا۔ "نامراد" کی ترکیب کی صحت علی الرغم عبدالواسع ثابت ہو گئی۔ فثبت المدعا۔ کمال یہ کہ مانند "ناچار" و "بیچارہ" اور "ناانصاف" اور "بے انصاف" کے "نامراد" اور "بے مراد" کا بھی مورد استعمال مشترک ہا والسّلام۔" (بنام خواجہ غلام غوث بیخبر)

نمبر ۲۶

سہل ممتنع کی ترکیب و تعریف۔ ۵۔ ہے سہل ممتنع یہ کلام ادق مرا۔ برسوں پڑھے تو یاد نہووے سبق مرا۔ آب در بنا رساندن اور بنا بہ آب رسانیدن۔

سہل ممتنع کی ترکیب و تعریف پیر و مرشد۔ سہل ممتنع میں کسرۂ لام توصیفی ہے۔ سہل موصوف اور ممتنع صفت۔ اگرچہ بحسب ضرورت وزن کسرۂ لام شبع ہو سکتا ہے۔ لیکن مخلّ فصاحت ہے۔ لام موقوف تو خود سراسر قباحت ہے۔ سہل ممتنع اُس نظم و نثر کو کہتے ہیں کہ دیکھنے میں آسان نظر آئے اور اُسکا جواب نہو سکے بالجملہ سہل ممتنع کمال حسن کلام ہے اور بلاغت کی نہایت ہے۔ ممتنع درحقیقت ممتنع النظیر ہے شیخ سعدی کے بیشتر فقرے اس صفت پر مشتمل ہیں اور رشید وطواط وغیرہ شعرائے سلف نظم میں

اس شیوہ کی رعایت منظور رکھتے ہیں۔ خودستائی ہوتی ہے سخن فہم اگر غور
کرے گا تو فقیر کی نظم و نثر میں سہل ممتنع اکثر پاوے گا۔

ہے سہل ممتنع یہ کلام ادق مرا
برسوں پڑھے تو یاد نہووے سبق مرا

ہی سہل ممتنع یہ کلام ادق مرا برسوں پڑھے تو یاد نہو وے سبق مرا[1]
یہ مصرعہ حیرت آور ہے۔ کلام ادق سہل ممتنع کے
منافی ہے۔ پھر یاد نہ ہونا اور حافظہ پر نہ چڑھ جانا ہرگز سہل ممتنع کی صفت
نہیں ہو سکتی۔ کلام ادق جس کا حفظ دشوار ہو شاید کوئی قسم اقسام کلام میں
سے ہو۔ ہاں کلام ادق کلام مغلق کو کہتے ہیں۔ سو کلام مغلق اور کلام سہل ممتنع
ضد یکدیگر ہے مغلق اور ادق سہل ممتنع اور سہل ممتنع مغلق اور ادق کیونکر
ہو سکے گا۔ اور حافظہ میں محفوظ رہنا کلام مغلق اور ادق کی صفت کیونکر
پڑے گی۔ ہاں مغلق عسیر الفہم ہوگا پڑھا نہ جاوے گا معنی سمجھ میں نہ آئینگے۔
سہل ممتنع کی صفت وہ تھی جو فقیر اوپر لکھ آیا اس شعر سے مجھکو کچھ علاقہ نہیں

آب در بنا رسیدن اور
بنا بہ آب رسانیدن

"آب در بنا رسیدن" بمعنے "خراب بنیاد" قیاسی ہے۔
اساتذہ کے کلام میں میں نے نہیں دیکھا اگر آیا ہو تو درست
ہے۔ ہاں "با آب رسانیدن بنا کہ بظاہر آب در بنا رسیدن" کا متعدی منہ ہے

---

[1] یہ شعر میر انیس مرحوم کا مرزا صاحب کے اعتراض بیجا کا گھائل ہے۔ مرزا صاحب نے اسکے معنے
سمجھانے میں غلطی اور اسپر اعتراض وارد کرنے میں زیادتی کی ہے "کلام ادق" سے یہاں یہ مطلب ہے
کہ ہرچند باعتبار لفظ کلام بہت سہل مگر بلحاظ معنی بہت دقیق اور باریک ہے۔ اور اسی وجہ سے اسکی نقل
ویری بہت مشکل ہے وہ عسیر الفہم نہیں بلکہ عسیر النقل ہے۔ اور یہی حقیقی تعریف سہل ممتنع کی ہے "سبق یاد نہونے" سے
بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کلام کا حافظہ میں محفوظ رکھنا مشکل ہے بلکہ برسوں پڑھنے اور یاد رکھنے کے باوجود بھی اسکی نقل دشوار ہے

بلغا کے کلام میں آیا ہے لیکن اضداد میں سے ہے بمعنے "ویرانی بنا" مستعمل اور ہم معنی "استحکام بنا" اگر اسکا لازم ڈھونڈھیے تو "رسیدن بنا بہ آب" ہے نہ "رسیدن آب در بنا" جیسا کہ نعمت خان عالی کہتا ہے ؎

نیست محکم گر رسد بنیاد دنیا تا بآب ... چون حباب این خانہ بے بنیاد میدانیم ما

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "رسیدن بنا تا بآب" موجب استحکام ہے اور شاعر باوجود دلیل استحکام بنا کو نا استوار جانتا ہے صائب کہتا ہے ؎

چگونہ شمع تجلی ز رشک نگدازد ... رخ تو خانۂ آئینہ را بآب رساند

حاجی محمد جان قدسی ؎

بگوش عطایش رساند این خطاب ... کہ بنیاد کان را رساند بآب

یہ دونوں شعر مفید معنی ویرانی ہیں قصہ مختصر "بآب رسیدن بنا" خرابی خانہ و "بآب رساندن" متعدی اس ۔ و "رسیدن آب در بنا" نامسموع میں ابھی بیمار ہوں اور بیمار کے واسطے انجام کو غسل صحت تا غسل میت والسلام ۱۲ (بنام خواجہ غلام غوث بیخبر)

نمبر ۲۱

خانصاحب عالیشان مردان علیخان صاحب کو فقیر غالب کا سلام نظم و نثر دیکھکر دل بہت خوش ہوا آج اس فن میں تم یکتا ہو خدا تمکو سلامت رکھے۔

جفا "کی تذکیر و تانیث" بھائی "جفا" کے مونث ہونے میں اہل دہلی و لکھنو کو باہم اتفاق ہے۔ کبھی کوئی نہ کہیگا کہ جفا کیا۔ ہاں بنگالیں جہاں بولتے ہیں کہ ہتھنی آیا اگر جفا کو مذکر کہیں تو کہیں ورنہ ستم و ظلم مذکر اور بیداد و جفا مونث ہے بے شبہہ و شک والسلام والاکرام ۱۲ (بنام مردان علیخان رعنا)

نمبر ۲۸

نواب صاحب شفیق عالیشان کو میرا سلام۔ کل تمہارا عنایت نامہ پہنچا۔ رامپور کا لفافہ آج رامپور کو روانہ ہوگا۔ کاغذ اشعار میں نے دیکھ لیا۔ کہیں اصلاح کی حاجت نہ تھی۔

اصلاح شعر

گزرا ہے مرا نالۂ دل چرخ کہن سے — تھا روح کا ہمدم پھر آ جا کے وطن سے

"نالۂ دل" بنا دیا۔ نواب صاحب اردو کا تذکرہ لکھتے ہیں فارسی غزل تم نے بے فائدہ لکھی۔ دیکھو صاحب تم نے اپنے مسکن کا پتہ لکھا سو میں نے دوسرے دن تمہارے خط کا جواب روانہ کیا۔

منشی نولکشور کے متعلق مرزا کی رائے

منشی نولکشور صاحب یہاں آئے تھے مجھ سے ملے بہت خوبصورت اور خوش سیرت سعادتمند اور معقول پسند آدمی ہیں وہ تمہارے مداح اور میں انکا ثناخوان۔ خدا انکو اور انکو سلامت رکھے۔

(بنام مردان علیخان رعنا)

نمبر ۲۹

بخدمت مشفقی مکرمی مرزا رحیم بیگ صاحب نور اللہ قلبہ بالاسرار و عینہ بالانوار سخنے چند گفتہ میشود۔

نہ در منطق پارسی و دری — ہمیں ہندی سادہ و سرسری

جس طرح توحید میں نفی ما سوا اللہ دستور ہے۔ مجھکو تحریر میں حذف زوائد منظور ہے۔ عزم مقابلہ نہیں۔ قصد مجادلہ نہیں۔ سرتاسر دوستانہ حکایت ہے۔ خاتمہ میں ایک شکایت ہے شکوہ دردمندانہ منافی شیوۂ ادب نہیں معہذا اظہار درد دل مراد ہے کوئی بات جواب طلب نہیں۔ احسانمند ہوں آپ کا کہ آپ نے منشی سعادت علی کی طرح آدھا نام میرا نہ لکھا۔ اُن کے حسن ظن کے مطابق مجھکو معشوق میرے اُستاد کا نہ لکھا۔ اور اگر ایک جگہ یہ الفاظ کہ "بقول غالب (با کدام خرس در جوال شدہ ام)" بہم کیے۔ اور دو چار جگہ کلمۂ توہین رقم کیے۔ میں نے اپنے لطف طبع اور حسن عقیدت سے

پہلے فقرے کا مفہوم یوں اپنے دل نشین کیا۔ کہ حضرت محمد حسین دکنی نے
جامع برہان کو موافق میرے قول کے خرس یقین کیا۔ با "خرس در جوال شد" الخ
عبارت ہے صحبت سے۔ خواہی مدافعت کے واسطے ہو خواہی محبت سے
مجھکو اُسکا قرب سبیل آویزش ہے۔ تم کو اُسکا قرب از روے آمیزش ہے۔
دوسرے فقرے کے معنے پڑھے بلکہ بے تکلف میرے ضمیر میں آئے
کہ خرس کی مدد دینے سے کوفت حاصل ہوئی۔ اور وہ کوفت باعث درد دل
ہوئی۔ شدت درد میں آدمی چیختا ہے، چلاتا ہے، ہائے ولے کرتا ہے، غل
مچاتا ہے، جیسا کہ سعدی کی بوستاں کی اس حکایت میں جسکا پہلا مصرعہ یہ ہے
ع شبے زیت فکرت ہمی سوختم + فرماتا ہے ع کہ ناچار فریاد خیز د ز درد۔

برہان قاطع کے متعلق

جناب مرزا صاحب کیا تم نہیں جانتے۔ کیونکر نہیں
جانتے۔ بے شبہہ جانتے ہوگے۔ کہ اکابر اُمت کو اُمور دینی میں کیا کیا
منازعتیں باہم واقع ہوئی ہیں کہ نوبت بہ تکفیر یکدیگر پہونچی ہے۔ اگر فن
لغت میں ایک شخص دوسرے کا معتقد نہوا یہاں تک کہ اُسکی تحمیق بھی کی
تو اور مدعیان علم و عقل اس مسکین کے جگر تشنہ خون کیوں ہو جائیں۔
اور جب تک نقش ہستی اسکا صفحہ دہر سے نہ مٹائیں آرام نہ پائیں۔ ظلم تو یہ
ہے کہ جو کچھ میں نے قاطع برہان میں لکھا ہے نہ اُسکو سمجھتے ہیں" اور نہ کچھ
آپ لکھتے ہیں نہ اُسکے معنے سمجھتے ہیں۔ سوال دیگر جواب دیگر پر
مدار ہے۔ خارج از بحث اقوال تکرار ہے برہان قاطع والے کی محبت سے
دل بیقرار ہے۔ فرط غیظ و غضب سے بدن رعشہ دار ہے۔ منشی سعادت علی

نہ ناظم ہے نہ نثار ہے۔ بموجب اس مصرعہ کے ع "مقتضائے طبیعتش
اینست"۔ ناچار تمکو معرض تحریر میں تحمل اور تامل چاہیے۔ سخن پروری و
جانب داری میں توغل چاہیے۔ بحسب اختلاف طبائع مانو یا نہ مانو مگر

فرہنگ نویسوں کے متعلق مرزا کا عقیدہ

یہ تو جانو کہ غالب سوختہ اختر کا فرہنگ نویسونکے باب میں
کیا عقیدہ ہے اگرچہ قاطع برہان میں جا بجا لکھتا آیا ہوں مگر
اب ہندی کی چندی کرکے لکھتا ہوں کہ یہ میرا عقیدہ ہے کہ فرہنگ لکھنے والے
جتنے گذرے ہیں سب ہندی نژاد ہیں ہاں علم صرف و نحو عربی میں بقدرِ
تحصیل مسلّم اور اُستاد ہیں۔ علم صرف و نحو کی کتب درسی موجود ہیں جسنے
چاہا ہے اُسنے اُستاد سے اُن کتب کو پڑھ لیا ہے۔ فارسی کی جو فرہنگیں
حضرت نے لکھی ہیں مطالب مندرجہ کس اصول پر منضبط کیے ہیں اور
اُسکا علم کس اُستاد سے حاصل کیا ہے آخر مقاصد صرف و نحو عربی بھی
تو صرف مطالعہ کتب سے نہیں نکالے ہیں۔ پہلے تعلیم تعلّم ہے پھر کتبِ
قواعد سے جا بجا حوالے ہیں۔ قواعد فارسی کا رسالہ اہل زبان میں سے کسنے
لکھا ہے۔ اور ان ہوس پیشہ فرہنگ لکھنے والوں نے وہ رسالہ کس فاضلِ
عجم سے پڑھا ہے۔ شیدائے ہندی سکروی نے حاجی محمد جان قدسی علیہ الرحمۃ
کے ایک شعر پر اعتراض کیا ہے مرزا جلالائے طباطبائی علیہ الرحمۃ
نے شیدا کو خط لکھا ہے سر آغاز خط کا ایک قطعہ جس میں صحرا و دریا قافیہ
اور برساند ردیف۔ شعر آخر کا مصرع ثانی یاد رہ گیا ع یعنی بہادیو مقویہا
برساند۔ خلاصہ مضمون خط یہ کہ نہ تو صاحب زبان ہے نہ زبان داں ہے۔

یعنی مقلد اور کاسہ لیس اہل ایران ہے۔ حاجی محمد جان کے کلام کو سند پکڑ۔
تجھے کسنے کہا ہے کہ اُس سے لڑ۔ کیا تو نے سنا نہیں جو عرفی و فیضی میں گفتگو
ہوئی ہے۔ اور موتمن الدولہ شیخ ابوالفضل کے روبرو ہوئی ہے۔ لغات فارسی
اور ترکیب الفاظ میں کلام تھا۔ مولانا جمال الدین عرفی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا
کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ اور نطق آشنا ہو گیا ہوں اپنے گھر کی
بڑھیوں سے لغات فارسی اور یہی ترکیبیں سنتا رہا ہوں فیضی بولا کہ جو کچھ
تم نے گھر کی بڑھیوں سے سیکھا ہے وہ ہم نے خاقانی و انوری سے اخذ کیا ہے
حضرت عرفی نے فرمایا کہ تقصیر معاف خاقانی و انوری کا ماخذ بھی تو منطق
گھر کی پیرزالوں کا ہے۔ ہائے اہل تمیز کہاں سے لاؤں جو دیکھیں کہ حال
قلمرو ہند کے صاحب کمالوں کا ہو قیاس مع الفارق کی بہار دیکھو۔ مجرد تقدم زمانہ کا
اعتبار دیکھو۔ مانا کہ عرفی تحصیل علوم عربیہ میں اُن سے کمتر ہے صاحب زبان اور ایرانی ہونے
میں برابر ہے۔ کیا عرفی کیا انوری کیا خاقانی۔ ایک شیرازی ایک خاوری
ایک شروانی۔ اگر مجھ سے کوئی کہے کہ غالب تیرا بھی مولد ہندوستان ہے۔
میری طرف سے جواب یہ ہے کہ بندہ ہندی مولد و پارسی زبان ہے ؎
ہر چہ از دستگہ پارس بہ یغما بردند تابنالم ہم ازاں جملہ زبانم دادند
زباں دانی فارسی میری ازلی دستگاہ اور یہ عطیہ خاص منجانب اللہ ہے
فارسی زبان کا ملکہ مجھ کو خدا نے دیا ہے مشق کا کمال (مرزا کو فارسی کا خداداد ملکہ)
میں نے استاد سے حاصل کیا ہے۔ ہند کے شاعروں میں اچھے اچھے خوشگو
اور معنی یاب ہیں لیکن یہ کون احمق کہے گا کہ یہ لوگ دعوی زباندانی کے

پابہ بند رہے فرہنگ لکھنے والے۔ خدا اُن کے پیچ سے نکالے۔ اشعار قدما آگے دھر لیے اور اپنے قیاس کے مطابق چلدیئے۔ وہ بھی نہ کوئی ہم قدم نہ ہمراہ، بلکہ سُو بسُو پراگندہ و تباہ۔ رہنما ہو تو راہ بتائے۔ اُستاد ہو تو شعر کے معنی سمجھائے۔ نہ آپ شیرازی نہ اُستاد رمضانی۔ زہے رگِ گردن و خبط دعویٰ زباندانی۔ میرا یہ قول خاص ہے نہ عام ہے۔ مجموع فرہنگ نگاروں کے محقق ہونے میں کلام ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ جامع بُرہان کا ماخذ فرہنگ رشیدی و جہانگیری ہے۔ عبدالرشید کی کیا شیخی اور میاں انجو میں کیا پیری ہے۔ قطب شاہ و جہانگیر کے عہد میں ہونا اگر منشاے برتری ہے۔ تو بیچارہ جعفر زٹلی بھی فرخ سیری ہے۔

لطیفہ | ایک لطیفہ لکھتا ہوں اگر خفا نہ ہو جاؤگے تو حظ اٹھاوگے۔ جتنی فرہنگیں اور جتنے فرہنگ طراز ہیں۔ یہ سب کتابیں اور یہ سب جامع مانند پیاز ہیں۔ تو بتو، در لباس در لباس۔ وہم در وہم اور قیاس در قیاس۔ پیاز کے چھلکے جس قدر اُتارتے جاؤگے چھلکوں کا ڈھیر لگ جائیگا مغز نہ پاؤگے۔ فرہنگ لکھنے والوں کے پردے کھولتے چلے جاے لباس ہی لباس دیکھوگے شخص معدوم۔ فرہنگوں کی ورق گردانی کرتے رہو ورق ہی ورق نظر آئینگے معنی موہوم۔ ظرافت پر مدار تحقیق نہیں ہے۔ آپکے خاطر نشین کرتا ہوں جو میرے دلنشین ہے۔ فرہنگ نویسوں کا قیاس معنی لغات فارسی میں نہ سراسر غلط ہے۔ البتہ کمتر صحیح اور بیشتر غلط ہے۔

جامع برہان قاطع کی نسبت رائے | خصوصاً دکنی تو عجیب جانا نہ ہے۔ لغو ہے لوچ سہنے پاگل ہے دیوانہ ہے۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ یائے اصلی کیا ہے اور

یا ے زائدہ کیا ہے۔ حیران ہوں کہ اسکی جانب داری میں فائدہ کیا ہے
خدا جانتا ہے کہ میں یک رنگ ہوں۔ مگر دکنی کے جانب داروں کا
چورنگ ہوں۔ مجھے جو چاہو سو کہو اوروں سے تم کیوں لڑتے ہو۔ کہیں جامع
"لطائف غیبی" کو برا کہتے ہو کہیں نگارندۂ "دافع ہذیان" سے جھگڑتے
ہو۔ جانتا ہوں کہ دکنی کی عبارت کی خامی، اس کی رائے کی کجی، اسکے
قیاس کی غلطی، اگر نہ سب جگہ بلکہ بعض جگہ سچ جانتے ہو۔ مگر یہ میں نہیں
جانتا کہ اتنی محبت کرنی اور اسکے رفع تخلیہ کے واسطے توجیہات بارد
ڈھونڈھنی کس واسطے ایسا اسکو کیا مانتے ہو۔ مجھ پر جدا منہ آتے ہو۔
مولوی نجف علی اور میاں داد خاں سے جدا بگڑتے ہو۔ بھائی صاحب
مغل بچہ پن پر آگئے گو مار لڑتے ہو۔ سچ ہے غالب آگندہ گوش ہے کیسی
نہیں سنتا۔ اسی سے آپ کے مقرر کئے ہوئے قاعدے کے موافق بکلف
کہتا ہوں کہ قاطع برہان و دافع ہذیان و لطائف غیبی کو ہرگز نہیں دیکھا۔

آویزہ و افسوس "آویزہ" و "افسوس" کے بیاں میں مجھسے دہ سہو ہوا
ہے کہ مجھے اسکا اقرار اور میرا دوست میاں داد خاں شرمسار ہے۔ جو
کچھ اس مصنف نے اس باب میں لکھا وہ قول فضیل اور کافی ہے۔ مانیں
یا نہ مانیں ناظرین کو اختیار ہے۔

گلہری بکاف فارسی مکسور بوزن اکہری لغت ہندی الاصل۔ اسکی
شرح میں جداگانہ ایک فصل۔ کاف فارسی مکسور کی جگہ کاف عربی
مفتوح اعراب کا بوزن تشتری موضوع۔ مجھے اور میرے دوست سیف الحق

کو ددسہو طبعی پر استعذار۔ ہواخواہان بوہرہ دکنی کو اغلاط متواتر کے جواز پر اصرار۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ خُربے واو بمعنی نور اور خورہ مع الواو بمعنے جزام۔ ایک دیزہ بمعنی پاک اور آویزہ بمعنی ناپاک ایک یہ دو ہزار ایسے اغلاط سند اور مقبول اور منظور۔ گویا یہ مصرع جو حمد مین ہے ع کنہ ہرچہ خواہد بروحکم نیست" اسکی شان مین صادق سمجھ لیا ہے چشم بد دور۔ اب چاہیے کہ اُس کے پوجنے والے اُس کے نام کے بعد "جل جلالہٗ" لکھیں۔ اور اگر اتنی جرأت نہ کریں تو نظر بافادہ واستفادہ "عم نوالہ" لکھیں ستر برس کی عمر کانون سے بہرا جمعیت کم تفرقہ زیادہ اور پھر خودداری اور کسر نفس اور استغنا خداداد۔ بیہودہ بکنے میں اوقات کیوں صرف کروں۔ پاسخ نگاری کیوں لفظ بلفظ وحرف بحرف کروں۔ آپ کو اپنی نمود اور شہرت منظور ہے خردہ گیری وعیب جوئی سے مجھکو نفرت ہے اور حیا آتی ہے یاوہ گوئی سے۔ آپ کے حسن کلمات طیبات سے قطع نظر کرکے ناظرین منصف کے وجدان پر چھوڑ دیتا ہون اور شکایت موعودہ سے پہلے تین امر ضروری لکھ لیتا ہوں۔

("صیحہ" بمعنے آواز اسپ زنہار نیست) اسکے ہیچ ہونے میں کیا کلام ہے

"صیحہ" جو "صیحہ" سے آواز اسپ مراد لکھے وہ ناقص ہے اور خام ہے۔ کیا عرفی کا شعر عرفی کے خط سے لکھا ہوا کسی کو نظر پڑا کہ ناظر سے سنکر تمہارا ذہن وقاد نقاد وہاں جا لڑا۔ لغت کسی باطن کے اندھے کے ہاتھ سے لکھا جائے اور پھر عرفی جیسا شاعر دیدہ ور بارہ برس میں پکڑا جائے۔ تمہارا محبوب بوہرہ دکنی شین منقوطہ مع التحتانی کے بیان میں "شیہہ" کو گھوڑے کے ہنہنانے کی

"صہیل" فارسی بتاتا ہے۔ عربی میں گھوڑے کے ہنہنانے کو "صہیل" بوزن دلیل کہتے ہیں "صہیحہ" بوزن بیضہ عموماً بمعنے ہر صدائے ہولناک مہیب آتا ہے میں کیونکر فرہنگ نگاروں کے اور اُن کے مددگاروں کے قیاس کو وحی سمجھوں۔ اور کیونکر کاتبوں کے املا کو مصحف مجید کی طرح سر پر دھروں۔ یہ تو عجیب ہو سکتا ہے کہ میں اپنے کو جماد اور نبات فرض کر لوں۔ جرم و خطائے بلیغ برگردن بندہ گان جناب است" میں آپ کو مخاطب بالفتح ٹھہرا کر یہی فقرہ پڑھ کر چپ ہو رہتا ہوں بعد اسکے تبدل جیم بہ یائے تحتانی کو نامسموع کہتا ہوں۔ یعقوب کو بتغیر لہجہ انگریزی زبان میں جاکوب کہتے ہیں۔ کہاں مبدل منہ کہاں تغیر لہجہ، حضرت آپ جو کہتے ہیں خوب کہتے ہیں۔ کودک کو ترجمہ طفل نہیں مانتے اور پھر خاتمہ میں بندگان بصیغۂ جمع لکھواتے ہو۔ واقعی یوں ہے کہ جو کچھ لکھواتے ہو بہ نیروئے بصر نہیں بلکہ از روئے سمع لکھواتے ہو۔

خط تمام ہوا اب مستفیث کی عرضی کی سماعت ہو۔ لیکن سماعت از روئے انصاف بالائے طاعت ہو۔ عرضی گذراننے سے پہلے مستفیث پوچھتا ہے کہ آپ کے محکمۂ عالیہ کا سررشتہ دار دیانت دار ہے یا نہیں؟ سخن فہم و ہوشیار ہے یا نہیں؟ میں تو گمان کرتا ہوں کہ امین نہ ہو۔ دلیل سن لیجئے اگر یقین نہ ہو۔ (صہیحہ بمعنی آواز اسپ زنہار نیست) اسکے ماقبل اور بھی عبارت ہے سنانے والے نے نہ پڑھی ہو کتنا بعید ہے۔ کس واسطے کہ اس عبارت کے مفہوم کو ملحوظ نہ رکھنا اور محمد اکرم پنجابی کا شعر تو قابل التفات نہیں مگر ملا جلال الدین عرفی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر بہ تتبع کاتب غلط لکھوا دینا تم سے ایسا بعید ہے)

انشاء میں ناسخوں کی تحریف کو مانتے ہو۔ املا میں کاتبوں کی غلطی کے کیوں نہ
قائل ہو۔ انشاء و املا و لفظ و معنی میں تقلید چھوڑ کر تحقیق کے کیوں نہ مائل ہو۔
تقصیر معاف یہ نہ استناد بکلام عرفی عالی مراتب ہے بلکہ پیروی خامۂ کج رفتار
کاتب ہے۔ کہہ چکا ہوں کہ نہ مجھکو مناظرہ کا دماغ۔ نہ ہجوم امراض جسمانی و آلام
روحانی سے فراغ۔ آگے جو ہمت نہیں ہاری تھی اور غیب سے توقع مددگاری
تھی۔ تو یہ اپنا شعر اردو ورد زبان اس ہنجار سے میں زمزمہ سنج فغاں
رہتا تھا۔ ع

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں ہو رہیگا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

اب جو صلاح حال و حصول مطالب سے دل مایوس ہے۔ تو طبیعت اسی غزل
کی اس بیت کے ترنم سے مانوس ہے ع

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ مرگئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

کوئی یہ نہ سمجھے کہ بڑا رونا رزق کا ہے جب معاش مقرر ہو تو پھر غم کیا ہے۔ نا
صاحب یہ باتیں جانوروں کی ہیں کہ کچھ کھا لیا پانی پی لیا اور چین سے سو رہے
آدمی عموماً اور صاحبان ننگ و ناموس خصوصاً باوجود فراغ معاش ایسی
جانگداز بلاؤں میں مبتلا ہیں کہ کوئی کیا کہے۔ یہ حال تو یا صاحب واقعہ جانے
یا خدا جانے۔ دوسرے سے یہ کار افتادہ کیوں کہے اور بغیر کہے دوسرا کیا
جانے۔ مناظرہ کا تو ہرگز ارادہ نہیں۔ اگر مردہ دل نہوتا تو باتیں کتنا زیادہ
نہیں وہ بھی از روئے بحث و تکرار نہ بانداز استفسار۔ اظہار سے مقصود
نفس اظہار۔ یہ جو آپ نے مولوی امام بخش کو امام المحققین خطاب دیا ہے کتنے

محققین نے آپکو اپنا امام مان لیا ہے؟ جب تک نہ اجماع محققین کا ہوگا یہ خطاب باجماع اہل عقل ناجائز و ناروا ہوگا۔ وہ فرماں روائے عہد شاہنشاہ کہلائے گا کسی بادشاہ جسکے فرماں پذیر ہو جائینگے۔ ایک سید نے اپنے لڑکے کا نام شہنشاہ رکھ لیا یہ میر شہنشاہ صاحب کیونکر شاہجہاں، جہانگیر ہو جائینگے۔ اگر حضرت بفتحہ قاف ثانی بصیغۂ تثنیہ امام المحققین کہتے تو ایک ماموم آپ ہوتے اور نرائن داس تنبولی دوسرا ہوتا۔

ساطع برہان کے تیرھویں صفحہ کی نویں سطر میں آپ لکھتے ہیں (و ہمچنیں برافراط و تفریط تو فضیع را کار بند نشدہ اند کہ بداں حرف گیری تو اند کرد)" تو اند" توانستن کے مضارع کی بحث میں سے صیغۂ واحد غائب ہے فاعل چاہتا ہے خواہی معرفہ جیسے احمد محمود خواہی نکرہ جیسے بہماں کسے یا شخصے مردے یا زنے۔ اور اگر فاعل مذکور نہ ہو تو اُس صورت میں " تواں کرد" چاہیے کہ تواں مالم یسم فاعلہ ہے۔ کرامت تو مجھے حاصل نہیں ہاں از روئے حسن عقیدت کہتا ہوں کہ یا آپ نے یوں لکھا ہے کہ (کسے بداں حرف گیری تواند کرد) یا "تواند" کی جگہ "تواں" رقم فرمایا ہے۔ دیکھیے آپ نے بیل کے جوئے کا بوجھ میری گردن پر رکھ دیا۔ اور میں نے ایک بیل کا بوجھ پشت مبارک سے اوٹھا لیا۔ او۔ اسد اللہ داد خواہ جلد آ اور اپنی عرضی لا۔ حضرت آیا اور عرضی لایا۔ پہلے پانچ کاغذوں کی نقلیں علی الترتیب پڑھی جاویں پھر سررشتہ دار صاحب بکمال امانت و دیانت عرضی سنادیں۔

نقل عبارت برہان قاطع "آب وہ دست" بکسر دال ابجد و ہائے ہوز اشارہ

بحضرت رسول صلوات اللہ علیہ است خصوصاً و شخصے را نیز گویند کہ بزرگ مجلس بود و آرایش صدر و زینت از و باشد عموماً۔

نقل عبارت قاطع برہان | از خامی عبارت چشم می پوشم و می خروشم کہ "آب دہ دست" مرکب از آب و دہ کہ صیغہ امر ست از دادن و دست کہ با وجود معانی دیگر مسند را نیز گویند۔ معنی ترکیبی رونق دہندۂ مسند۔ ہر آئینہ تا مسند را بطرف نبوت یا رسالت یا ہدایت مضاف نگردانند بمقام نعت فرد نیارند بلکہ در مداح اکابر و صدور نیز بے اضافہ لفظ امارت و شوکت و امثال اینہا ننگارند۔ کہ تنہا "آب دہ دست" افادہ معنی شوبانندۂ دست میکند و آں خود اہانتے ست قبیح۔ بیچارہ در نظم و نثر نعت "آب دہ دست رسالت" دیدہ است و نیمۂ مضمون را لغت اندیشیدہ۔

نقل عبارت ساطع برہان | "آب دہ دست" خدا نکند کہ ایں اعتراض از جانب مرزا ے من باشد۔ کور سوادے ہمچو من گفتہ باشد۔ بخاطر داشت آں درج کتاب کرد ورنہ ایں کنایہ قابل اعتراض نیست۔ چہ "آب دہ دست" جملہ ترکیبی ست دست کہ در عربی و فارسی بمعنی مسند است مضاف و مضاف الیہ معنی محذوف باید دانست بلکہ کلامیست مستقل بترادف بالا دست۔ مضاف و مضاف الیہ کہ معنی صدر و مسند و بزرگ قوم باشد۔ صاحب مؤید الفضلا در لغت فارسی ایں لغت را بند وکتاب کہ آداب و قنیہ باشد بہمیں صورت و صحت بہمیں معنی نگاشت۔ و در مدار نیز و صاحب رشیدی آوردہ کہ آب دہ دستہ بمعنی بزرگ مجلس و معنی ترکیبی آں رونق دہ صدر و مسند قولہ بیچارہ در نظم و نثر

نعت آب دہ دست رسالت دیدہ ضمیمۂ مضمون رالغت اندیشیدہ انتہی اقول
جامع این کنایہ را در نظم و نثر بے اضافۂ رسالت دیدہ است و ہمچناں در رشتۂ تحریر
کشیدہ است خاقانی گوید ؎

دست آب دہ مجاور انش　　　　ارزن دہ برج کوترانش

تبصرہ پس گردان جناب اگر فراموش نہ کنند در شرح "ماہی چشمۂ خضر" در باب
الیم جو بیند کہ چی گویند کہ "آب دہ دست" استعارہ برائے آنحضرت ائے خاقانی
خالی از رکاکت نیست۔ وائے بریں عقیدت کہ او را بہ پیمبری بر داشتند و بانہ
در نشیب رکاکت سرنگوں انداختند۔

نقل عبارت برہان قاطع　"ماہو چی شمہ" خضر "کنایہ از زبان و دہان معشوق ست۔

قاطع برہان　یارب "ماہو چی شمہ خضر" کدام لغت ست من در کتاب منطبعہ بدیں
صورت دیدہ ام ع قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔ در ضمیرمی گذرد کہ "ماہی چشمۂ خضر"
ماہی چشمۂ خضر　خواہد بود و آن خود مضمونیست بطریق استعارہ بالکنایہ کہ سخنور
بسا خون جگر خوردہ باشد تا در نظم و نثر خویش آوردہ باشد پس ہر کہ ایں را در گفتار
خویش آرد سرقہ خواہد بود۔ از لغات مستقلہ و کنایہائے مشہورہ نیست کہ بکار
دبیران روزگار آید۔

شیر شرزہ غاب　شیر خدا کہ ترجمۂ اسد اللہ ست گوئی یکے از نامہائے جناب
ولایت پناہ است۔ صد ہزار کس در کلام خویش آوردہ باشد و سرقہ نیست۔
و کشی در بحث شین مع الیا "شیر شرزہ غاب" اسم حضرت امیر علیہ السلام نوشتہ
آن مضمونیست کہ خاقانی در قصیدۂ تتیمہ بہم ساندہ "شیر شرزہ" خود صفتیست

عام کہ بر ہر مرد شجاع و سرہنگ جنگجو اطلاق تواں کرد "غالب" بمعنی بیشہ نیستاں است۔ ہر آئینہ ایں صفت نہ سزاوار شان اسد اللّٰہی باشد۔ خاقانی خود بطریق تنزل گفتہ است۔ ایں چنیں صفت اسم کسے کہ بعد از خدا و رسول اولیٰ بہ بزرگی تواں ستود ہرگز نہ روا تواند بود۔ ہمچنیں "آب دہ دست" در باب الف ممدودہ اسم حضرت ختم المرسلین صلوات اللّٰہ علیہ قرار دادہ است۔ و ایں لفظیست در غایت رکاکت بصفت لفظ۔ (پس غالب منع کرتا ہے برہان دکنی کو کہ لفظ رکیک آنحضرت کے حق میں صرف نہ کر)[1] چنانکہ ہمدرآں فصل مفصل نوشتہ ایم مقصود ما انیست کہ ایں چنیں مضامین لغت مستقل وکنایہ مقبول چرا قرار یابد و جز در شرح اشعارے کہ حاوی ایں کلمات باشد چرا نگارش پذیرد۔ اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم۔

اب ترجمہ مار کا ہندی جسکی پانی اور بمعنی رونق ولطف بھی آتا ہے اور اسلحہ کی تیزی اور جواہر کی صفائی کو بھی کہتے ہیں۔ دست ترجمہ یہ ہے جس کی ہندی ہاتھ اور بمعنی قسم ونوع اور بمعنی مسند بھی مستعمل ہے۔ ہم کو اس مقام میں "آب" بمعنے "پانی" اور "دست" بمعنی "ہاتھ" اور اس کی ترکیب یعنی "آب دست" اور اسکی مقلوب یعنی "دست آب" کے باب میں کلام ہے "آب دست" بحرکت و سکون موحدہ عموماً ترجمہ "غسالہ" یہ ہے اور خصوصاً وضو کو کہتے ہیں۔ تعمیم کی سند اُستاد کا شعر ؎

بے تکلف وبیاقی کن اگر دل خستہ ... کابدستا وشفا بخش ہمہ بیماریہاست

---

[1] یہ سطر اردو کی دو فارسی عبارتوں کے درمیان کتاب مطبوعہ میں اسیطرح ہے اسکا ربط سمجھ میں نہیں آتا ۱۲

تخصیص کی سند نام حق کی بیت سے۔

آب دست و نماز باید کرد　　دل مقام گداز باید کرد

عرف میں آب دست کس عضو کے غسل کو کہتے ہیں ہم تو اتنا پوچھ کر چپ ہو رہتے ہیں "پس آب دہ دست" اور دست آب دہ" کے معنے وضو کروانے والا اور ہاتھ دھلوانے والا۔ "آب" بمعنی رونق اور "دست" بمعنی "مسند" کا یہاں ادخال محض جہل اور صرف اہمال۔ یہ تو میرا قول ہے کہ "آب دہ دست رسالت" رسول کو کہہ سکتے ہیں۔ ایک بے ادب فقط "آب دہ دست" کہتا ہے اور ہم منہ تکتے ہیں۔ منشی سعادت علی کو نہ علم نہ فہم اس نے اس قباحت کو نہ جانا۔ مرزا رحیم بیگ صاحب افسوس کی بات ہے تم نے اس بیان خاص میں برہان قاطع والے کے قول کو کیوں مانا ہے۔ سراسر بے پردہ اشرف الانبیا علیہ و آلہ السلام کی تذلیل اور توہین ہے اور جو پیمبر کو ایسا کہے وہ مجموع اہل اسلام کے نزدیک مرتد مردود بے دین ہے۔ بلکہ مخالفین بھی جو مسلمان اپنے پیمبر کو برا کہے اسکو برا جانیں گے یقین ہے۔ پس پیمبر کا "آب دہ دست" نام رکھنے والا مورد لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین ہے۔

خاقانی کے شعر کے لکھنے سے آپکی کیا مراد ہے یہ شعر قطعہ بند اور اسکا پہلا شعر مجھکو یاد ہے پہلے پوچھتا ہوں کہ "دست آبدہ" کا فاعل اور شین کا مرجع تم نے کسکو ٹھہرایا! ور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان اسمیں بطریق مذکور یا مقدر کہاں پایا جب اس مصرع کی روسے ع دست آبدہ مجاورنش " دست آبدہ " پیمبر کا نام قرار پایا تو دوسرے مصرع کے مطابق ع ازرن دہ برج کو ترنش "ازن دہ" کا خطاب بھی حضرت کیصادق آیا سبحان اللہ یہاں مصطفے و

مجتبیٰ و رحمۃ للعالمین و خاتم المرسلین آپ کے القاب ہیں وہاں "آب دہ دست" بھی آپکا لقب ٹھہرا۔ مرزا جی میں ترک جاہل ہوں بجا ہے اگر مجھکو گالیاں از روئے عتاب دو گے۔ خدا کیواسطے پیمبر کو کیا جواب دو گے۔ بندہ پرور خاقانی کا شعر قطعہ بند ہے اور "اس شعر کا پہلا شعر یہ ہے۔

روح از پے آبروے خود را خلد از پے رنگ و بوے خود را
دست آب دہ مجاورانش ارزن دہ برج کوترانش[۱]

اوپر کے دونوں مصرعوں میں "را" کا لفظ زائد پہلا مصرع تیسرے مصرع سے اور دوسرا مصرع چوتھے مصرع سے متعلق۔ نثر اس کی فارسی میں یوں ہوتی ہے "روح از پے آبروے خود دست آب دہ مجاوران اوست و خلد از پے رنگ و بوے خود ارزن دہ کبوتران اوست" یہ دونوں شعر کعبہ معظمہ کی تعریف میں اور دونوں شینوں کی ضمیر بطرف کعبہ راجع۔ اس اظہار کی تصدیق تحفۃ العراقین سے کیجئے اور ہندی کی چندی غالب سے سُن لیجئے۔ روح اپنی افزایش آبرو کے واسطے وضو کا پانی دیتی ہے کعبہ کے مجاوروں کو اور خلد اخذ رنگ و بو کیواسطے

---

[۱] یہ قطعہ لف و نشر مرتب ہے۔ اگر چہ بظاہر خاقانی کے یہ اشعار کعبہ معظمہ کی تعریف میں ہیں اور دونوں شینوں کی ضمیر اوسی کعبہ کی طرف راجع ہے۔ مگر یہ دونوں شعر تحفۃ العراقین میں کعبہ دل کی تعریف میں بطریق استعارہ لکھے گئے ہیں جسکا عنوان بیان یہ ہے "در صفت عالم گل یعنی کعبۂ دل" اور ابتدائی شعر یہ ہیں۔ ؎ آن کعبہ کہ از سکون معاف است ٭ و آنرا ہمہ گرد خود طواف است۔ آن کعبہ کہ خانہ قدم بود ٭ آن وقت کہ وقت در عدم بود ٭ نے بر سر راہش اُم غیلاں ٭ نے گرد درش سپاہ غیلاں۔ وادیش ہزار سالہ راہست ٭ لیک از رہ عشق نیم گاہ است۔

دانہ کھلاتا ہے کعبہ کے کبوتروں کو۔ وضو کا پانی دینا اور کبوتروں کو دانہ کھلانا ادنی خدمت ہے۔ خدا کیواسطے مخدوم کو خادم کہنا مدح ہے یا مذمت ہے۔ معہذا خاقانی کے اس مصرع سے "دست آبدہ" پیمبر کو سمجھنا بے اعتنائی اور غفلت ہے خاقانی نے روح کو "دست آبدہ" کا فاعل مانا۔ تم نے پیمبر کو معاً اس فعل کا فاعل اور ایک فعل کا دو فاعل سے متعلق ہونا کیونکر جائز جانا۔

"قافلہ شد" یعنی قافلہ رفت یعنی قافلہ سالار رفت یعنی رسول مقبول رحلت کرد۔ یہ قافیہ مع الالف میں کلام اسی ستھن رسول کا ہے۔ "دست آب دہ" کی شرح میں تحقیر اور "قافلہ شد" میں استہزا ہے۔ برہان قاطع والا اگر یہ قباحتیں نہیں سمجھتا تو احمق ہے اور اگر سمجھ کر لکھتا ہے تو کافر مطلق ہے۔ اب میرے خونابہ زخم دل کی روانی اور قلم کی خونابہ فشانی دیکھئے۔

تبصرہ مندرجہ حاشیہ ساطع برہان کے حق میں کیا فرماتے ہو اور اس فقرۂ اخیر کو "باز در نشیب کاکت سرنگوں انداختند" کس کا لکھا بتاتے ہو۔ سنو فخر الفضلاء و ختم العلما امیر الدولہ مولوی محمد فضل حق رحمۃ اللہ علیہ نے رد عقائد وہابیہ میں بزبان فارسی ایک رسالہ لکھا ہے اور اس عہد کے علمائی اس پر دستخط ہیں۔ اُس رسالہ میں جناب مولوی صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت کو قوت مجامعت بہت تھی، حالانکہ یہ امر واقعی ہے یا یہ کہے کہ آپکی ردا میلی تھی اگرچہ اُسوقت میں ہو لیکن چونکہ ایک گونہ سوء ادب اور اہانت ہے حاکم اہل اسلام کو چاہیے کہ اس قول کے قائل کو سزا دے اور اگر حاکم سزا نہ دے تو اہل شہر پر عزل حاکم واجب ہے! ور اگر اہل شہر ایسا نہ کریں تو وہ شہر

دار الحرب ہے۔ پس بموجب فتواے علماے اسلام فقرۂ مذکور کا لکھنے والا کفر میں شداد سے اشد اور کذب میں مسیلمۂ کذاب سے سوا ہے۔ خیر عقبیٰ میں وہ خالق کا مقہور اور دنیا میں اہل خلق کا مطعون ہوگا مجھکو کیا۔ مجھے تمپر ہنسی آتی ہے بعض بات سمجھی نہیں جاتی ہے خاقانی روح کو "آبدست دہ مجاوران حرم" کہتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ خاقانی "دست آب دہ" اسم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہے۔ مولوی امام بخش نے تم کو بہت کچھ پڑھایا مگر طریقۂ استنباط معنی نہ بتایا میرے حق میں جو کہتے ہو خود بھی نہیں سمجھتے کہ کیا کہتے ہو۔ میں نے اسکے سوا "کہ خاقانی بطریق تنزل گفتہ است اور کیا کہا ہے جو تم مجھے برا کہتے ہو۔ وہ بھی ذکر "شیر شرزہ غاب" میں نہ "دست آب دہ" کے باب میں۔ اس نے جناب امیر المومنین کے واسطے ایک لفظ سہل سرسری لکھا میں نے قبول نہ کیا اور اسکے قول کا تنزل ظاہر کر دیا۔ آنحضرت کو اسنے "آب دہ دست" یا "دست آب دہ" کہاں لکھا اور کیوں لکھتا نہ احمق تھا نہ بے ادب۔ جب اسنے نہیں لکھا تو میں اس سے کیوں الجھوں اور کب الجھا نہ کج فہم ہوں نہ مغلوب الغضب۔

"آب دہ دست" کے پردے کھل گئے بے اضافہ لفظ آخر "دست" بمعنی "مسند" نہ آئیگا "آب دہ دست" ہاتھ دھلانے والا کہلائیگا۔ ہاں ایک طور ہے تم نے اسکو اور طور سے لکھا ہے میں بطریق ایلغ چین لکھتا ہوں یعنی تخت اور اورنگ سلاطین کے جلوس کے واسطے اور وسادہ مسند امرا کے جلوس کے واسطے موضوع ہے۔ نظر اس اصل پر سلطان کو زیبا فرمانے اورنگ بے اضافہ لفظ سلطنت اور امیر کو زینت بخش مسند

بے افزائش لفظ امارت لکھو۔ انبیا خصوصاً سید المرسلین مسند پر کب بیٹھے تھے
اُن کے غلاموں کو امارت ننگ ہے اور زمزمہ "الفقر فخری" بلند آہنگ ہے
میت کے خداوند کا فرش حصیر نہ گلیم ردلے صحابہ سطح خاک۔ میں مومن مجرم
اپنے اُس خداوند کو جس کی شان میں یہ مصرع اگرچہ مدح مجمل ہے ع "بعد از خدا
بزرگ توئی قصہ مختصر" لیکن قول فیصل ہے آبروے دست وزینت بخش مسند
کیونکر سمجھوں۔ بلکہ مجموع اہل اسلام بشرط فہم صحیح وطبع سلیم گوارا نہ کرینگے کہ وہ
صفت عام جو دنیا داروں کے واسطے ہے قبلہ دین ودنیا پر صادق آئے۔
وکنی اور اُسکے فضلہ خوار قابل خطاب نہین۔ ایہا الاخ المکرم "فضلہ خوار"
جواب ہے "پس گردان" جناب کا یہ کلمہ مستوجب عتاب نہیں یقین کہ آپنے
اب تو از روے دلالت لفظ ومعنی جان لیا ہوگا اور اس فقیر حقیر کو نظر بہ قومیت
ترک وپیشہ آبائی سپاہ گری "عس المحققین" خطاب دیا ہوگا۔ جاننا اس
امر کا کہ "آبروے دست" میں اگر آب سے پانی اور دست سے ہاتھ مراد لیں
تو اسکو اسم پیمبر سمجھنا کتنی بے ادبی ہے۔ اور اگر "آب" کو معنی رونق اور "دست"
کو معنی مسند مانیں تو بے الحاق لفظ نبوت وہدایت حضرت کو اس ترکیب کا
مشار الیہ سمجھنا کیسی بوالعجبی ہے۔ "آبروے دست" رونق بخش مسند صفت ہے
عموماً منعمان مالدار کی۔ یہاں تک کہ اصطلاح سے تعریف کرسکتے ہیں صرافان
وساہو کاران بلاد وامصار کی۔
میں اب قطع کلام کرتا ہوں اور آپ کو بکمال تعظیم سلام کرتا ہوں پیمبر کی
تحقیر کو مسلم لکھتے ہو تم جانو اور سید ابرار۔ خاقانی پر بہتان کرتے ہو۔ تم جانو

اور وہ میدان معانی کا شہسوار۔ مجھکو تم نے جسقدر لکھا ہے یا کوئی اور لکھ رہا ہے اگرچہ وہ سب لغو اور جھوٹ ہے معقول اور راست نہیں۔ لیکن واللہ مجھکو عرصۂ محشر میں اُسکی باز خواست نہیں ؎

زمین عشق بکونین صلح کل کردیم — تو خصم باش و زما دوستی تماشا کن

(بنام مرزا رحیم بیگ مصنف ساطع برہان)

نمبر ۲۹

اصلاح کا طریقہ۔ سرشار "المعنی لبریز" "رندِ عالم سوز" المعنی رند بے نام و ننگ

مخدوم مکرم مظہر لطف و کرم جناب مولوی صاحب اشرف الوکلا[1]۔ درویش گوشہ نشین غالب حزیں کا سلام۔ آپکے عنایت نامے کے ورود سے میں آپکا احسان مند ہوا اور دل سے آپ کو دعائیں دیں۔ کیوں حضرت آپ حیران ہوئے ہونگے کہ یہ شخص اتنا فضول اور لغو کیوں ہے۔ خط کے پہونچنے سے اظہار منت پذیری اگر گزاف نہیں تو کیا ہے۔ اب اس خوشی اور دعائیں دینے کی وجہ سنیئے۔ یعنے آپکے سبب سے میں نے اپنے والا برادر از جان عزیز تر۔ بدل نزدیک و از دیدہ دور۔ نا مہرباں بخود مغرور۔ میر قاسم علیخاں کا رقعہ اپنے نام کا پایا۔ اللہ اللہ اگر آپ باعث نہوتے تو بھائی صاحب کا

[1] "اشرف الوکلا" اسوجہ سے لکھا کہ اون کی وکالت یعنی کوشش سے میر قاسم علیخان نے جنھوں نے مرزا سے خط و کتابت چھوڑ دی تھی مرزا کو خط لکھا۔

کاہے کو مجھکو خط لکھتے۔ انھیں سے پوچھئے کہ کبھی تم نے اسد کو خط لکھا ہے۔ پس بعد اس توضیح کے آپ کی تحریر کا جواب لکھتا ہوں۔

اصلاح کا طریقہ آپ کا واسطے اصلاح کلام کے رجوع کرنا میری طرف موجب نازش کا ہے۔ میرا طریق اس فن خاص میں یہ ہے کہ جو شعر بے عیب ہوتا ہے اُسکو بدستور رہنے دیتا ہوں اور جہاں لفظ کے بدلے لفظ لکھتا ہوں اس کی وجہ خاطر نشان کر دیتا ہوں تاکہ آئندہ صاحب کلام اُس قسم کے کلام میں خود اپنے کلام کا مصلح رہے۔

اصلاح مطلع کا یہ مصرع "سرخوش و سرشار ستم پیلے"۔ لسان فارسی میں "سرشار" صفت ہے "پیالے" کی معنی لفظی اسکے لبریز۔ پس شارب کو لبریز

"سرشار" بمعنے لبریز کیونکر کہینگے۔ اور یہ جو اردو مست و سرشار مترادف المعنی استعمال میں آتے ہیں ا ز جدا گانہ ہے۔ فارسی میں تتبع اردو کا نا جائز

رند عالم سوز بمعنے رند بے نام و ننگ "رند عالم سوز" شعرائے عجم میں بمعنی "رند بے نام و ننگ" آیا ہے جیسا کہ اُستاد کہتا ہے ع رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار۔ حُسن مطلع سُست تھا "میرے بربان الخ" برشیشہ یہاں انسب ہے۔ "از لحد چوں خاک جستم" خاک کو جستن سے کیا علاقہ، ع[1] نقد جاں را تہہ ستم پیلے"۔ تعقید معنوی ہے "طالب عہد الستم" یعنے "عہد الست" کس سے مانگتا ہے؟ ہاں "سرخوش عہد الست" بمحل و بموقع۔"

(بنام مولوی عبد الرزاق شاکر)

---

[1] از گدازیک جہاں ستی صبوحی کردہ ایم   آفتاب صبح محشر ساغر ستسرشار ما۔ (غالب)

نمبر ۳۱

آخر عمر میں فارسی میں خط لکھنا موقوف کر دیا تھا۔ بقائے کلام کی دعا و امید

جناب مولوی صاحب مخدوم مولوی محمد عبد الرزاق صاحب شاکر کی خدمت میں بعد سلام یہ التماس ہے کہ مولوی صاحب عالیشان مولوی مفتی اسد اللہ خاں بہادر کی خدمت میں فقیر کا سلام پہونچائیے۔ میں تو آپ سے عرض کرتا ہوں مگر آپ مفتی صاحب سے کہیئے کہ مجھکو باوجود شدّت نسیان آپ کا تشریف لانا یاد ہے چھاپے کے اجزا اُٹھا کر میں نے آپ کے سامنے ایک غزل اپنی پڑھی تھی جس کے دو شعر قطعہ بند یہ ہیں قطعہ ؎

ارزندہ گوہرے چو من اندر زمانہ نیست خود را بخاک رہگذر حیدر افگنم
منصور فرقۂ علی اللّٰہیاں منم آوازۂ انا اسد اللہ در افگنم

خدا کرے حضرت کو بھی یہ واقعہ یاد ہو اتحاد اسمی دلیل مودت روحانی ہے[1]......

آخر عمر میں فارسی میں خط لکھنا موقوف کر دیا تھا

پھر حضرت مکتوب الیہ سے کلام ہے۔ اشعار بعد حک و اصلاح کے پہونچتے ہیں یہ رتبہ میری ارزش کے فوق ہے کہ میں آپ کے کلام میں دخل و تصرف کروں۔ بندہ نواز زبان فارسی میں خطوط کا لکھنا پہلے سے متروک ہے۔ پیرانہ سری و ضعف کے صدقوں سے محنت پژوہی و جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی۔ حرارت عزیزی کو زوال ہے اور یہ حال ہے

[1] ممکن ہے اسی اتحاد اسمی کی وجہ سے یہ شعر یاد آگئے ہوں کہ انکا نام بھی اسد اللہ تھا ۱۲

؎ مضمحل ہو گئے قویٰ غالب — وہ عناصر میں اعتدال کہاں۔

کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں سب دوستوں کو جن سے کتابت رہتی ہے اردو ہی میں نیاز نامہ لکھا کرتا ہوں۔ جن جن صاحبوں کی خدمت میں آگے میں نے فارسی زبان میں خطوط و مکاتیب لکھے اور بھیجے تھے اُن میں جو صاحب الی الآن فی بحیات موجود ہیں ان سے بھی عند الضرورت اسی زبان مروج میں مکاتبت و مراسلت کا اتفاق ہوا کرتا ہے۔ پارسی مکتوبوں اور رسالوں و نسخوں و کتابوں کے مجموع شیرازہ بستہ چھاپا ہو کر اطراف و اقصائے عجم میں پھیل گئے۔ حال کی نثروں کو کون فراہم کرنے جائے جاں کنی کے خیالات نے مجھکو اُن کی تحریر و تعلق دبار سے دست بردار و آزاد و سبکدوش کر دیا:

بقائے کلام کی دعا و اُمید — جو نثریں کہ مجموع و یکجا ہو کر جہاں جہان منتشر ہو گئی ہیں اور رسیدہ ہوں اونھیں کو جناب احدیت جلت عظمتہ مقبول قلوب اہل سخن و مطبوع طبایع ارباب فن فرمائے۔ اور میں اب انتہائے عمر ناپائدار کو پہونچکر آفتاب لب بام اور ہجوم امراض جسمانی و آلام روحانی سے زندہ درگور ہوں۔ پھر یا د خدا بھی چاہیے۔ نظم و نثر کی قلمرو کا انتظام ایزد دانا و توانا کی عنایت و اعانت سے خوب ہو چکا۔ اگر اُسنے چاہا تو قیامت تک میرا نام و نشان باقی و قایم رہیگا۔ پس اُمیدوار ہوں کہ آپ انھیں نذر محقرہ یعنی تحریرات روزمرہ اردوے سادہ و سرسری کو تا امکان غنیمت جان کر قبول فرماتے رہیا اور درویش دلریش و فرومانده کشاکش معاصی کے خاتمہ بخیر ہونے کی دعا مانگیں۔ اللہ بس ماسوے ہوس۔

تعقید معنوی کو حضور خود جانتے ہونگے اس کی توضیح و تفصیل میں تحصیل حاصل و تطویل لاطائل کی صورت نظر آتی ہے لہذا خامہ فرسائی بروئے کار نہیں آئی۔

(بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

نمبر ۳۱

حضرت مطالب علمی و شعری کا لکھنا موقوف سوال پر ہے۔ جب حضور کیطرف سے کوئی سوال آئیگا بقدر اپنے معلوم کے جواب لکھا جائیگا

اصلاح ؎ ہیں اپنے گنہ مزیل امید ایمان کہاں ہے ایک ڈر ہے

اس شعر میں قصد اچھا ہے مگر بیان ناقص ہے۔ مطلب تو یہ ہے کہ صرف خوف اصل ایمان نہیں رجا کا بھی شمول چاہیے اور یہ بات اس تقریر میں سے نکلتی نہیں۔

(بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

نمبر ۳۲

ظلمت کدہ میں میرے شب غم کا جوش ہے اک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے[۱]	پہلا مصرع ع اک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے یہ خبر ہو پہلا مصرع ع ظلمت کدہ میں میرے

---

[۱] اس شعر کے متعلق دیکھو خط نمبر ۳۵ مضمون ظلمت اس شعر میں بھی اس قسم کا ہے ؎ بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی شب مہ ہو جو رکھدیں پنبہ دیوار کے روزن میں ۱۲

شب غم کا جوش ہے۔ یہ مبتدا ہے۔ شب غم کا جوش یعنی اندھیرا ہی اندھیرا
ظلمت غلیظ۔ سحر نا پیدا گویا خلق ہی نہیں ہوئی۔ ہاں دلیل صبح کی نور پر ہے۔
بجھی ہوئی شمع اس راہ سے کہ شمع و چراغ صبح کو بجھ جایا کرتے ہیں۔ لطف اس
مضمون کا یہ ہے کہ جس شے کو دلیل صبح ٹھہرایا وہ خود ایک سبب ہے منجملہ
اسباب تاریکی کے۔ پس دیکھا چاہیے کہ جس گھر میں علامت صبح مؤید ظلمت
ہوگی وہ گھر کتنا تاریک ہوگا۔

| متقابل ہے مقابل میرا الخ | ۵ متقابل ہے مقابل میرا، رک گیا دیکھ روانی میری |

تقابل و تضاد کو کون نہ جانے گا۔ نور و ظلمت شادی و غم
راحت و رنج وجود و عدم لفظ "مقابل" اس مصرع میں بمعنی مرجوح[له] ہے جیسے حریف
کہ بمعنی دوست کے بھی مستعمل ہے۔ مفہوم شعر یہ ہے کہ ہم اور دوست از روئے
خوے و عادت ضد ہمدگر ہیں وہ میری طبع کی روانی دیکھ کر رک گیا۔

غزل بعد صلاح کے پہنچتی ہے آپ اپنی طرف سے اس کو استصلاح سمجھتے
ہیں اور میں اس کو اپنی جانب سے استفادہ جانتا ہوں۔ والسلام

(بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

نمبر ۳۳

فقیر اسد اللہ نے اس کاغذ کے لفافہ پر مرسلہ محمد عبدالرزاق جعفری الحیدری
اور ٹکٹ پر "شاکر" دیکھ کر دیر تک غور کی کہ یہ وہ صاحب ہیں بعد تامل یاد آیا

[له] مرجوح بمعنی مغلوب اور نیز ترجیح دیا گیا یعنی غالب لغات اضداد سے ہے ۱۲

کہ مولوی عبدالرزاق صاحب نام شیفتہ اور شاکر تخلص ہے۔ غور کیجئے کہ نسیان
کا کیا عالم ہے۔ واللہ اگر مجھکو یاد ہو کہ سابق میں کوئی غزل آپ کی آئی ہے۔ یہ
لفافہ لکھا ہوا یکم اگست سال حال کا کل میں نے ڈاک سے پایا۔ آج غزل
کو دیکھا۔ کل یہ لفافہ روانہ کرونگا۔

اصلاح ؎ کوئی آتا نہیں آگے ترے ہٹتا ہوکر — آئینہ جب نظر آتا ہے تو اندھا ہوکر

یہ مطلع دل نشین ہے۔ مگر اتنا تامل ہے کہ آئینہ کو اندھا کہنا چاہیے یا نہیں۔

؎ مردم چشم سیہ جب نظر آتا ہے ترا — بیٹھ جاتا ہے مرے دل میں سویدا ہوکر

مردم یعنی آنکھ کی پتلی مذکر نہیں۔ معشوق کی قید کیا ضرور، دعویٰ حسن پرستی ہے
عموماً یہ خوب ہے۔ ؎

نظر آتی ہے جہاں مردمک چشم سیاہ — بیٹھ جاتی ہے مرے دل میں سویدا ہوکر

حرف مطلب پہ بیانکا ہے یہ قلم — ریش قاضی کی رہے شیشۂ مینا ہوکر

یہ شعر بے لطف ہو گیا اسواسطے کہ جب قاضی کی ریش کہی تو وہ ایہام "ریش قاضی"
کہاں رہا۱؎

کارگاہ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے
برق خرمن راحت خون گرم دہقاں ہے

کارگاہ ہستی میں لالہ "داغ ساماں" مثل "انجم انجمن" وہ شخص کہ داغ جس کا سرمایہ و سامان
ہو موجودیت لالہ کی منحصر نمائش داغ پر ہے ورنہ رنگ تو اور پھولوں کا بھی
لال ہوتا ہے۔ بعد اس کے یہ سمجھ لیجئے کہ پھول کے درخت یا غلہ جو کچھ بویا جاتا
ہے دہقان کو بونے جوتنے پانی دینے میں مشقت کرنی پڑتی ہے اور ریاضت

۱؎ "ریش قاضی" اون عبائی کو کہتے ہیں جو شیشہ پر باندھی جائے یعنی روئی کی ڈاٹ جو بوتل میں لگائی جاوے۔

میں لہو گرم ہو جاتا ہے۔ مقصود شاعر کا یہ ہے کہ وجود برق محض رنج و عنا ہے مزارع کا۔ وہ لہو جو کشت و کار میں گرم ہوا ہے وہی لالہ کی راحت کے خرمن کا برق ہے۔ حاصل موجودیت داغ اور داغ مخالف راحت اور صورت رنج۔

غنچہ تا شگفتنہا، برگ عافیت معلوم[۱] باوجود دلجمعی، خواب گل پریشاں ہے	غنچہ الخ کلی جب نئی نکلے بصورت قلب صنوبری نظر آئے اور جب تک پھول بنے برگ عافیت

معلوم۔ یہاں "معلوم" بمعنی معدوم ہے اور "برگ عافیت" بمعنی مایۂ آرام ؎ برگ عیشے بگور خویش فرست[۲] "برگ" اور "سروبرگ" بمعنی ساز و سامان ہے۔ "خواب گل" شخصیت گل، باعتبار خموشی و برجا ماندگی! پریشانی ظاہر ہے یعنی شگفتگی۔ وہی پھول کی پنکھڑیوں کا بکھرا ہوا ہونا۔ غنچہ بصورت دل جمع ہے، باوجود جمعیت دل گل کو خواب پریشاں نصیب ہے۔

ہم سے رنج بیتابی کس طرح اٹھایا جائے داغ پشت دست عجز، شعلہ خس بدنداں ہے	ہم سے رنج الخ، "پشت دست" صورت عجز اور "خس بدنداں و کاہ بدنداں گرفتن" بھی اظہار عجز ہے۔ پس جس عالم میں کہ داغ نے پشت دست زمین پر رکھ دی ہو اور شعلہ نے تنکا دانتوں میں لیا ہو ہم سے رنج و اضطراب کا تحمل کس طرح ہو!

مرزا کا ابتدائی طرز اور اسکی تبدیلی	چنانچہ ابتدائے فکر سخن میں بیدل و اسیر و شوکت

۱؎ تمام دواوین غالب میں بجائے "تا شگفتنہا" کے "تا" نون کیا تھا لکھا گیا ہے حالانکہ مرزا صاحب نے یہاں جو معنی سمجھائے ہیں اس سے "تا" بہ تائے فوقانی صحیح معلوم ہوتا ہے اور دوسری صورت میں معنی ہی مقابلہ کرو ؎ مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی ؛ ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا

۲؎ پورا شعر سعدی کا یہ ہے ؎ برگ عیشے بگور خویش فرست ؛ کس نیارد ز پس تو پیش فرست

کے طرز پر ریختہ لکھتا تھا۔ چنانچہ ایک غزل کا مقطع یہ تھا ؎

طرز بیدل میں ریختہ لکھنا اسداللہ خاں قیامت ہے

پندرہ برس کی عمر سے ۲۵ برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھا کیا۔ دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا۔ آخر جب تمیز آئی تو اس دیوان کو دور کیا۔ اوراق یک قلم چاک کیے دس پندرہ شعر واسطے نمونہ کے دیوان حال میں رہنے دیے

بندہ پرور اصلاح نثر کی ضرورت نہیں آپ کی انشا کی یہ روش خاص دلچسپ اور بے عیب ہے اس وضع کو نہ چھوڑیے اور جو میرا تتبع اور مجھ پر توجہ منظور ہو تو پنج آہنگ وغیرہ میری مصنفات کو بامعان نظر و صرف ہمت ملاحظہ فرمایئے اور مشق بڑھایئے۔ چشم بددور طبیعت حضور کی نہایت عالی اور مناسب اس فن سے ہے۔ میں آپ کی رسائی ذہن اور قوت قلم سے امید قوی رکھتا ہوں کہ عنقریب بہت خوب لکھیے گا میرے اور تمام دوستوں کے فخر اور دشمنوں کے رشک ہو جایئے گا۔ اِن ھٰذا لامن برکۃ العلم یا مولانا و یا الفضل و الکمال اولانا ۱۲ (بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

نمبر ۳۴

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

قبلہ پہلے شعر کے ابیات کے معنی سنیے۔ نقش فریادی الخ" ایران میں رسم ہے کہ داد خواہ کاغذ کے کپڑے پہن کر حاکم کے سامنے جاتا ہے۔ جیسے مشعل دن کو جلانا یا خون آلودہ

کپڑا بانس پر لٹکا کر بیچانا۔ پس شاعر خیال کرتا ہے کہ نقش کس کی شوخی تحریر کا فریادی ہے کہ جو صورت تصویر ہے اُسکا پیرہن کاغذی ہے یعنی ہستی اگرچہ مثل تصاویر اعتبار محض ہو موجب رنج و ملال و آزار ہے۔

شوق ہر رنگ رقیب سر و ساماں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

شوق ہر رنگ الخ رقیب بمعنی مخالف یعنی شوق سر و ساماں کا دشمن ہے۔ دلیل یہ ہے کہ قیس جو زندگی میں ننگا پڑا پھرتا تھا تصویر کے پردے میں بھی ننگا ہی الطف یہ ہے کہ مجنوں کی تصویر با تن عریاں ہی کھینچی ہے۔ جہاں کھنچتی ہے۔

زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی یارب
تیر بھی سینۂ بسمل سے پرافشاں نکلا

زخم نے داد الخ یہ ایک بات میں نے اپنی طبیعت سے نئی نکالی ہے۔ جیسا کہ اس شعر میں ؎

نہیں ذریعہ راحت جراحت پیکاں
وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہئے

یعنی زخم تیر کی توہین بسبب ایک رخنہ ہونے کے اور تلوار کے زخم کی تحسین بسبب ایک طاق سا کھل جانے کے۔ "زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی" یعنی زائل نہ کیا تنگی کو "پرافشاں" بمعنی بیتاب اور یہ لفظ تیر کے مناسب حال۔ معنے یہ کہ تنگی دل کی داد کیا دیتا وہ تو خود ضیق مقام سے گھبرا کر پرافشاں اور سراسیمہ نکل گیا۔

نام غالب کا مکتوب الیہ رحیم بیگ نامے میرٹھ کا رہنے والا ہے دس برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ کتاب پڑھ نہیں سکتا سن لیتا ہے عبارت لکھ نہیں سکتا لکھوا دیتا ہے۔ بلکہ اسکے ہموطن ایسا کہتے ہیں کہ وہ قوت علمی بھی نہیں رکھتا اوروں سے مدد لیتا ہے۔ اہل دہلی کہتے ہیں کہ مولوی

امام بخش صہبائی سے اُس کو تلمذ نہیں ہے۔ اپنا اعتبار بڑھانے کو اپنے کو اُن کا شاگرد بتاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وائے اُس ہیچ و پوچ پر جس کو صہبائی کا "تلمذ" موجب غرور و وقار ہو، رسالہ اُسکا "ساطع برہان" دلی پہونچکر ڈھونڈھونگا اگر مل گیا تو خدمت میں پہونچے گا۔

اصلاح "سیلاب چین" ایک لفظ ہے۔ ہندیان فارسی داں کا۔ اصل لغت "چلپچی" اور یہ لغت ترکی ہے۔ معہذا "حباب آسماں" جبتک کہ آسماں کو بحر یا دریا نہ کہیں "حباب آسماں" نہ مقبول نہ مسموع "دنات" مسموع ہے۔ اگر فتحہ الف کا اشباع جائز ہو ورنہ "دنات پروری" کی جگہ "ادنی پروری" بہتر ہے۔ بلکہ دنات یا دنائت بہر حال صفت ہے۔ پرورش موصوف کی چاہیے نہ صفت کی والسلام۔

"بنام مولوی عبدالرزاق شاکر"

نمبر ۳۵

ابلہ آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ۶ جنوری کو فقیر دلّی پہونچا۔ تھکا ماندہ خستہ رنجور ہنوز افاقت کلی نہیں پائی۔ آج صبحدم ہوا بند ہے۔ دھوپ تیز ہے۔ پشت بآفتاب تکیے کے سہارے سے بیٹھا ہوا یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔ غزل پہونچتی ہے۔ گوندمیں لتھڑ کر ایک ٹکڑا کاغذ کا الگ ہو گیا ہے۔ حضرت باحتیاط اسکو لفافہ سے نکالیں ؎

ؐ یہ ٹکڑا آگے کے خط سے متعلق ہے اُسی کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

ہے تمہارا آفتاب، آفتابِ آسماں   دیکھ لو اپنی چلپچی میں حبابِ آسماں[۵۱]

اگر پسند آئے تو اس مطلع کو رہنے دیجئے۔

مولوی نظامی گنجوی علیہ الرحمۃ کا ایک شعر طالب علموں کے ہاتھ پڑا انھوں نے از روئے قواعد نحو اُنہیں کلام کرنا شروع کیا۔ مولوی کے پاس جب وہ کلمات پہونچے تو فرمایا کہ "یاراں شعرِ مرا بمدرسہ کہ برد"۔ جو صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مجموع پہلا مصرع مبتدا نہیں ہو سکتا اُن سے پوچھا چاہیے کہ کیا آپ اُسی پہلے مصرعہ میں سے (ظلمت کدے میں میرے) اسکو مبتدا اور (شبِ غم کا جوش ہے) اسکو خبر ٹھہراتے ہیں پس اگر یوں ہے تو بھی مدعا حاصل ہے دوسرا مصرع دوسری خبر سہی۔ خیر یہ بھی تو مسلماتِ فن نحو میں سے ہے کہ ایک مبتدا کی دو بلکہ زیادہ خبر ہو سکتی ہیں۔ ہاں ایک قاعدہ اور ہے۔ یعنے جملہ فعلیہ کے ماقبل جو عبارت ہوتی ہے اُس کو مبتدا نہیں کہتے۔ اس مطلع کا مصرعہ ثانی جملہ اسمیہ ہے اپنے ماقبل مبتدا کو قبول کرتا ہے اگر ہم نے نظر اس دستور پر مصرعہ اول کو مبتدا کہا تو بھی قباحت لازم نہیں آتی بہرحال جو وہ صاحب اسی پہلے مصرع کو قرار دیں وہ مجھے قبول ہے مگر شعر میرا مہمل نہیں۔[۵۲]   (بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

---

[۵۱] قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالرزاق شاکر نے اس شعر میں "سیلاب بین" لکھا تھا جس کو مرزا نے بدل کر "چلپچی" رکھا۔

[۵۲] اس شعر کے معنے کے متعلق دیکھو خط نمبر ۳۳

نمبر ۳۶

اصلاح کیواسطے ہدایتیں | مخدوم و مکرم و معظم جناب مولوی عبدالجلیل صاحب کی خدمت میں بعد ابلاغ سلام مسنون الاسلام کے عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کی ارادت میرا ذریعہ فخر و سعادت ہے۔ دو عنایت نامے آپ کے اوقات مختلف میں پہونچے۔ پہلے خط کے حاشیہ اور پشت پر اشعار لکھے ہوئے ہیں سیاہی سطح کی پھیکی کہ حروف اچھی طرح پڑھے نہین جاتے۔ اگرچہ بینائی میری اچھی ہو اور میں عینک کا محتاج نہیں لیکن بانیہمہ اُسکے پڑھنے میں بہت تکلیف کرنی پڑتی ہے۔ علاوہ اسکے جگہ اصلاح کی باقی نہیں۔ چنانچہ اس خط کو آپ کی خدمت میں واپس بھیجتا ہوں تاکہ آپ یہ نہ جانیں کہ میرا خط پھاڑ کر پھینکدیا ہوگا اور معہذا میرا اندیشہ آپکو بھی ہو جائے۔ آپ خود دیکھ لیں کہ اس میں اصلاح کہاں دیجاتی۔ واسطے اصلاح کے جو غزل بھیجئے انھیں بین الافراد و بین مصرعہا فاصلہ زیادہ چھوڑیے۔ آپ کی خط میں جو کاغذ اشعار کا ہے حروف اُسکے روشن ہیں مگر بین السطور مفقود اور اصلاح کی جگہ معدوم۔ آپکی خاطر سے رنج کتابت اُٹھاتا ہوں اور ان دونوں غزلوں کو بعد اصلاح لکھتا جاتا ہوں۔ مسودہ تو آپکے پاس ہوگا اوس سے مقابلہ کر کے معلوم کر لیجیے گا کہ کس شعر پر اصلاح ہوئی اور کیا اصلاح ہوئی اور کونسی بیت موقوف ہوئی۔

قلعہ کے مشاعرہ میں مرزا صاحب کبھی کبھی جاتے تھے | مشاعرہ یہاں شہر میں کہیں نہیں ہوتا۔ قلعہ میں شہزادگان تیموریہ جمع ہو کر کچھ غزل خوانی کر لیتے ہیں

وہاں کے مصرعۂ طرحی کو کیا کیجئے گا اور اُسپر غزل لکھ کر کہاں پڑھیے گا۔ میں کبھی اُس محفل میں جاتا ہوں اور کبھی نہیں جاتا۔ اور یہ صحبت خود چند روزہ ہے اسکو دوام کہاں۔ کیا معلوم ہے ابکی نواب کی ہو تو آیندہ نہو۔ والسلام مع الاکرام (بنام قاضی عبدالجمیل)

نمبر ۳۷

"طرح" بسکون و بحرکت را

دو باتیں سُنیے طرح بسکون رائے قرشت بمعنی قریب ہے۔ لیکن اردو میں یہ لفظ مستعمل نہیں وہ دوسرا لفظ ہے طرح بحرکت رائے قرشت بروزن فرح۔ اُسکو بسکون رائے مہملہ بولنا عوام کا منطق ہے۔ ہاں غزل کی طرح، زمین کی طرح ' یہ بسکون اور بمعنی روش و طرز وہ طرح ہے بالفتحتین۔ طرح بالفتح بمعنے نمونہ اور بمعنے قریب ہے لیکن طرح بالفتحتین اور چیز ہے۔

مولوی غیاث الدین رامپوری کی نسبت رائے

غیاث الدین رامپور میں ایک ملا ہے مکتبی تھا، ناقل ناعاقل، جس کا ماخذ اور مستند علیہ قتیل کا کلام ہوگا اُسکا فن لغت میں کیا فرجام ہوگا۔

"کیستم من کہ تا ابد بزیم" لاحول ولا قوۃ یہ مصرع میرا نہیں "تا ابد بزیم" یہ فارسی لاأ قتیل کی ہے میرا قطعہ یہ ہے ؎

کیستم من کہ جاوداں باشم — چوں نظیری نماند طالب مرد

درگو نہد درگدا ایں سال   مرد غالب بگو کہ غالب مرد

یہ مادۂ تاریخ از روئے نجوم نہیں بلکہ از روئے کشف ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

(بنام قاضی عبدالجمیل)

نمبر ۳۸

بعض اشعار سے ابا

پیر و مرشد، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اور کی غزل میرے نام پر لوگ پڑھ دیتے ہیں چنانچہ انھیں دنوں میں ایک صاحب نے مجھے آگرہ سے لکھا کہ یہ غزل بھیج دیجئے "اسد اور لینے کے دینے پڑے ہیں" میں نے کہا لاحول ولا قوۃ اگر یہ میرا کلام ہو تو مجھ پر لعنت اسیطرح زمانہ سابق میں ایک صاحب نے میرے سامنے یہ مطلع پڑھا۔

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی   مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

میں نے سنکر عرض کیا کہ صاحب جس بزرگ کا یہ مطلع ہے اُسپر بقول اُسکے رحمت خدا کی اور اگر میرا ہے تو مجھپر لعنت۔ اسد اور شیر اور بت اور خدا اور جفا اور وفا میری طرز گفتار نہیں ہے۔ (بنام قاضی عبدالجمیل)

نمبر ۳۹

شوقیہ خط۔ فارسی کا شوق اور اُسکے ساتھ اپنی طبعی مناسبت

قبلہ، حضرت کا نوازش نامہ آیا میں نے اوسکو حرز بازو بنایا۔ آپ کی تحسین میرے واسطے مایۂ

عز و افتخار ہے۔ فقیر اُمیدوار ہے کہ یہ دفتر بے معنے نہ سرسری بلکہ سراسر دیکھا جائے
نہ پیش نظر دھرا رہے بلکہ اکثر دیکھا جائے۔ میں نے جو نسخہ وہاں بھجوایا ہے
گویا کسوٹی پر سونا چڑھایا ہے۔ نہ ہٹ دھرم ہوں نہ مجھے اپنی بات کی پچ
ہے۔ دیباچہ و خاتمہ میں جو کچھ لکھ آیا ہوں سب سچ ہے کلام کی حقیقت کی داد
جدا چاہتا ہوں طرز عبارت کی داد جدا چاہتا ہوں۔ نگارش لطافت سے
خالی نہو گی۔ گذارش لطافت سے خالی نہو گی۔ علم و ہنر سے عاری ہوں۔
لیکن پچپن برس سے محو سخن گزاری ہوں۔ مبدا فیاض کا مجھ پر احسان عظیم ہے
ماخذ میرا صحیح اور طبع میری سلیم ہے۔ فارسی کے ساتھ ایک مناسبت ازلی و
سرمدی لایا ہوں۔ مطابق اہل پارس کے منطق کا بھی مزہ ابدی لایا ہوں۔
مناسبت خداداد و تربیت اُستاد سے حسن و قبح ترکیب پہچاننے لگا۔ فارسی
کے غوامض جاننے لگا۔ بعد اپنی تکمیل کے تلامذہ کی تہذیب کا خیال آیا۔
قاطع برہان کا لکھنا کیا ہے گویا باسی کڑھی میں اُبال آیا۔ لکھنا کیا تھا کہ سہام
ملامت کا ہدف ہوا۔ ہے ہے یہ تنک مایہ معارض اکابر سلف ہوا۔ ایک
صاحب فرماتے ہیں کہ قاطع برہان کی ترکیب غلط ہے۔ عرض کرتا ہوں کہ
حضرت برہان قاطع و قاطع برہان ایک نمط ہے۔ برہان قاطع نے کیا لٹھا
تینو نہیں سکھ قطع کیا ہے جو آپ نے اُسکو قاطع لقب دیا ہے۔ برہان جبتک
غیر کی کسی برہان کو قطع نہ کرے گی کیونکر برہان قاطع نام پائے گی۔ برہان قاطع
کی صحت میں جتنی تقریر کیجیگا وہ قاطع برہان کی صحت کے ثبوت کے کام آئیگی۔
قطعہ تاریخ کا کیا کہنا ہے گویا یہ کتاب معشوق اور یہ قطعہ اُسکا گہنا ہے

جناب نواب صاحب کا نیازمند اور بندۂ فرمانبردار ہوں۔ بعد عرض سلام شعر کے پسند آنے کا شکرگزار ہوں۔ آپ کے علم و فضل اور فہم و ادراک کی جو تعریف کیجائے وہ حق ہے لیکن میرے شعر کی تعریف صرف خریداری ڈُوکان بے رونق ہے۔ (بنام مفتی میر عباس)

نمبر۴

قبلہ، فقیر ہمیشہ مورد اعتراضات رہا ہے۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعد دو چار دن کے معترض صاحب کا خط آتا ہے۔ لغت و ترکیب معترض فیہ کی سند کے اشعار حضرت نے اُس خط میں درج کئے ہیں۔ اللہ اللہ جو کلکتہ

جزوے از عالم و از ہمہ عالم بیشم
ہمچو موئے کہ بتاں راز میاں برخیزد

میں شور نشور اُٹھا تھا۔ میرا شعر ہے جزوے از عالم و از ہمہ عالم بیشم ؎ ہمچو موئے کہ بتاں راز میاں برخیزد۔ مشتہر اجتہاد اعتراض ہوا ہے! منشا اعتراض یہ کہ "عالم" مفرد ہے اوسکا ربط "ہمہ" کے ساتھ بحسب اجتہاد قتیل ممنوع ہے۔ قضارا اوس زمانہ میں شاہزادہ کامران درّانی کا سفیر گورنمنٹ میں آیا تھا۔ کفایت خاں اوسکا نام تھا اُس تک یہ قصہ پہونچا اُس نے اساتذہ کے پان سات شعر ایسے پڑھے جس میں "ہمہ عالم" و "ہمہ روز" و "ہمہ جا" مرقوم تھا اور وہ اشعار قاطع برہان میں مندرج ہیں۔

درفش کاویانی

ہاں صاحب قاطع برہان میں اور مطالب بڑھائے اور

ایک دیباچہ دوسرا لکھا ہے اور درفش کاویانی اوسکا نام رکھا اور اوسکو چھپوایا ایک مجلد اُسکا آج اِس خط کے ساتھ ڈاک مین بھیجتا ہون۔ بعد پہونچنے کے اُسکو دیکھیے گا اور کسی وقت فرصت پیش نظر رکھیے گا۔ اور جسدن پہونچے اُسدن رسید لکھیے گا اور اگر اور صاحب اسکے طالب اور خریدار ہوں تو مجھ کو لکھیے گا دس پانچ دو چار جلد بھیجدونگا۔ یہ نسخہ میری طرف سے آپ کی نذر غزل بھی بھیجونگا۔

(بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

نمبر ۱۴

واہ کیا خوبی قسمت ہے میری۔ بہت دنوں سے دھیان لگا ہوا تھا کہ اب منشی جی کا خط آتا ہو اور اُنکی خیر و عافیت معلوم ہوتی ہے۔ خط آیا اور خیر و عافیت معلوم نہوئی یعنی معلوم ہوا کہ خیر نہیں ہے اور پاؤن مین چوٹ لگی ہے ......

| نظر شگفتن اور گوش شگفتن | نظر شگفتن اور گوش شگفتن ہم نہیں جانتے۔ اگرچہ

منشی ہرگوپال تفتہ اور مولانا نورالدین ظہوری نے لکھا ہو ؎

نظارہ راز خون دلم گل در آستین — گوش بگو بگو کہ زچشم چمن چکید

| ازچشم چمن چکیدن | یہ نہ سمجھنا کہ چمن از چشم چکیدن شگفتن گوش نظم کی مانند غرابت رکھتا ہے۔ یہ خونفشانی چشم کا استعارہ ہے اور خونفشانی صفت چشم ہوسکتی ہے اگر نظر کا خوش ہونا اور کان کا شاد ہونا جائز ہوتا تو ہم اسکا استعارہ شگفتگی کرلیتے خوش ہونا جب صفت چشم و گوش نہو تو ہم کیا کرین۔ یاد رہے یہ نکات سوائے تمھارے اور کو مین نہیں بتاتا۔ میری بات کو غور کرکے سمجھ لیا کرو۔ بن پوچھنے سے

اور تکرار سے ناخوش نہیں ہوتا بلکہ خوش ہوتا ہوں۔ مگر ہاں ایسی تکرار جیسی بیش
اور بیشتر کے باب میں کی تھی ناگوار گزرتی ہے کہ وہ صریح تہمت تھی مجھ پر۔ جو میں آپ
لکھونگا تم کو اُسکے لکھنے کو کیوں منع کرونگا ؎

اے صد ہزار راز نہاں اندریں سخن ۔۔۔ گر کم سخن تو ئی نگہت کم سخن مباد
ہر چہ بانفس خود کنم زبدی ۔۔۔ نیکیش نام می توانم کرد

یہ دونوں شعر بے سقم ہیں رہنے دو ؎

اصلاح ۔ سرِ ناکامیم سلامت باد ۔۔۔ کام را کام می توانم کرد

میں نہیں سمجھا کہ اسکے معنے کیا ہیں کام کو کام سب کر سکتے ہیں اس میں لطف کیا ہے

زترکتازی آں نازنیں سوار ہنوز ۔۔۔ زسبزہ میدمد انگشت زینہار ہنوز

مطلع حزیں پر نکتہ چینی ۔ حزیں کے اس مطلع میں واقعی ایک ہنوز زائد اور بیہودہ
ہے۔ تتبع کیواسطے سند نہیں ہو سکتا یہ غلط محض ہے یہ سقم ہے یہ عیب ہے۔
اسکی کون پیروی کریگا۔ حزیں تو آدمی تھا یہ مطلع اگر جبرئیل کا ہوتا تو اسکو سند
نہ جانو اور اُسکی پیروی نہ کرو۔

اصلاح ۔ بھائی تمہارا مصرعہ اس قبیل سے نہیں ہے۔ اُس میں تو مکنید متمم معنی
ہے مکنید زائد نہیں ہے مگر خرابی یہ ہے کہ فارسی رہنے دو تو۔ اور اگر ہندی کرو
تو مصرعہ مہمل اور بے معنی ہے ع۔ چہ گل چہ لالہ چہ نسریں چہ نسترن مکنید
کیا گلاب کا پھول کیا لالہ کیا موتیا کیا چمپا نہ کرو تمہارا نہ کرو یعنی کیا نہ کرو۔ اب جب
تمہیں کہو کہ صاحب ذکر نہ کرو تب کوئی جانے ورنہ کبھی جانا نہیں جاتا کہ ذکر
نہ کرو۔ اے تم نے کہا بھی کہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ ذکر نہ کرو۔ حضرت ذکر مضاف

کیونکر ہو سکتا ہے۔ گل و لالہ و نسرین و نسترن کیطرف کہے گئے کہ ذکر کا لفظ نہیں
بیان کا لفظ اوپر کے مصرعہ میں ہے۔ وہ بیان کا لفظ رستوں سے اور زنجیروں
سے ان چاروں لفظوں سے ربط نہیں پاتا۔ مطلع لکھو قطعہ لکھو۔ ترجیع بند لکھو۔
یہ مصرع معنی دینے ہی کا نہیں مہمل محض ہے۔ والسّلام (بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۲

بیش از بیش و کم از کم

بندہ پرور "بیش از بیش و کم از کم" یہ ترکیب بہت فصیح ہے اسکو کون
منع کرتا ہے اور جلال اسیر کی یہ بیت بہت پاکیزہ اور خوب ہے
اسکے معنی یہی ہیں کہ "در زمان من مہر بیش از بیش شد و در زمان تو وفا کم از کم شد" اُستاد کیا کہیگا اس میں
تو تین ٹکڑے کا الف فشر ہے من اور تو، مہر اور وفا۔ بیش از بیش اور کم از کم۔ یاد رہے کہ بیشتر از
بیش و کمتر از کم اگرچہ بحسب معنی جائز ہے لیکن فصاحت اس میں کم ہے۔ بیش از بیش و کم از کم
فصیح ہے۔ وہ شعر تمہارا خوب ہے اور ہمارا دیکھا ہوا ہے ؎

قیس از تو تسلیم کم و بے صبر ـــ بیش ست ترا کم ست یارا[۱]

لیکن ہاں پہلے مصرع میں اگر کمتر ہوتا تو اور اچھا تھا۔ بہر حال اتنا خیال رہے کہ
ایسی جگہ تر کا لفظ افصح ہے چنانچہ میر کا شعر ہے ؎

جلوہ کن منت منہ از ذرہ کمتر نیستم ـــ حسن این تابناکی آفتاب بیش نیست

---

[۱] نصیبی گیلانی کا بھی ایک شعر اسی مضمون کا بہت خوب ہے۔

زندہ دشت جہاں بود نصیبی مجنون ـــ بیش از این عشق گر این ہمہ دشوار نبود

ع ورنہ چشم تو چہ از روزن دیوار کم است۔ یہاں بہت ہی اوپری معلوم ہوتا ہے۔ اور نرا ہندی کا ترجمہ رہ جاتا ہے فارسیت نہیں رہتی۔

اصلاح ع سہل مشمار زندگانی ہا۔ مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس مقطع کو یوں درست کردیا ہے ؎

رائگاں ست زندگانی ہا ‏ ‏ ‏ ‏ می تواں کرد جانفشانی ہا

اور اس صورت میں یہ مطلع ایسا ہو گیا تھا کہ میرے دل میں آئی تھی کہ تم کو نہ دوں اور خود اس زمین میں غزل لکھوں مگر پھر میں نے خست نہ کی اور تم کو دیدیا۔

حضرت نے ملاحظہ نہیں فرمایا یہ خط جو مجھے آپ نے لکھا ہے شراب کے نشہ میں لکھا ہے اور وہ صلاحی اوراق بھی اسی عالم میں ملاحظہ فرمائے ہیں اب ع گلہ تا کے ز زندگانی ہا۔ اس کو موقوف کیجیے اور وہ مطلع رہنے دیجیے کہ وہ بہت خوب ہے۔ بعینہ مولانا ظہوری کا معلوم ہوتا ہے بھائی ہمارے اوراق صلاحی کو غور سے دیکھا کرو۔ ہمارے محنت تو ضائع نہ جائے۔

ایامے چند ایامے چند جمع الجمع ایسی کھلی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ فقیر کے نزدیک جمع الجمع ہی نہیں ہے۔ مثلاً معانی چند اور احکام چند اور اسرار چند یہ آدمی لکھ سکتا ہے مگر ہاں آمال ہا یہ کھلی سور کھ ہے ع خطائے بزرگاں گرفتن خطاست۔ ہم کو اپنی تہذیب سے کام ہے اغلاط میں سند کیوں ڈھونڈھتے پھریں مثلاً حضرت حافظ نے لکھا ہے ؎

صلاح کار کجا و من خراب کجا ‏ ‏ ‏ ‏ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

میری جان ایسے موقع میں یہ چاہیے کہ بزرگوں کے کلام کو ہم مورد اعتراض نہ کریں

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۳

مرزا تفتہ پیر شو و بیاموز۔ تم خوش گو اور زود گو مقرر ہو۔ لیکن جس کو تم تحقیقات کہتے ہو وہ محض توہمات اور تخیلات ہیں۔ قیاس دوڑاتے ہو وہ قیاس کہیں مطابق واقع ہوتا ہے۔ کہیں خلاف عرفی کہتا ہے۔

ناشتا — ع روح را ناشتا فرستادی یعنی روح کو تو نے بھوکا بھیجا۔ ناشتا اوسکو کہتے ہیں جسنے کچھ کھایا نہو ہندی اوسکی نہار منہ۔ تم کہتے ہو ع اے عجب ناشتا فرستادی۔ یعنی غذاے صبح جیسا کہ ہندی میں مشہور ہے اُسنے ناشتے بھی کیا ہے یا نہیں واقف کہتا ہے ؎

نے محرم قفس نہ بدام آشنا شدیم ۔۔۔ نفرین کنیم ساعت پرواز خویش را

واقف پر اعتراض — یہ بھی ہندی کی فارسی ہے بُری گھڑی اور شب گھڑی۔ اہل زبان ایسے موقع پر طالع کہتے ہیں۔ ع نفرین کنیم طالع پرواز خویش را۔

قتیل پر اعتراض — قتیل کہتا ہے ؎

یک جب جگہ کوے تو زخون پاک نبود ۔۔۔ کشتہ برکشتہ تپان بود و گر خاک نبود

یہاں پر "ہیچ نبود" کا محل ہے۔ ہندی میں کچھ نہیں کی جگہ خاک نہیں بولتے ہیں

صاحب برہان قاطع پر اعتراض — پھر صاحب برہان قاطع کا کیا ذکر کرتے ہو وہ تو ہر لغت کو تین حرکتوں سے لکھتا ہے۔ زیر زبر پیش کا تفرقہ منظور نہیں رکھتا ہے۔ لکھتا ہے کہ یوں بھی آیا ہے اور یوں بھی دیکھا ہے جب لغت کو

کاف عربی سے لکھیگا۔ کاف فارسی سے بھی بیان کریگا جس لفظ کو طائے حطی
سے لائیگا تائے قرشت سے بھی ضرور لکھیگا۔ فضلائے کلکتہ کے حاشیے دیکھو
کہ وہ اُسکی کیا تحقیق کرتے ہیں۔

بعض ہندی ناموں کی تحقیق

نبیا نبوت کے مشتقات میں سے ہرگز نہیں۔ امامن امام
کے مشتقات میں سے زنہار نہیں۔ نبی بخش کا مخفف نبیا
اور امام کا متعلق اگر مذکور ہے تو امامی اور اگر مؤنث ہے تو امامن۔ طغرانے
ہندی لغت کے لانیکا التزام کیا ہے ع وقت آں آمد کہ مینا راگ ہندی
سر کند۔ اور اساتذہ کو اسکا التزام منظور نہیں۔ مگر کیا کریں۔ گڑگاؤں نام ہے
ایک گاؤں کا اُس کو کیونکر بدلیں۔ ہاں گر بہ رائے قرشت کہینگے۔ لکھنؤ نام ہے
ایک شہر کا وہ لکھنؤ بغیر ہائے مخلوط کے کہینگے، فی زماننا چھاپے کو چاپ بولتے
ہیں عرفی جھکڑ کو جکر بولتا ہے ع آں باد کہ در ہند گر آید جکر آید۔ رائے ثقیلہ
ہائے مخلوط۔ تشدید۔ یہ تینوں ثقالتیں مٹادیں صاحب برہان قاطع اس
لفظ کو فارسی بتاتا ہے۔ اور زبان علمی اہل ہند میں بھی اسکو مشترک جانتا ہے
اپنے کو رسوا اور خلق کو گمراہ کرتا ہے ؎

ہرزہ مشتاب و پے جادہ شناساں بردار ۔۔۔ اے کہ در راہ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت

خسرو اور فیضی

اہل ہند میں سوائے خسرو دہلوی کے کوئی مسلم الثبوت نہیں۔ میاں
فیضی کی بھی کہیں کہیں ٹیک نکلجاتی ہے "فرہنگ لکھنے والونکا مدار قیاس
پر ہے۔ جو اپنے نزدیک صحیح سمجھا وہ لکھدیا۔ نظامی و سعدی وغیرہ کی لکھی ہوئی
فرہنگ ہو تو ہم مانیں ہندیوں کو کیونکر مسلم الثبوت جانیں۔ گائے کا بچہ

بزورِ سحر آدمی کیطرح کلام کرنے لگا بنی اسرائیل اسکو خدا سمجھے، یہ جھگڑے قصے جانیدو

ارغنون | دو باتیں سنو۔ ایک تو یہ کہ ارغنوں کو بغین مضموم میں نے سہو سے لکھا۔

در اصل ارغنون بغین مفتوح اور مخفف اسکا ارغن اور مبدل منہ ارگن ہے۔

ایوا | دوسرے یہ کہ جب موسوی خاں نے ایولے کو ایوا لکھا تو اُس لفظ کی

صحت میں کچھ تامل نہ رہا۔ نجات کا طالب غالب۔ یکشنبہ ۱۴ / مئی ۱۸۶۵ء

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۴

بھائی یہ مصرع جو تم کو بہم پہونچا ہے فن تاریخ گوئی میں اُسکو کرامت اور

اعجاز کہتے ہیں۔ یہ مصرع سلمان ساوجی وظہیر کا سا ہے۔ چار لفظ اور چار دن واقعہ

کے مناسب۔ یہ مصرع کہکر اور مصرع کی فکر کرنی کسواسطے۔ واہ واہ سبحان اللہ،

اور یہ جو تمکو فر کے لفظ میں تردد ہوا اور ایک سوکھا سہا شعر ظہوری کا لکھا بڑا تعجب

فر اور فرہ | ہے یہ لفظ میرے ہاں پنج آہنگ میں دس ہزار جگہ آیا ہوگا۔ فر اور

فرہ لفظ فارسی ہے مرادف جاہ کے پس جاہ کو اور اُسکو کسنے کہا ہے کہ بغیر ترکیب

دیے نہ لکھے۔ عالیجاہ اور سکندر جاہ مظفر فر اور فریدوں فر یوں بھی درست ہے۔

اور صرف جاہ اور فر یوں بھی درست۔

اور ایک بات تم کو معلوم رہے کہ اس پورے خطاب کو خطاب بہادری

مراتب خطاب | کہنا بہت بیجا ہے۔ سنو خطاب کے مراتب میں پہلے تو خانی کا خطاب

ہے ! اور یہ بہت ضعیف ہے اور بہت کم ہے۔ مثلاً ایک شخص کا نام ہے محمد علی یا محمد علی بیگ اور اسکو خاندانی بھی خانی نہیں حاصل پس جب اسکو بادشاہِ وقت محمد علی خاں کہدے تو گویا اسکو خانی کا خطاب ملا۔ اور جو شخص کہ اُس کا نام اصلی محمد علی خاں ہے یا تو وہ قوم افغان ہے یا خانی اسکی خاندانی ہے۔ بادشاہ نے اسکو محمد علیخاں بہادر کہا پس یہ خطاب بہادری کا ہوا اسکو بہادری کا خطاب کہتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر خطاب دولگی کا ہے یعنی مثلاً محمد علی خاں بہادر اسکو منیر الدولہ محمد علی خاں بہادر کہا اب یہ خطاب دولگی کا ہوا۔ اسکو بہادری کا خطاب نہیں کہتے۔ اب اس خطاب پر افزائش جنگ کی ہوتی ہے۔ منیر الدولہ محمد علی خاں بہادر شوکت جنگ ابھی خطاب پورا نہیں۔ پورا جب ہوگا کہ جب ملک بھی ہو۔ پس پورے خطاب کو خطاب بہادری لکھنا غلط ہے۔ یہ واسطے تمہارے معلوم رہنے کے لکھا گیا ہے۔ اب آپ اس سات بیت کے قطعہ کو اپنے دیوان میں داخل و شامل کر لیجئے یعنی قطعوں میں لکھ دیجئے۔ جب تمہارا دیوان چھاپا جاویگا یہ قطعہ بھی چھپ جائیگا۔ مگر ہاں منشی صاحب کے سامنے اسکو پڑھیئے اور اُن سے استدعا کیجئے کہ اسکو آگرے بھیجیں تاکہ چھاپا ہو جائے۔ اسعد الاخبار میں اور زبدۃ الاخبار میں۔ یقین ہے کہ وہ تمہارے کہنے سے عمل میں لادینگے مجھکو کیا ضرور ہے کہ میں لکھوں۔ میں نے یہاں صادق الاخبار میں چھپوا دیا ہے۔

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۵

صاحب! دو زبانوں سے مرکب ہے یہ فارسی متعارف۔ ایک فارسی ایک عربی۔ ہر چند اس منطق میں لغات ترکی بھی آجاتے ہیں مگر کمتر۔ میں عربی کا عالم نہیں۔ مگر نرا جاہل بھی نہیں۔ بس اتنی بات ہے کہ اس زبان کے لغات کا

مرزا کی عربی اور فارسی قابلیت

محقق نہیں ہوں۔ علما سے پوچھنے کا محتاج اور سند کا طلبگار رہتا ہوں۔ فارسی میں مبداء فیاض سے مجھے وہ دستگاہ ملی ہے کہ اس زبان کے قواعد و ضوابط میرے ضمیر میں اس طرح جاگزیں ہیں جیسے فولاد

مرزا اور اہل فارس میں فرق

میں جوہر۔ اہل فارس میں اور مجھ میں دو طرح کے تفاوت ہیں ایک تو یہ کہ ان کا مولد ایران اور میرا مولد ہندوستان۔ دوسرے یہ کہ وہ لوگ آگے پیچھے سو، دو سو، چار سو، آٹھ سو برس پہلے پیدا ہوئے ہیں۔

جود

جود لغت عربی ہے بمعنی بخشش۔ جوّاد صیغہ ہے صفت مشبہ کا بے تشدید۔ اس وزن پر صیغہ فاعل میری سماعت میں جو نہیں آیا تو میں اس کو خود نہ لکھوں گا۔ مگر جب کہ نظیری شعر میں لایا اور وہ فارسی کا مالک اور عربی کا عالم تھا تو میں نے مانا۔ کیا ہنسی آتی ہے کہ تم مانند اور شاعروں کے مجھ کو بھی یہ سمجھے ہو کہ استاد کی غزل یا قصیدہ سامنے رکھ لیا یا اس کے قوافی لکھ لیے اور ان قافیوں پر

مرزا نے ریختہ کب کہنا شروع کیا اور اس کے کہنے کا طریقہ

لفظ جوڑنے لگے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ بچپن میں جب میں ریختہ لکھنے لگا ہوں لعنت ہے مجھ پر اگر میں نے کوئی ریختہ یا اس کے قوافی پیش نظر رکھ لیے ہوں۔ صرف بحر اور ردیف و قافیہ

دیکھ لیا۔ اور اُس زمین میں غزل قصیدہ لکھنے لگا۔ تم کہتے ہو۔ نظیری کا دیوان وقت تحریر قصیدہ پیش نظر ہوگا اور جو اُسکے قافیہ کا شعر دیکھا ہوگا اُسپر لکھا ہوگا۔ واللہ اگر تمہاری اِس زمین میں نظیری کا قصیدہ بھی ہے چہ جائے آنکہ وہ شعر بھائی شاعری معنی آفرینی ہے قافیہ پیمائی نہیں ہے۔

زمان — زماں لفظ عربی از منہ جمع۔ دونوں طرح فارسی میں مستعمل۔ زمانے۔ یک زمان ہر زماں۔ زماں زماں دریں زماں۔ دراں زماں سب صحیح اور فصیح۔ جو اسکو غلط کہے وہ گدھا۔ بلکہ اہل فارس نے مثل موج و موجہ یہاں بھی "ہے" بڑھا کر زمانہ استعمال کیا ہو۔ یک زماں کو میں نے کبھی غلط نہ کہا ہوگا۔ سعدی کے شعر لکھنے کی کیا حاجت۔

سُنو میاں میرے ہموطن یعنی ہندی لوگ جو وادیٔ فارسی دانی میں دم مارتے ہیں وہ اپنے قیاس کو دخل دیکر ضوابط ایجاد کرتے ہیں۔ جیسا وہ گھاگس

عبدالواسع اور قتیل کے القاب — اُلو عبدالواسع ہانسوی لفظ نامراد کو غلط کہتا ہے۔ اور یہ اُلو کا پٹھا قتیل صفوتکدہ و شفقکدہ و نشترکدہ کو۔ اور ہمہ عالم و ہمہ جا کو غلط کہتا ہو۔ کیا میں بھی ویسا ہی ہوں جو یک زماں کو غلط کہونگا۔ فارسی کی میزان یعنی ترازو میرے ہاتھ میں ہو۔ للہ الحمد و للہ الشکر۔ مرقومہ چہارشنبہ ۲۷ ماہ اگست ۱۸۶۲ء

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۶

میاں تمہارے انتقالات ذہن نے مارا۔ میں نے کب کہا تھا کہ تمہارا

کلام اچھا نہیں۔ میں نے کب کہا تھا کہ دنیا میں کوئی سخن فہم و قدرداں نہ ہوگا۔ مگر بات یہ ہے کہ تم مشق سخن کر رہے ہو اور میں مشق فنا میں مستغرق ہوں۔ بوعلی سینا کے علم کو اور نظیری کے شعر کو ضائع اور بے فائدہ اور موہوم جانتا ہوں۔ زیست بسر کرنے کو کچھ تھوڑی سی راحت درکار ہے اور باقی حکمت اور سلطنت اور شاعری اور ساحری، سب خرافات ہے۔ ہندوؤں میں اگر کوئی اوتار ہوا تو کیا۔ اور مسلمانوں میں نبی بنا تو کیا۔ دُنیا میں نام آور ہوئے تو کیا اور گمنام جئے تو کیا۔ کچھ وجہ معاش ہو اور کچھ صحت جسمانی۔ باقی سب وہم ہے اے یار جانی۔ ہر چند وہ بھی وہم ہے مگر میں ابھی اسی پایہ پر ہوں۔ شاید آگے بڑھ کر یہ پردہ بھی اُٹھ جاوے اور وجہ معیشت اور صحت و راحت سے بھی گزر جاؤں۔ عالم بیرنگی میں گزر پاؤں جس سناٹے میں ہوں وہاں تمام عالم بلکہ دونوں عالم کا پتہ نہیں ہر کسی کا جواب مطابق سوال کے دیے جاتا ہوں اور جس سے جو معاملہ ہے اوسکو ویسا ہی برت رہا ہوں لیکن سب کو وہم جانتا ہوں۔ یہ دریا نہیں ہے سراب ہے۔ ہستی نہیں ہے پندار ہے۔ ہم تم دونوں اچھے خاصے شاعر ہیں، مانا کہ سعدی و حافظ کے برابر مشہور ہونگے۔ اُن کو شہرت سے کیا حاصل ہوا کہ ہمکو تم کو ہوگا۔

دنیا کی چیزوں سے بیزاری

قطعات تاریخ آگرہ کیونکر بھیجوں۔ پھر تمہارے پاس بھیجتا ہوں خالق معنی مبتنی و معنی آفرین صحیح اور مسلم اور جائز۔ لیکن جسطرح اللہ میں مشدد لام کو دو لام کے قائم مقام قرار دیا ہے اللہ اور الٰہی میں الف ممدودہ کو دوسرا الف کیونکر سمجھیں۔ قیاس کام نہیں آتا۔ اتفاق سلف شرط ہے۔ جب اوکسی نے الٰہی میں دو الف

نہیں مانے تو ہم کیونکر مانیں۔ دوَیم بر وزن جویم غلط۔ دوم ہے بغیر تحتانی۔ بالفرض

دوم اور دومی

تحتانی بھی لکھیں گے تو دوَیم پڑھینگے۔ اگرچہ لکھیں گے دویم واو کا اعلان ٹکسال باہر ہے۔ ہاں دومی درست ہے۔ مگر نہ بہ حرف تحتانی مثل زمین نہ بہ حذف نون بلکہ بطریق قلب بعض۔ دوم کا دومی ہو گیا۔ کنویں کی تاریخ کو بے تامل بھیجدو۔ اور تاریخ وفات کا اور مادہ سوچو۔ کس واسطے کہ حبب الٰہی میں سے ایک الف لیا تو ایک عدد کم ہو جائیگا۔ والدعا۔ از غالب۔ روز ورود نامہ بلکہ وقت ورود نامہ بعد خواندن نوشتہ شد۔ یکشنبہ (بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۷۴

بھائی تمہارے ذہن نے خوب انتقال کیا میں نے جسوقت یہ شعر پڑھا ؎ بہند آمدے ز ایران دیار۔ آمدے کی جگہ آمدے بصیغہ استمرار ٹکسال باہر معلوم ہوا ؎ رسیدند در ہند ز ایران دیار۔ اسکی جگہ لکھ دیا۔ واقعی پوستین کا بیچنا راہ میں واقع ہوا۔ پھر رسیدند در ہند بیجا۔ تمہارا تصرف مستحسن۔ جس طرح تم نے لکھا ہے اسیطرح رہنے دو۔ صاحب اسنبلستاں سے کیوں گھبراتے ہو۔ میں تمہارے گھبرانے سے گھبراتا ہوں۔ رخ کو گل زلف کو سنبل فرض کرتے ہیں سنبلستاں میں کیا عیب ہے اور اگر نہیں پسند تو یہ قصہ ہی جانے دو۔ (بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۸

انگشتری اور خاتم دونوں ایک ہیں تم نے خاتم بمعنی نگین باندھا غلط۔
"جنس وفائے کس مخر" کیا ترکیب ہے[۵۱] جنس کس مخر وفا البتہ درست ہے نظر اوّل میں بسبب تکدر حواس اور کثرت درد ورم پا کے میں نے خیال نہ کیا ہوگا۔
سبحان اللہ ع "دیگر نتواں گفت خص را کہ اعم است ایں"[۵۲] اسکا وزن کب درست ہے۔ کیا فرماتے ہو غور کرو بعد غور کے اُس کی ناموزونی کا خود اقرار کروگے۔ شرف قزوینی کے مطلع میں ساغر غم در کشیدہ ایم۔ دو دم در کشیدہ ایم۔ دوسرے شعر میں پیمانہ زہر ستم در کشیدہ ایم در کشیدن کو ربط پیمانہ کے ساتھ ہے یا زہر کے ساتھ۔ اگر زہر در کشیدن جائز ہوتا تو وہ کیوں قافیہ کو کیوں چھوڑتا۔ تیسرے شعر میں قلم در کشیدن ہے چوتھے شعر میں آب در کشیدن ہے پانچویں شعر میں سر در کشیدن ہے۔ کیا زہر پانی ہے۔ اگر مثل زہر آب ہوتا تو روا تھا۔ سبحان اللہ یہ عبارت "جائیکہ شرف قزوینی ساغر و پیمانہ و زہر در کشید" اے برادر شرف زہر کجا در کشید۔ بلکہ پیمانۂ زہر در کشید۔ شما ہم ساغر سم در کشید۔ سم در کشیدن کجا و پیمانہ غم در کشیدن کجا۔"

ساغر کشیدن اور سم کشیدن

ہم نے تو تم کو اجازت دی ہے۔ خیر رہنے دو۔ ہند میں اس کو کون سمجھے گا چاہو یوں کر دو ؎

دانی من و دل آنچہ بہم در کشیدہ ایم ۔۔۔ دریک نفس دو ساغر سم در کشیدہ ایم

سبحان اللہ تم جانتے ہو کہ میں اب دو مصرع موزوں کرنے پر قادر ہوں

[۵۱] چونکہ پورا شعر نہیں لکھا اسلئے اصلاح یا صلاح کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔

[۵۲] دیکھو خط نمبر ۵۲ صفحہ ۱۱۲

جو تم مجھ سے مطلع مانگتے ہو ؎

گمانِ زیست بود بر منت ز بیدردی بدست مرگ ولے بدتر از گمانِ تونیست

خیر شرف قزوینی کی سند پر وہ مطلع رہنے دو۔

میں ایسا جانتا ہوں کہ دراعہ بہ تشدید ہے اور وہ درع بوزن زرع اور لغت ہے۔ صاحب! یہ قصیدہ تم نے ایسا لکھا ہے کہ میرا دل جانتا ہے۔ کیا کہنا ہے۔

مفید نصیحت ایک خیال رکھا کرو کہ شعر اخیر میں کوئی بات ایسی آجائے کہ جس سے اختتام کے معنی پیدا ہوا کریں۔

دراعہ کو یہ نہ کہو کہ تشدید نہیں ہے۔ اصل لغت مشدد ہے۔ شعرا اسکو مخفف بھی باندھتے ہیں۔ سعدی کے مصرعہ سے اتنا مقصود حاصل ہوا کہ دراعہ بے تشدید بھی جائز ہے۔ یاد رہے جادہ اور دراعہ دونوں عربی لغت ہیں وہ دال کی تشدید سے اور یہ رے کی تشدید سے مگر خیر جادہ دراعہ بھی لکھتے ہیں۔ یہ نہ کہو کہ دراعہ ہرگز نہیں ہے یہ کہو کہ دراعہ بے تشدید بھی جائز ہے غالب ۱۲

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۴۹

"دیدمست" یہ لفظ نیا بنایا ہے۔ مقصود تمہارا تو میں نے سمجھ لیا مگر زنہار اور کوئی نہ سمجھیگا "المعنی فی بطن القائل" کے یہی معنی ہیں۔ چشمانِ پرخمار و چشمانِ بیحیا۔ ان دونوں ترکیبوں میں سے ایک لکھ لو۔ ان سب اشعار میں نہ عیب نہ لطف۔ دیکھو صاحب خط میں تم پھر وہی "بیش و بشیر" کا قصہ لائے۔ چہ جرم

وجہ سبب وجہ گناہ پر جو سند لاتے ہو ع عشق است و صد ہزار تمنّا مرا چہ جرم۔ اس کی حاجت کیا ہے۔ "جاناں مددے" "یاراں مددے" یہ تمام غزل اسی طرح کی ہی اگر یہ ترکیب درست نہوتی تو میں ساری غزل کیوں نہ کاٹ ڈالتا دیکھو رفیع السودا کہتا ہے ؎

نہ ضرر کفر نہ دین کو کوئی نقصاں مجھ سے
باعث دشمنی اے گبر و مسلماں مجھ سے

غالب کہتا ہو ؎

مجھ تک کب انکی بزم میں آتا تھا دورِ جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

مقدر الفاظ اور جملے

یعنی اب جو دور مجھ تک آیا ہے تو میں ڈرتا ہوں۔ یہ جملہ سارا مقدر ہے۔ میرا فارسی کا دیوان جو دیکھے گا وہ جانیگا کہ جملہ کے جملے مقدر چھوڑ جاتا ہوں مگر ع ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد۔ یہ فرق البتہ وجدانی ہے بیانی نہیں ؎

اگر دریافتی بر دانشت بس
وگر غافل شدی افسوس افسوس

از اسد اللہ روز جمعہ ۱۳ر جنوری ۱۸۵۴ء
(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۵۰

بھائی کیمیا و سیمیا خرافات ہے اگر انکی کچھ اصل ہوتی تو ارسطو اور افلاطون اور بو علی یہ بھی کچھ اس باب میں لکھتے۔ کیمیا اور سیمیا دو علم شریف ہیں جو اشیا کی تاثیر سے تعلق رکھے وہ کیمیا اور جو ستارے سے متعلق ہو وہ

کیمیا اور سیمیا

سیمیا سے

جاں عیسیٰ سیمیا نخورد گے ۔۔۔ دل ہوئے کیمیا نیاورد م

> مرزا کورانہ تقلید کو منع کرتے ہیں

شعر بامعنی ہو گیا۔ یہ نہ سمجھا کرو کہ اگلے جو لکھ گئے ہیں وہ حق ہے کیا آگے آدمی احمق پیدا نہیں ہوتے تھے۔ زمان و زمانہ کو میں پاگل ہوں جو غلط کہونگا۔ ہزار جگہ میں نے نظم و نثر میں زمان و زمانہ لکھا ہوگا۔ وہ شعر کس واسطے کاٹا گیا۔ سمجھو پہلا مصرع لغو۔ دوسرے مصرع میں نبرد کا فاعل معدوم۔ حلقہ زا کی زے پر نقطہ نہ تھا میں نے غصہ میں لکھا کہ نہ حلقہ را درست نہ حلقہ زا درست۔ مگر یہ فارسی بے ولا نہ ہے خیر رہنے دو۔ مرتا ہوں مجھے سمجھاتے ہو "کہ صد جا در کلام اہل زبان خواہند یافت" مگر میں باپی

> اصلاح

کلام اہل زبان نہیں ع گردش چرخ استخواں سائیدہ اس سے یہ بہتر ہے ع سودہ شد استخواں ز گردش چرخ۔ باقی اور مصرع سب اچھے بنائے ہیں۔ غالب

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۵۱

> مرزا صاحب کے صحت نا کی حالت

حضرت پرسوں صبح کو تمہارے سب کاغذ ایک لفافہ میں بند کرکے ڈاک گھر بھجوا دیئے۔ سمجھا کہ اب چند روز کو جان بچی اُسیدن شام کو ایک خط آپکا اور پہونچا اُسکو بھی روانہ کرتا ہوں۔ اپنا حال پرسوں کے خط میں مفصل لکھ چکا ہوں۔ ادنی بات یہ ہے کہ جو کچھ لکھتا ہوں وہ لیٹے لیٹے

لکھتا ہوں۔ مزے کی بات ہے کہ میرا لکھا ہوا میرا حال باور نہیں۔ اور کسی نے
جو کہدیا کہ غالب کے پاؤں کا ورم اچھا ہوگیا اور اب وہ شراب دن کو بھی
پیتا ہے تو حضور نے ان باتوں کو یقین جانا۔ بیس برس گئے یہ بات تھی کہ
ابر و باراں میں یا پیش از طعام چاشت یا قریب شام تین گلاس پی لیتا تھا

دن کی شراب چھوڑ دی

اور شراب شبانہ معمولی میں مجرا نہ لیتا تھا۔ اس بیسؔ برس میں بیسؔ
برساتیں ہوئیں بڑے بڑے مینہ برسے پینا ایک طرف دل میں
بھی خیال نہ گزرا۔ بلکہ رات کی شراب کی مقدار کم ہو گئی ہے حکما جو دو تین یہاں
ہیں اُن کی رائے کے مطابق کل سے نیب کا بھرتا بند ہیگا وہ پکا لائیگا تب
اُسکے چھوڑنے کی تدبیر کیجائے گی۔ تلوا زخمی۔ پنڈلی زخمی۔ اگر وہ نامرد بیہودہ
جھوٹا ہے تو اُسپر ہزار لعنت۔ اور اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر سو ہزار لعنت۔

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)

نمبر ۵۲

اعظم

مرزا تفتہ یہ غلطی تمہارے کلام میں کبھی نہیں دیکھی تھی کہ شعر ناموزوں
ہو۔ بڑی قباحت یہ ہے کہ اعظم بہ تشدید لفظ عربی ہے ع دیگر نتواں گفت خصص را
کہ اعظم است[۱] مگر بحر ادھر ہو جاتی ہے مانا کہ فارسی نویسان عجم نے یوں بھی لکھا ہو کاف
کے اسقاط کی کیا توجیہ کروگے اور پھر اس صورت میں بھی تو بحر بدل جاتی ہے
ناچار اس شعر کو نکال ڈالو۔ ہمیں نے تمہیں قصائد لکھنے کو کہا تھا۔ اب ہم

[۱] نجوعہ خطوط ... صفحہ ۱۰۰
[۲] مجموعہ خطوط غالب مرزا ... مرزادلی سے ۱۲

منع کرتے ہیں کہ عاشقانہ قصائد نہ لکھا کرو مدح بشرط ضرورت لکھو مگر بہ فکر و غور

غالب ۱۶ جولائی ۱۸۶۳ء (بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۲

برکشیدن اور درکشیدن

صاحب۔ کشیدن کی جگہ درکشیدن و برکشیدن بلکہ برکشیدن کی جگہ درکشیدن چاہیئے۔ برآمدن و درآمدن کا استعمال بعض متاخرین نے عام کر دیا ہے یعنی درآید سے برآید کے معنی لیے ہیں لیکن درکشیدن اور ہے۔ اور کشیدن اور۔ میں قریب بمرگ ہوں پاؤں کے ورم نے اور ہاتھ کے پھوڑے نے مار ڈالا ہے۔ باور کرنا اور میرے سب آدمی بلکہ بعض دوست جو روز آتے ہیں وہ بھی گواہ ہیں کہ میں صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک پڑا رہتا ہوں۔ خطوط کی تحریر لیٹے لیٹے ہوتی ہے۔ اشعار اصلاح کو بہت جگہ سے آتے تھے سب کو منع کر دیا۔ ایک رئیس رامپور اور ایک تم ان کی اصلاح رہ گئی۔

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۳

حضرت اس[1] قصیدے کی جتنی تعریف کروں کم ہے کیا کیا شعر نکالے ہیں لیکن افسوس کہ بے محل اور بیجا ہے۔ اس مدح اور اس ممدوح کا بعینہ وہی حال ہے کہ ایک مزبلہ پر سیب کا یا بہی کا درخت اُگ جائے خدا تم کو۔

---

[1] یہ قصیدہ غالباً مرزا تفتہ نے خود مرزا صاحب کی مدح میں لکھ کر بھیجا تھا ۱۲

سلامت رکھے دوکان بے رونق کے خریدار ہو۔!!

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۴

صاحب تم نے تن تن کا ذکر کیوں کیا۔ میں نے اس باب میں کچھ لکھا نہ تھا تن تن اور تنتنا اصوات ہیں تار کے۔ ہندی فارسی میں مشترک۔ تنبیا اور ٹامن کیجے لکھنے کو میں نے منع ہرگز نہیں کیا شوق سے لکھو۔ یہ تم کو سمجھایا تھا کہ تنبیا مخفف نبی بخش اور ٹامن متعلق بالم ہے مشتقات میں سے اس کو تصور نہ کرو قاعدہ دانان اشتقاق تم پر ہنسینگے

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۵

شعر سے بیزاری

لاحول ولاقوۃ کس ملعون نے بسبب ذوق شعر اشعار کی اصلاح منظور رکھی۔ اگر میں شعر سے بیزار ہوں تو میرا خدا مجھسے بیزار میں نے تو بطریق قہر درویش بجان درویش لکھا تھا جیسے اچھی جورو برے خاوند کے ساتھ مرنا بھرنا اختیار کرتی ہے میرا تمہارے ساتھ وہی معاملہ ہے۔

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۶

ایلے اور ایوا

ایلے کے جتنے شعر تم نے لکھے ہیں سب مانع ہیں ایوا کے

اور سند ایوا سے کی۔ موسوی خاں نے بسبب ضرورت شعر ایوا لکھا ہے۔ تہمتن
بروزن قلمزن ہے۔ فردوسی نے سو جگہ شاہنامہ میں تہمتن بسکون ہائے ہوز
لکھا ہے۔ پس کیا اس لغت کی دو صورتیں قرار پاگئیں۔ لاحول ولا قوۃ۔
لغت وہی بحرکت ہائے ہوز ہے میں نے کسقدر کلام کو طول دیا۔ صائب کے
شعر کی حقیقت شرح و بسط سے لکھی تم نے ہرگز اعتنا نہ کیا۔ ایوا کو الگ سمجھے
مصیبتاہ کو جدا سمجھے۔ بھلا میرے قول کو گوز شتر سمجھتے ہو نرا مصیبتا

واحسرتا اور وا مصیبتا

یا حسرتا برہان قاطع میں یا بہار عجم میں ہم کو دکھا دو۔ وہی وائے
ہے کہ جب اسکے بعد مصیبتا یا حسرتا یا ویلا آتا ہے تو تحتانی کو حذف کرکے۔
واویلا وغیرہ لکھتے ہیں۔ چاہو لے واویلی لکھو چاہو واویلا لکھو۔ چاہے آخر میں
ہائے ہوز لکھو۔ جیسا کہ وا مصیبتاہ۔ چاہو نہ ہائے ہوز وا مصیبتا
اور یہی حال ہے حسرت و درد و اسف و دریغ کا جہاں اس کے ساتھ وا مصیبتا
پاؤ۔ وہاں اسکو حرف ندا اور منادی یعنی ہمنشیں اور ہمدم کو مقدر سمجھو۔
فرہنگ لکھنے والوں نے اشعار قدما میں ترکیبیں دیکھیں اپنا قیاس دوڑا کر
اسکی حقیقت ٹھہرالی۔ کہیں اُن کا قیاس غلط کہیں صحیح۔ سو اُن میں یہ دکنی
ایسا کج فہم ہے کہ اسکا قیاس سو لغت میں شاید دس جگہ صحیح ہو میں نے
تو صاف لکھ دیا تھا کہ موسوی خاں کے شعر کی سند پر ایوا کو رہنے دو۔ مگر صائب
کے شعر میں ایوا کو الگ اور مصیبتاہ کو جدا نہ سمجھو۔ تمہارے قیاس نے
پھر تمہیں کہیں کا کہیں پھینکا۔ اور تم نے بھی کہا کہ صائب نے ایوا لکھا ہے
نجات کا طالب غالب ۱۲۔ (بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۷

صاحب قصیدہ پر قصیدہ لکھا اور خوب لکھا آفریں ہے پھر اُستاد کے شعر تضمین کیوں کرتے ہو نہ اسکی کچھ حاجت نہ اُس میں کوئی افزائش حسن تمہاری۔ ایک شعر کو ایک شعر کے بعد رکھدیا ہے تاکہ مقطع کلام ہو جائے۔ پہلا قصیدہ تمہارا ابر و رم در آور م کی ردیف کا سُست ہے اسکو ہم نے نامنظور کیا۔ مگر نظر ثانی میں جو شعر قابل رکھنے کے ہونگے وہ لکھ کر تم کو بھیج دینگے۔ بالفعل ایک شعر کی قباحت تمپر ظاہر کرتے ہیں تاکہ آئندہ اس پالغز سے احتراز کرو مصرع نور سعادت از جبہ قاصدم چکید۔ یہ کیا ترکیب ہے جبہہ بروزن چشمہ ہے یعنی دو ہائے ہوز ہیں جبہ قاصد ایک ہائے ہوز کہاں گئی مصرع ہر کجا چشمہ بود شیرین۔ چشمہ کی جگہ چشہ لکھتے ہو۔ یہ بات ہمیشہ کو یاد رہے اتنے بڑے مشاق سے ایسی غلطی بہت تعجب کی بات ہے۔ میاں مصرع برگ دینانہ ساز و نیش بود۔ یہ کوئی لغت نہیں ایک لفظ نہیں کہ کسی فرہنگ میں سے نکل آئے یہ طرز تحریر یہی کس کو یاد ہے کہ اس کا نظیر کہاں موجود ہے۔ اس امر سے قطع نظر وہ شخص ایسا کہاں کا فارسی داں اور عالم ہے کہ میں لڑکوں کی طرح بیت بحثی کروں۔ دو جوتیاں آپ لگادیں ایک جوتی تم سے لگوادی۔ اب قطع نظر کرو اور سکوت اختیار فرماؤ۔ میں برہان کا خاک اڑا رہا ہوں۔ چار شربت[۵۱] اور غیاث اللغات کو حیض کا لتہ سمجھتا ہوں ایسے گمنام چھوکروں سے کیا مقابلہ کرونگا۔ برہان قاطع کی اغلاط بہت نکالی ہیں دس جزو کا ایک رسالہ لکھا ہے اسکا نام

[۵۱] قتیل کا مشہور تصنیف ہے

قاطع برہان لکھا ہے۔ اب اسکے چھاپے کی فکر ہے۔ اگر یہ مدعا حاصل ہو گیا تو ایک جلد چھاپے کی تم کو بھیج دونگا۔ ورنہ کاتب سے نقل کروا کر قلمی ایک جلد بھیج دونگا۔ بہت سودمند نسخہ ہے۔ غالب جمعہ ۴۔ اکتوبر ۱۸۶۱ء۔

(بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۸

صاحب واقعی سداب کا ذکر کتب طبی میں بھی ہے اور عرفی کے ہاں بھی ہے۔ تمہارے ہاں اچھا نہیں بندھا تھا اسواسطے کاٹ دیا۔ قراب کونسا لفظ غریب ہے جس کو اس طرح پوچھتے ہو۔ خاقانی کے کلام میں اور اساتذہ کے کلام میں ہزار جگہ آیا ہے۔ قراب اور سداب دونوں لغت عربی الاصل صحیح ہیں۔ غالب ۱۲۔ (بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۵۹

دل بسے داغدار بود نماند   در نظر ہا بہار بود نماند

اگر بود کے آگے واو موقوف اور محذوف کردوگے تو ہمارے نزدیک کلام سراسر بلیغ ہو جائیگا۔ میری جان جو خجالت کہ مجھ کو تم سے ہے شاید بسبب عبادت نہ کرنے کے قیامت میں خدا سے بھی نہ ہوگی۔ اور سبب خلاف

شروع کرنے کے پھیر سے بھی نہو گی مگر خدا ہی جانتا ہے جو میرا حال ہے۔
مرگ ناگاہ کا طالب غالب۔ (بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۶۰

مرزا تفتہ صاحب اس قصیدہ کے باب میں بہت باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرنی ہیں پہلے تو یہ کہ خنجر را د گوہر را کو تم نے از قسم تنافر سمجھا۔ اور اسپر اشعار اساتذہ سند لائے۔ یہ خدشہ نہیں پیدا ہوتا مگر لڑکوں کے اور مبتدیوں کے دل میں ؎

شراب نفس تل نخواہد بگیر ساغر را ۔ کہ احتیاج شکر نیست شیر مادر را (سلیم)

یہ غزل شاہجہاں کے عہد کی طرحی ہے۔ صائب قدسی وشعرائے ہند نے اس پر غزلیں لکھی ہیں دوسرے یہ کہ ممدوح کا پورا نام بے تکلف آتے ہوئے خالی کیوں اڑا دو۔ ضیاء الدین احمد خاں نام ہے۔ ہندی میں رخشاں تخلص فارسی میں نیر تخلص ؎ ہما نا نیر رخشاں ضیاء الدین احمد خاں"
دیکھو تو کیا پاکیزہ مصرعہ ہے۔ یہ نہ کہنا کہ شعرا ممدوح کا نام تنگا لکھ جاتے ہیں وہ بسبب ضرورت شعر ہے جس بحر میں پورا نام نہ آئے اس میں شوق سے لکھو جائز روا مستحسن جس بحر میں نام ممدوح کا درست آئے اس میں فروگذاشت کیوں کرو۔ دوشنبہ نہم ستمبر ۱۸۶۱ء (بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۶۱

میں تم کو خط بھیج چکا ہوں پہونچا ہوگا .... تمہارے
شعر میں جو تردد تھا اُسکا جواب میں نے یہ لکھا ہے۔ تم کو بھی معلوم رہے ؎
اے دل سخنے ہست نگہدار زبان را   رفت آنچہ بہ منصور شنیدی تو من ہم
تردد یہ کہ آنچہ بہ منصور رفت نہیں دیکھا۔ آنچہ بر منصور رفت درست ہے۔ جواب۔
باء موحدہ علی کے معنی بھی دیتی ہے۔ پس جو کچھ بر سے مراد تھی وہ باء موحدہ سے
حاصل ہوگئی   اور اگر باء موحدہ کے معنی معیت کے لیں تو بھی درست ہے
نظیری کہتا ہے ؎
شادی کہ غبن میکشی دم نمیزنی   در شہر این معاملہ با ہر گدا رود
اگر کوئی یہ کہے کہ یہاں معاملہ ہے اور اُس شعر میں معاملہ کا لفظ نہیں۔ جواب
اسکا یہ ہے کہ سراسر دونوں شعروں کی صورت ایک ہے۔ نظیری کے ہاں
معاملہ مذکور ہے اور تفتہ کے ہاں مقدر ہے۔ رفت کا صلہ اور تعدیہ باء موحدہ
کے ساتھ دونوں جگہ ہے۔ والسلام۔ اسد اللہ   (بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۶۲

صاحب دیکھو پھر تم دنگا کرتے ہو وہی بیش و بیشتر کا قصہ نکالا۔ غلطی
میں جمہور کی پیروی کیا فرض ہے۔

اقسام یائے تحتانی

یاد رکھو یائے تحتانی تین طرح پر ہے (۱) جزو کلمہ ع ہمائے بر سر مرغان ازاں شرف دارد ع لے سرنامہ نامِ تو عقل گرہ کشائے یہ ساری غزل اور مثل اس کے یہاں یائے تحتانی ہے جزو کلمہ ہے۔ اُس پر ہمزہ لکھنا گویا عقل کو گالی دینا ہے۔

(۲) تحتانی مضاف ہو۔ صرف اضافت کا کسرہ ہے۔ ہمزہ وہاں بھی مخل ہے۔ جیسے آسیائے چرخ یا آشنائے قدیم۔ توصیفی اضافی۔ بیانی کسی طرح کا کسرہ ہو ہمزہ نہیں چاہتا۔ فدائے تو شوم رہنمائے تو شوم یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

(۳) تیسرے دو طرح پر ہے یائے مصدری اور وہ معروف ہوگی۔ دوسری توحید و تنکیر۔ وہ مجہول ہوگی۔ مثلاً مصدری آشنائی یہاں ہمزہ ضرور بلکہ ہمزہ نہ لکھنا عقل کا قصور۔ توحیدی آشنائے یعنی ایک آشنا یا کوئی آشنا۔ یہاں جب تک ہمزہ نہ لکھو گے دانا نہ کہاؤ گے۔

نیم گناہ و نیم نگاہ و نیم ناز۔ یہ روزمرہ اہل زبان ہے۔ نیم بمعنی اندک ورنہ گناہ کا آدھا اور نگاہ کی ادھواڑ اور ناز آدھا۔ یہ مہملات میں ہے۔ ان چیزوں کا مناصفہ کیا اگر تم کو نیم گناہ پسند نہیں تازہ گناہ رہنے دو۔

خستہ۔ بستہ۔ تازہ۔ غازہ۔ خانہ۔ دانہ۔ آوارہ۔ بیچارہ۔ روزہ۔ یوزہ۔ ہزار لفظ ہیں کہ ان کے آگے جب یائے توحید آتی ہے تو اُس کی علامت کے واسطے ہمزہ لکھ دیتے ہیں۔ زرہ۔ گرہ۔ کلاہ۔ شاہ۔ آگاہ۔ آگہ۔ صبحگاہ۔ صبحگہ ایسے الفاظ کے آگے اگر تحتانی آتی ہے۔ تو زرہے۔ گرہے۔ کلاہے۔ شاہے۔

اگاہے۔ آگے۔ گاہے گاہے لکھ دیتے ہیں ۱۲ غالب (بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۶۳

صاحب دوسرا پارسل جس کو تم نے بہ تکلف خط بنا کر بھیجا ہے پہونچا نہ اصلاح کی جگہ نہ تحریر سطور کا پیچ و تاب سمجھ میں آتا ہے۔ تم نے الگ دو ورق پر کیوں نہ لکھا اور چھپدرا چھدرا کیوں نہ لکھا۔ ایک آدھ ورق زیادہ ہو جاتا تو ہو جاتا بہرحال اب مجھے جتنے پڑے ہیں سوالات۔ اگر کوئی سوال میری نظر نہ چڑھے اور رہ جاوے تو سطور کی موڑ توڑ کا گناہ سمجھنا میرا قصور نہ جاننا۔

بلا دیا ہے اس میں تامل کیا ہے لفظ صحیح اور پورا تو یہی ہے۔ رُبا اُسکا مخفف ہے مصرع خار ہا در راہش افشانم کہ چون خواہد شدن۔ بہت خوب اور معقول ہیں اُس وقت خدا جانے کس خیال میں تھا چون خواہد شدن و کنون خواہد شدن ردیف و قافیہ سمجھا تھا۔ لفظ "بے پیر" تو رانی بچہ ہاے ہندی نژاد کا تراشا ہوا ہے۔ جب میں اشعار اردو میں اپنے شاگردوں کو نہیں باندھنے دیتا تو تم کو شعر فارسی میں کیونکر اجازت دونگا۔ میرزا جلال اسیر علیہ الرحمۃ مختار ہیں اور اُنکا کلام سند ہے۔ میری کیا مجال ہے کہ اُن کے باندھے ہوے لفظ کو غلط کہوں لیکن تعجب ہے اور بہت تعجب ہے کہ امیرزادۂ ایران ایسا لفظ لکھے شکست بستن جب ظہوری کے ہاں ہے تو باندھیے یہ روزمرہ ہے اور ہم روزمرہ میں اون کے پیرو ہیں۔ "بے پیر" ایک لفظ ٹکسال باہر ہے

ورنہ صاحب زبان ہونے میں اسیر بھی ظہوری سے کم نہیں ؎

زاہدا این سخنت ہرزہ کہ گفتی چہ شدی حق غفورست گناہے شدہ ام تا چہ شود

پہلے زاہد سے یہ سوال غلط کہ چہ شدی تم ؟ چہ شد سوال ہو سکتا ہے۔ پھر گناہے شدہ ام یہ جواب مہمل۔ گناہے کردہ ام جواب ہو سکتا ہے۔ یہاں تم کہو گے کہ ہمہ تن گناہ یا سراپا گناہ یا سراسر گناہ شدہ ام۔ یہ جواب اُس جواب سے سراسر بے ربط ہے جب تک ہمہ تن گناہ نہو معنی نہیں بنتے۔ ہرگز ہرگز اصلاح دیے ہوئے شعر میں مضمون تمہارا ہی رہا اور ٹکسال کے موافق ہو گیا عجب ہے تم سے کہ صرف شدہ ام اور تا چہ شود کے پیوند میں اُلجھ کر حقیقت معنی سے غافل رہے ؎

بآزار دل خود از چنیں کار آزار چہ میکنی دلم را

اہلی نے زبردستی کی ہے۔ مگر ہاں اُسنے ایک وجہ ٹھہرالی ہے۔ یعنی آزردن مصدر اور آزارد مضارع اور آزار امر یا مرخم یعنی اسم جامد آلہ ہے اور اسم جامد کردن کے ساتھ پیوند پاتا ہے خیر رہنے دو۔

ع کشد آں آہوے وحشی نہ برم فرد[1] ادم" یہ شعر مؤید میرے کلام کا ہے

---

[1] غالباً مرزا تفتہ کسی غزل میں بردارم۔ سر دارم قافیہ رکھکر کسی شعر میں الف ممدودہ لائے ہیں جسکو مرزا نے غلط کر دیا ہے۔ تفتہ نے اُسکی سند میں یہ مصرع پیش کیا ہے اُس کو مرزا صاحب نے اپنے دعوے کا مؤید ٹھہرایا ہے۔ اسواسطے کہ اس میں قافیہ معمولہ ہے اور وہ ممدودہ کا ثبوت نہیں ہو سکتا اسکے بعد مرزا تفتہ نے مصنف ماقیمان کا یہ مطلع پیش کیا ہے ؎

ما مستمندان کوے دلداریم رخ بہ دنیا و دیں نمی آریم

جسکا مرزا نے یہ جواب دیا کہ مصنف ماقیمان تصوف میں مستند ہوں مگر قواعد شاعری میں

(بقیہ صفحہ ۱۴۵)

بر دارم وز رو دارم و سر دارم و فدا - رم یہ سب الفاظ ایک طرح کے ہیں الفت ود
کہیں نہیں - ہاں بُو دارد ، رُو دارد ، فرو دارد تمہارے عقیدے کی تائید کرتا
ہے مگر یہ شعر اُستاد کا نہیں مشایخ میں سے ایک بزرگ تھے مولانا علاؤالدین
ے ما تیغمان کو سے دلداریم + ترجیع بند اُنھیں کا ہے ان کو فقر و فنا و سیر و
سلوک میں مستند سمجھنا چاہیئے ۔ نہ انداز کلام میں -

ع پر مور ست شمشیر کہ بر موے میاں دارد[1] - بھائی خدا کی قسم یہ مصرع
تلوار کی نازکی کی سند نہیں ہو سکتا - یہ تو ایک مضمون ہے کہ مور و تلوار میں مورد
وجہ شبہ علاقہ پر مور با مور مانند علاقہ شمشیر با میان نزاکت وجہ تشبیہ

(بقیہ صفحہ گزشتہ) قابل استناد نہیں ہیں -

ہمارے خیال میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے جس میں تفتہ کے مؤیّد بھی ملتے ہیں مثلاً

مومن خان کی یہ غزل - پیار آجائے - یار آجائے اور مقطع ہے ے

حسن انجام کا مومن مجھے بارے ہے خیال | یعنی کہتا ہو وہ کافر کہ تو مار آجائے

[1] شاید پہلے کسی شعر میں مرزا تفتہ نے تلوار کو نازک باندھا ہوگا - مرزا نے اُس شعر کو نظر
کر دیا ہوگا کہ تلوار کی صفت تیزی ہے نہ کہ نزاکت - مرزا تفتہ نے سنداً یہ مصرع پیش کیا
مرزا نے اس مصرعہ کے مشدجہ خط معنی سمجھائے یعنی یہ کہ تم شاید سمجھتے ہو کہ جس طرح معشوق کی کمر کو
بال سے تشبیہ دی ہے اوسی طرح اوسکی تلوار کو چیونٹی کا پر ٹھہرایا ہے یعنی اوسکی تلوار اتنی پتلی
اور نازک ہے جیسے چیونٹی کا پر - یہ صحیح نہیں ہے بلکہ شعر کا یہ مطلب ہے کہ جو نسبت تلوار کو کمر
کیساتھ ہے وہی نسبت چیونٹی کے پر کو چیونٹی کے ساتھ ہے یعنی معشوق کی تلوار مثل پر مور
کے صحیح نہیں - بلکہ پر مور شمشیر ہے یعنی چیونٹی کے پر اُسکی تلوار ہیں - (باقی صفحہ ۱۲۴ پر)

کبھی نہیں۔ انصاف شرط ہو۔ تلوار کی خوبی تیزی ہے یا نازکی؟ یہ دھوکا نہ کھاؤ اور تلوار کو نازک نہ باندھو۔ موہیں اور تلوار میں مناسبت نہیں پائی جاتی۔ جانیدو شعر سے ہاتھ اُٹھاؤ۔

میاں خمیدن بھی صحیح اور چپیدن بھی صحیح۔ اس میں کس کو تردد ہے۔ مگر لغت اور محاورہ اور اصطلاح میں قیاس پیش نہیں جاتا۔ ہندوستان کے باتونی لوگوں کو خم و چم بولتے سُنا ہے آجتک کسی نظم و نثر فارسی میں یہ لفظ نہیں دیکھا۔ لفظ پیارا مجھکو بھی پسند مگر کیا کروں جو اپنے پیشواؤں سے نہ سنا ہو اُس کو کیونکر صحیح جانوں۔ چمید صیغہ ماضی کا ہے چمیدن سے اور چپیدن ایک مصدر ہے صحیح اور مسلم۔ چپد مضارع چپ امر۔ اس میں کیا گفتگو ہے۔ کلام خم و چم میں ہے۔

سوالات ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اُنکا جواب لکھ دیا۔ اب اشعار کو دیکھتا ہوں خدا کرے مجھسے کوئی سوال باقی نہ رہ گیا ہو اور تم بھی جب ان اوراق طلسمی کو دیکھو تو کوئی صلاح کا اشارہ تم سے باقی نہ رہ جائے۔ غرض یہ ہے کہ اب پھر اس طرح کبھی نہ لکھنا میں بہت گھبراتا ہوں۔

خمیدست و رسیدست میں "نزنی دست" یہ قافیہ درست ہے مگر است کا الف سب جگہ اڑا دو۔ اور یاد رہے کہ صرف سین تے کافی ہے۔ الف ضرور نہیں۔ ۱۲ غالب (بنام مرزا تفتہ)

(بقیہ صفحہ گزشتہ) افسوس ہو کہ مرزا نے دوسرا مصرعہ نہیں لکھا۔ ممکن ہے اوس سے یہ معنی بھی نکلتے کہ چیونٹی کے جب پر نکلتے ہیں تو وہ اُسکے جان کے لیے شمشیر ہیں۔

نمبر ۶۴

حضرت اس غزل میں پروانہ و پیمانہ و بُت خانہ تین قافیے اصلی ہیں
دیوانہ چونکہ علم قرار پاکر ایک لغت جُدا گانہ مشخص ہوگیا ہے۔ اُس کو بھی قافیہ
اصلی سمجھ لیجیے۔ باقی غلامانہ و مستانہ و مردانہ و ترکانہ و دلیرانہ و شکرانہ۔ سب ناجائز
و نامستحسن ایطا ہیں۔ اور ایطا بھی قبیح۔ مجھے بہت تعجب ہے کہ انھیں قافیوں میں
ایطا کا حال تم کو لکھ چکا ہوں۔ اور پھر تم نے غزل مبنی انھیں قوافی پر رکھی کاشانہ
و شانہ و افسانہ و جانانہ و فرزانہ یہ قافیے کیوں ترک کیے۔ یاد رہے ساری غزل
میں مردانہ یا مستانہ یا اُن کے نظائر میں سے ایک جگہ آوے دوسری بیت
میں زنہار نہ آوے۔ یہ غزل نظری ہوگئی اور غزل لکھ کر بھیجو تا اصلاح دیجائے ۱۲

عفو کا طالب غالب (بنام مرزا تفتہ)

نمبر ۶۵

یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز   چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ آئینہ عبارت فولاد کے آئینہ سے ہے
ورنہ حلبی آئینوں میں جوہر کہاں اور ان کو صیقل کون کرتا ہے۔ فولاد کی جس چیز کو
صیقل کروگے بے شبہ پہلے ایک لکیر پڑیگی اُسکو الف صیقل کہتے ہیں جب
یہ مقدمہ معلوم تو اب اس مفہوم کو سمجھیے ع چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

یعنی ابتدائے سن تمیز سے مشق جنوں ہے۔ ابتک کمال فن حاصل نہیں ہوا۔ آئینہ تمام صاف نہیں ہوگیا۔ بس وہی ایک لکیر صیقل کی جو ہے سو ہے چاک کی صورت الف کی سی ہوتی ہے۔ اور چاک جیب آثار جنوں میں سے ہے ۱۲ غالب

(بنام ماسٹر پیارے لال۔ آشوب)
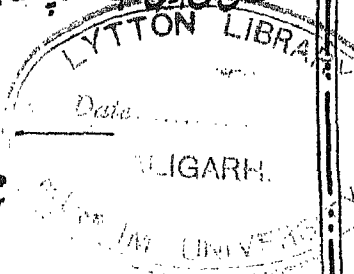
نمبر ۶۶

بندہ پرور آپ کا مہربانی نامہ پہونچا۔ تمہاری اور صاحبزادے کی خیر و عافیت معلوم ہونیسے دل خوش ہوا۔ جو آپکی عبارت سے سمجھ گیا ہوں اُسکا جواب لیجئے اور جو نہیں وہ مطابق میری التماس کے مجھے سمجھا دیجئے۔ عماد عماید شعرائے قدیم میں سے ہے اُسی کے پان سات بیت کی ایک غزل ہے جسکا مطلع یہ ہے ؎

پاے سرتا نشود راہ توُ رفتن نتواں   جز بہ جاروب مژہ کوئے توُ رُفتن نتواں

پہلے مصرع میں رے مفتوح اور دوسرے مصرع میں مضموم۔ باقی اشعار میں گفتن و سفتن وغیرہ قافئے ہیں۔ اُستاد دو مصرعوں میں حرکت ماقبل روی مختلف لایا۔ اگر میں نے پچاس شعر کے قصیدے میں ایک شعر ایسا لکھا تو کیا غضب ہوا۔ آیا معترض صاحب استناد بمثل و نظیر کو نہیں جانتے یا جانتے ہیں اور نہیں مانتے یہ دستور میرا نکالا ہوا نہیں قدیم سے ہے۔ بندہ نواز میں نے لکھا کہ مؤید برہان میرے پاس آگئی ہے اور میں اُسکے اعتراضات کے جواب بہ نشان صفحہ و سطر ایک تختہ کاغذ پر لکھ رہا ہوں۔ بعد اتمام نگارش تمہارے پاس اس مراد سے

بھیجونگا کہ تم ازراہ عنایت مؤید کا جواب لکھو۔ میری نگارش جو پسند آئے اُس کو بھی جابجا درج کردو۔ تم نے اس درخواست کا جواب ہاں۔ نا۔ کچھ نہ لکھا۔ اب عنایت فرما کر ان تینوں باتوں کا جواب لکھئے اور ضرور لکھئے۔ ۱۸ مارچ ۱۸۶۶ء

(بنام منشی حبیب اللہ ذکا)

نمبر ۶۷

اے عتابت بہ عنایت ہمہ شکل۔ آپکا خط حاوی حلّ شبہات جس دن پہونچا اُسکے دوسرے دن جواب لکھکر بھیجدیا۔ دو مصرعوں میں دو لفظ بدلے گئے دو شعروں کے باب میں کچھ تقریر درج ہوئی۔ دو تین شعروں میں تمہاری رائے مسلم رہی۔ باوجود فقدان حافظہ و استیلائے نسیان ایک مصرع کا بدلا ہوا لفظ یاد ہے ع چہ غرۂ غرۂ پیشانی سمند عمر" بدل ع چہ غرۂ غرۂ پیشانی تگاور عمر" دوسرا تبدل اسی قدر یاد رہ گیا ہے۔ کہ شبگرو گران رکاب۔ کچھ اسی طرح کے دو لفظ تھے۔ سبب واؤ عاطفہ کچھ تقدم و تاخر ہو گیا ہے۔ صبح شنبہ ۳۔ ذی الحجہ مطابق یکم مئی سال حال ۱۲ غالب۔

(بنام منشی حبیب اللہ ذکا)

نمبر ۶۸

حضرت مولوی صاحب میں برس دن سے بیمار۔ اور تین مہینے سے

صاحب فراش ہوں۔ اُٹھنے بیٹھنے کی طاقت مفقود۔ پھوڑوں سے بدن لالہ زار۔ پوست سے ہڈیاں نمودار۔ پھوڑے ایسے جیسے انگارے سلگتے ہیں۔ اعضار پر دس جگہ پھائے لگتے ہیں۔ ضعف و ناتوانی علاوہ سوز غم ہائے نہانی علاوہ۔ صنعت سہل ممتنع میں میں نے نواب مختار الملک کو قصیدہ بھیجا۔ کچھ قدردانی نہ فرمائی۔ رد فرقۂ وہابیہ میں ایک مثنوی جو سابق میں لکھی تھی وہ محی الدولہ کو بھیجی رسید بھی نہ آئی۔ اب سنتا ہوں کہ مولوی غلام امام شہید شاگرد قتیل ہا کوس انا ولا غیری بجا رہے ہیں اور سخن ناشناسوں کو اپنا زور طبع دکھا رہے ہیں ایک کم ستر برس کی میری عمر ہوئی سوائے شہرت خشک کے فن شعر کا کچھ پھل نہ پایا۔ قدردانان عصر معتقد ہوئے مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ احسنت و مرحبا کا شور سامع فرسا ہوا۔ خیر ستائش کا حق ستائش سے ادا ہوا۔ مختار الملک نے یہ بھی غضب کیا نہ مدح کی داد دی نہ مدح کا صلہ دیا۔ حیران ہوں کہ نواب صاحب نے مجھے کیا سمجھے۔ محی الدولہ سے اور کچھ نہیں کہتا مگر یہ کہ خدا سمجھے کل سے پلنگ پر لیٹا لیٹا غزل کو دیکھ رہا ہوں اور لیٹے لیٹے یہ سطریں لکھتا ہوں ع۔ دیدیم گل و لالہ چہا رنگ برآورد۔ فقیر کے نزدیک "دیدیم" زائد اگر یوں ہو تو بہتر ہے۔ ہر یک زگل و لالہ الخ ؎

باشد شفقے کاں بلب لعل تو ماند گر چرخ بکام دل ما رنگ برآورد

باشد مخل معنی ہے اگر اس کی جگہ آرد ہو تو بہتر۔ مگر آرد صیغہ مستقبل کا اور آورد ماضی کا۔ اور فاعل دونوں فعلوں کا چرخ ہر چند اساتذہ نے یوں بھی لکھا ہے مگر فارسی گویان ہند نہ مانیں گے۔ پس اس شعر کو یوں لکھنا چاہیے ؎

حاشا کہ شفق مثل لب لعل تو باشد — کے چرخ بکام دل مارنگ برآورد

~~ خوں شد دل غم دیدہ الخ، یہ شعر ہموار ہے نہ صاد کے قابل نہ اصلاح کا محتاج ۴ اور ۵ یہ دو شعر واہ کیا کہنا ہے ~~ اہل ورع الخ یہ بھی ہموار ہے نہ صاد چاہتا ہے نہ صلاح ~~

گوئی کہ زباں در دہنم برگ حنا بود — تا بوسہ زدم آں کف پا رنگ برآورد

مولوی صاحب یہ بات تو کچھ نہیں۔ زبان چاٹنے کا آلہ ہے نہ چومنے کا زبان برگ حنا بن گئی تو بوسے کف پا کیوں حنائی ہو جائے ~~

گوئی دہنم لب زرگ برگ حنا داشت — تا بوسہ زدم آں کف پا رنگ برآورد

مقطع اور اُسکے اوپر کا شعر دونوں اچھے۔ روز چہار شنبہ ۱۰۔ ربیع الاول ۱۲۷۹ھ

مطابق ۲۶ اگست ۱۸۶۲ء (بنام منشی حبیب اللہ ذکا)

نمبر ۶۹

صبح سہ شنبہ ۱۳ صفر سال غفر[1] ۔ صاحب میں تم کو اخوان الصفا میں گنتا ہوں اپنا نور نظر و لخت جگر جانتا ہوں۔ دیکھو تم پر مجھ کو کیا اعتماد ہے کہ خود ضبط راز نہیں کر سکتا اور تم سے رازداری اور امانت میں استواری چاہتا ہوں۔ قصیدہ و غزل میں حیلہ و تحسین بہ اقتضائے بخت و قسمت ہے نہ باندازہ ارزش کلام۔ ممدوح سخن فہم ہوتا تو مجھ کو متوسط کے تساہل کا وہم ہوتا

---

[1] یعنی ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ء

اغنیا کو نہ مذاق شعر سے نسبت نہ مطالعہ اشعار کی فرصت۔ متوسطوں نے بقدر
سلسلہ جنبانی کی لیکن مرجع نے قدردانی کی۔ مولوی غلام غوث خاں بیخبر میر منشی
لفٹنٹ گورنر مخلص خالص الاخلاص ہیں۔ ہرگز ان کو مدعی[1] سے تلمذ نہیں البتہ
اُس کو خوش گو جانتے ہیں۔ اور کبھی نہ ہوگا کہ میرا مقابلہ کریں اور قاطع برہان کا
جواب لکھیں ع باطل است آنچہ مدعی گوید۔ مدعی اپنے زعم میں مجھ کو اپنا ہم فن
جان کر حسد کرتا ہے۔ میرا میر علی شیر جیسا محتسب اور مولوی جامی جیسا مفتی
کہاں سے لاؤں جو نیاؤ کرے اور کاذب کو سزا دے۔ شکر ہے خدا کا کہ تم سخنور
اور سخنداں ہو۔ اور یقین ہے کہ فضلاے ہند میں اور بھی ایسے آدمی ہونگے کہ
میرے اور مدعی کے رتبہ کو تمیز کر سکیں گے۔ ع عید ست بادہ شد فلک و ساغر
آفتاب۔ خالصاً للہ فلک ظرف اور آفتاب مظروف ہے۔ یہ شخص ظرف
کو مظروف اور مظروف کو ظرف ٹھہراتا ہے اس کو کون مسلم رکھے گا۔ اس سے
بڑھ کر ایک اور خدشہ ہے یعنی مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ شبہ شرط ہے آفتاب
و ساغر میں تدویر وجہ شبہ ہے۔ شراب اور فلک میں وجہ تشبیہ کہاں؟ میں
اپنے کو ایسا نہیں جانتا کہ تمہارے کلام کو اصلاح دوں۔ قدردانی کیونکر کہوں
قدر افزائی کرتے ہو۔ دوستانہ نہ استادانہ جو خیال میں آئیگا کہا جائیگا
اگر آپنے اس روش کا یعنے استصلاح کا التزام کیا ہے تو جب تک کاغذ
اشعار میرے پاس بھیجے دیکھ لیا جایا کرے اکثر فیہ شہرت نہ پایا کرے۔ مجموعہ
کلام سابق اگر بھیج دو گے میں بکمال طیب خاطر اسکو دیکھ کر بھیجدونگا۔ آپ تو نا

---

[1] غالباً مدعی سے غلام امام شہید مراد ہیں۔

کیا ضرور ۱۲ نجات کا طالب غالب (بنام منشی حبیب اللہ ذکا)

نمبر ۱۰

صاحب پہلے مطلع میں لطف نہیں - ہاں مضمون لطیف ہے وہ فرد میں خوب آگیا ہے - مطلع ثانی بسبب تعقیدات کے مہمل رہ گیا - ورنہ کا قافیہ اور شعروں میں اور طرح سے بندہ گیا - تیسرا شعر الفاظ بدلنے سے بہت اچھا ہو گیا - جو شعر بے تصرف بدستور رہا اُسکا ذکر کچھ ضرور نہیں - ساقی ابھی چھنی الخ چھنی لفظ غریب ہے اہل دہلی کی زبان زد نہ گوش زد غربال کو چھلنی کہتے ہیں جسکی فارسی پرویزن ہے - اور جس کپڑے میں سالمات کو چھانیں فارسی اوس کی لاے پالا اور اردو صافی ہے یہ پاسے معروف - برابر نہ ہوتا تھا یہ قافیہ دو طرح سے درست ہوا ہے جسطرح چاہو پہنے دو - ع مرنے کا مرے وقت مقرر نہ ہوا تھا - تقرر وقت مرگ کا انکار حشو بلکہ مہمل ہے - مگر ہاں تقرر کا وقت ازل کو قرار دیا جاے - مقطع میری پسند نہیں ہے میسر کی قسم اسکو نہ رکھو اور مقطع لکھ لو ۱۲ - غالب شنبہ ۱۴ - نومبر ۱۸۶۳ء - (بنام منشی حبیب اللہ ذکا)

نمبر ۱۱

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان حقیقت الحق میاں داد خاں

سیّاح کو دعا۔ صاحب وہم اور چیز ہے اور احتیاط اور چیز ہے۔ کارپردازان ڈاک میرے خطوط کے ٹکٹ کبھی نہ دبائینگے۔ اور میرے خطوط کبھی نہ تلف ہونگے۔ آدھ آنہ کی جگہ دوست کا ایک آنہ کیوں کھوؤں۔ گلشن بعض کے نزدیک مؤنث اور بعض کے نزدیک مذکر ہے۔ قلم۔ دہی۔ خلعت ان کا بھی یہی حال ہے کوئی مؤنث کوئی مذکر بولتا ہے۔ میرے نزدیک دہی اور خلعت مذکر ہے۔ اور قلم مشترک چاہو مذکر کہو چاہو مؤنث گلشن البتہ مذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بھائی جہاں الف دبتا ہے میرے کلیجے میں ایک تیر لگتا ہے۔ "رکھتا ہے گلشن بھی" یہ الف دبتا ہوا دیکھکر میں نے "رکھتی ہے" بنا دیا۔ مگر گلشن مذکر مناسب ہے۔ پھلکی یا پھلکا تنہا بے معنی محض ہے۔ ہلکی پھلکی ہلکا پھلکا یوں آئے تو درست ورنہ لغو۔ اور یہ جو پھلکا پتلی چپاتی کو کہتے ہیں یہ دوسرا لغت ہے پھلکے کبھی کوئی نہ بولیگا۔ پانی والی حقہ وقریوں کہینگے۔ نرا وانی اور نرا وقہ نہ کہینگے۔ ہلکا پھلکا۔ ہلکی پھلکی کہینگے۔ ٹیاب چیز کو نرا پھلکا یا نری پھلکی نہ کہینگے تذکیر و تانیث کے باب میں مرزا رجب علی بیگ سے مشورہ لیا کرو۔ اور دبتے ہوئے حروف بھی اُن سے پوچھ لیا کرو ۱۲۔ غالب۔

(بنام سیف الحق سیّاح)

نمبر ۶۲

بھائی ہم نے تم کو یہ نہیں کہا کہ تم مرزا رجب علی بیگ کے شاگرد

ہوجاؤ۔ اور اپنا کلام اون کو دکھاؤ۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ تذکیر و تانیث کو ہم سے پوچھ لیا کرو۔ دکھن بنگالے کے رہنے والوں کو اس امر خاص میں دلّی لکھنؤ کے رہنے والوں کا تتبع ضرور ہے۔ ایک قاعدہ تم کو معلوم رہے عین کا حرف فارسی میں نہیں آتا۔ جس لغت میں عین ہو اُسکو سمجھنا کہ عربی ہے۔ بعد معلوم ہونے اس قاعدہ کے یہ سمجھو کہ غربال غین نقطہ دار مکسور اور رائے قرشت اور بائے موحدہ اور لام یہ لغت فارسی ہے۔ ہندی اسکی چھلنی اور مرادف اسکی پرویزن یعنی فارسی میں چھلنی کو غربال اور پرویزن کہتے ہیں۔ اور چھلنی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو کوئی نجانے۔ رہا غریال یا عریال عین سعفص اور یائے تحتانی سے فصیح و غیر فصیح کیا بلکہ غلط محض و محض غلط ہے۔ ہاں اگر عربی میں چھلنی کو عریال کہتے ہوں تو فارسی غربال اور عربی عریال۔ مگر میں ایسا گمان کرتا ہوں کہ غربال کا عربی میں کچھ اور اسم ہوگا عریال نہ کہتے ہونگے۔ اب تم سُنو فن لغت میں ایک امر ہے کہ اسکو تصحیف کہتے ہیں یعنی لفظ کی صورت ایک ہو اور لفظوں میں فرق جیسا کہ سعدی بوستاں میں کہتا ہے ؎

مرا بوسہ گفتا بتصحیف دہ ۔۔۔ کہ درویش را توشہ از بوسہ بہ

توشہ و بوسہ و نوشہ یہ تین لفظ مصحف ہمدگر ہیں۔ حال آنکہ معانی میں وہ فرق کہ جیسا زمین و آسمان میں۔ توشہ ترجمہ زاد کا۔ بوسہ ترجمہ قُبلہ کا۔ نوشہ اسم دولہا کا۔ صاحبان فرہنگ میں برہان قاطع والا تصحیف میں بہت مبتلا ہے۔ گزر اور گزر خربزہ اور خربزہ ؟ کہتا ہے کہ سدا بسین سعفص نقط

فارسی ہے بمعنی آواز اور صدا بہ صاد تعریب ہے۔ جو لغات تے میں لکھے ہیں
انھیں لغات کو طوئے میں لکھتا ہے۔ حال آنکہ جس طرح عین فارسی میں نہیں
ہے طوئے بھی نہیں ہے۔ مثلاً تشت لغت فارسی الاصل ہے املا اس کا طوئے
سے غلط ہے۔ برہان قاطع والا اس کو تے سے بھی لایا ہے اور طوئے سے
بھی محققین جانتے ہیں کہ صدا بمعنی آواز لغت عربی الاصل ہے نہ معرب
اور سدا سین سے ہرگز فارسی میں آواز کو نہیں کہتے۔ ہاں اردو کے
محاورہ میں بمعنی ہمیشہ کے مستعمل ہے۔ قصہ کوتاہ غربال بمعنی چھلنی کے لفظ
فارسی الاصل صحیح اور فصیح ہے۔ اور عریال اگر کسی اور فرہنگ عربی میں
مثل قاموس اور صراح وغیرہ کے بمعنی چھلنی کے نکلے تو اس کو مانو ورنہ
یہ برہان قاطع والے کی خرافات میں سے ہے۔ نجات کا طالب غالب ۱۲

۲۷ فروری۔ (بنام سیف الحق سیاح)

نمبر ۴۳

منشی صاحب تمہارے خط پہنچنے کی تم کو اطلاع دیتا ہوں اور
مطالب مشروحہ کا جواب لکھتا ہوں اور اپنے دوست روحانی مرزا رجب علی
بیگ سرور کو سلام کہتا ہوں کہ دیجیے گا بلکہ یہ رقعہ دکھا دیجیے گا۔ بعض لوگ
"آن بان"[1] بولتے ہیں مگر فقیر کے نزدیک "آن تان" صحیح ہے۔ اور یہی

---

[1] لکھنؤ میں آن بان ہی بولتے ہیں۔ مگر عبارت مندرجہ خط سے معلوم ہوا کہ دہلی میں
(بقیہ صفحہ ۱۳۵ پر)

فصیح ہے۔ پہ بمعنی لیکن لفظ مشہور ہے اور یہ اُسکا مخفف ہے۔ اس میں شاید کسی کو کلام نہو۔ کوئی اور لکھے یا نہ لکھے میرے اردو کے دیوان میں سو دو سو جگہ یہ لفظ آیا ہوگا۔ مجھ کو بنگالے سے آئے ۳۲-۳۳ برس ہوئے بہت احباب مر گئے۔ بہت متفرق ہو گئے۔ اب ایسا وہاں کوئی نہیں جس سے ارسال رسائل کی رسم و راہ ہو۔ صاحب وہ شعر جس کو تم نے پوچھا ہے یہ ہے

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو ‏ کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

دو شعر اس غزل کے اور یاد آ گئے ہیں۔ وہ دوسرے صفحہ پر لکھتا ہوں

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب ‏ آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی
گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں ‏ کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

دیکھو پہ پر کا مخفف ہے بمعنی لیکن۔ بنارس کا کیا کہنا ہے ایسا شہر کہاں پیدا ہوتا ہے۔ انتہائے جوانی میں میرا وہاں جانا ہوا۔ اگر اس موسم میں جوان ہوتا تو وہیں رہ جاتا اور ادھر کو نہ آتا

عبادت خانۂ ناقوسیانست ‏ ہمانا کعبۂ ہندوستانست

جس بحر میں کوئی اسم یا کوئی لفظ نہ آ سکے اُسکی تدبیر فردوسی اور خاقانی سے بھی نہوگی۔ تدبیر کیا کروگے نام تمہارا آ سکتا ہے لیکن الف وقایہ رہتا ہے۔ خدا کے واسطے اس کی تدبیر میرزا صاحب سے بھی ضرور پوچھنا۔ نجات کا طالب
غالب ۱۲۔ فروری ۱۸۶۱ء (بنام سیف الحق سیاح)

آن تان بھی بولا جاتا تھا۔ اور ممکن ہے کہ اب بھی بعض لوگوں کی زبان پر ہو ۱۴۰

نمبر ۴۲

بھائی تمہاری جان کی اور اپنے ایمان کی قسم کہ میں فن تاریخ گوئی و معمّے سے بیگانہ محض ہوں۔ اُردو زبان میں کوئی تاریخ میری نہ سنی ہوگی۔ فارسی دیوان میں دو چار تاریخیں ہیں اُنکا حال یہ ہے کہ مادہ اور دل کا ہے اور اشعار میرے ہیں۔ تم سمجھے کہ میں کیا کہتا ہوں۔ حساب سے میرا جی گھبراتا ہے۔ اور مجھ کو جوڑ لگانا نہیں آتا ہے۔ جب کوئی مادہ بناؤنگا حساب درست نہ پاؤنگا۔ دو ایک دوست ایسے تھے کہ اگر حاجت ہوتی تو مادۂ تاریخ وہ مجھے ڈھونڈھ لا دیتے میں موزون کرتا۔ اور اگر آپ میں نے مادہ کی فکر کی ہے اور یہی حساب جمل منظور رکھا ہے تو ایسے ایسے تعمیے و تخرجے آگئے ہیں کہ وہ تاریخ ہنسی کے قابل ہو گئی ہے۔ کلکتہ میں قاضی القضاۃ سراج الدین علی خاں مرحوم کی قبر پر مسجد بنی ہے اُنکے بھتیجے مولوی ولایت حسین خان نے استدعائے تاریخ کی میں نے لکھی چنانچہ وہ فارسی دیوان میں موجود ہے ؎

مفتی عقل از پئے تاریخ ایں بنا — ایما بسوئے من زرہِ احترام کرد

گفتم بوے بدیہہ خوشا خانۂ خدا — شد خشمگین دمے کہ نذارد کلام کرد

خاشاک رُفت و پائے ادب در شکنجہ ریخت — ایہام را بہ تخرجہ معنی تمام کرد

واسطے خدا کے غور کرو خوشا خانۂ خدا مادہ پھر اُس میں سے خاشاک کے عدد دور کرو نو سو بائیس کا تخرجہ پھر بھی دو اور زیادہ رہے پائے ادب توڑا۔ بھلا یہ کوئی تاریخ ہے مگر ہاں حساب کے قاعدہ سے باہر کچھ معنی ہنگالی کے طور پر

میرا ایجاد ہے اور وہ لطف رکھتا ہے۔ ایک شخص ۱۲۴۸ میں مرا اُس کی تاریخ میں نے لکھی ہے۔

ز سال واقعۂ میرزا مسیتا بیگ — مآت راست شمار ائمۂ امجاد
صحیفہ ہائے سماوی مبین از عشرات — حدیقہ ہائے بہشتی مشخص از آحاد

ائمہ بارہ یعنی بارہ سو پھر کتب سماوی چار دہائی کے چار یعنی چالیس بہشت آٹھ چالیس اور آٹھ اڑتالیس بارہ سو اڑتالیس دوسری تاریخ بارہ سو ستر کی ہے

از بروج سپہر جوئے مآت — عشرات از کواکب سیار

برج بارہ سات دہائی کے ستر

یہ جو لکھتے ہو کہ سید غلام بابا کسی بحر میں نہیں آتا کیوں نہیں آتا ہے

جب کہ سید غلام بابا نے — مسند عیش پر جگہ پائی
ایسی رونق ہوئی برات کی رات — کہ کواکب ہوئے تماشائی

دوسری بحر سنو ہے

ہزار شکر کہ سید غلام بابا نے — فراز مسند عیش و طرب جگہ پائی
زمیں پہ ایسا تماشہ ہوا برات کی رات — کہ آسماں پہ کواکب بنے تماشائی

اس بحر میں سماتا ہوا کوئی مادہ بہم پہنچاؤ۔ تاریخ کہہ لو۔ وہ دوست جو مادہ ڈھونڈھ دیتے تھے وہ جنت کو سدھارے۔ میں جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں معذور اور مجبور ہوں۔ غالب سہ شنبہ ۱۱ محرم ۲۱ جولائی سال حال۔

(بنام سیف الحق سیاح)

نمبر ۵

پیر و مرشد سلامت۔ اعضا۔ فرسودہ اور بودے ہو گئے۔ روح اُن میں دوڑتی نہیں پھرتی۔ مگر ابھی مفارقت نہیں کر گئی۔ خدا جانے کس کمین میں ہے۔ اعضا نکمے ہو گئے۔ اب وہ کام جو اُن سے متعلق تھے بند ہو گئے آپکا حکم ماننا اور آپ کی خدمت بجالانی دل سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ لطیفہ غیبی یعنی روح کے کام ہیں جب تک وہ باقی ہے سر انجام پائے جائینگے "خاکم بدہن" واسطے اقوال کے ہے۔ جب کوئی کلمہ مکروہ طبع کہتے ہیں تو "خاکم بدہن" کہہ لیتے ہیں عمر خیام سے

بر خاک کجی تختی مے ناب مرا ــــــ خاکم بدہن مگر تو مستی ربی

اور خاکم بسر اور خاکم بفرق عام ہے جیسا کہ میں ایک شہزادہ کے مرثیہ میں کہتا ہوں سے

اے اہل شہر مدفن ایں دو ماں کجاست ــــــ خاکم بہ فرق خواب گہ خسرواں کجاست

اُستاد[1] سے

خاکم بسر کہ عاشق کار آزمودہ ام ــــــ دانم کہ بار قیب بخلوت چہا رود

آپ کے ہاں اور مولوی روم کے ہاں "خاکم بدہن" کا متوقع نہیں جیسا کہ مولوی معنوی نے نہیں لکھا حضرت بھی اپنے ہاں نہ لکھیں ع فرق است در میانہ کہ بسیار نازک است + نجات کا طالب غالب ۱۲ (بنام شہزادہ بشیر الدین)

---

[1] یہ شعر نواب مصطفٰی خاں شیفتہ کا ہے۔

نمبر ۷۶

غالب جنا کنار کہتا ہے کہ شعرائے ایران کلہم اجمعین مسلم الثبوت ہیں اور اُنکا کلام سند ہے سخنوران ہند میں امیر خسرو دہلوی بھی ایسے ہی ہیں جیسے اہل ایران۔ اہل ہند میں امیر خسرو دہلوی نے اہل ایران میں رودکی و فردوسی سے لیکر جامی تک اور جامی سے صائب و کلیم تک کسی نے لغت کی کوئی کتاب لکھی ہو کوئی فرہنگ جمع کی ہو تو ہمیں دکھاؤ۔ اس کو اگر میں نہ مانوں اور سند نہ جانوں تو میں گنہگار۔ جتنی فرہنگیں اب موجود ہیں نام ان کے کہاں تک لوں مشہور و غیر مشہور کچھ کم سو رسالے ہونگے۔ ان سب رسالوں کے جامع ہندی ہیں۔ کوئی اہل زبان نہیں ہے۔ اشعار اساتذہ ایران کو ماخذ ٹھہرا کر جو لغات اُنکی نظم میں دیکھے بمناسبت مقام اُن لغات کے معنے لکھدیئے استنباط معنے کا مدار قیاس پر ہے میں نہیں کہتا کہ قیاس اُنکا سراسر غلط میرا قول یہ ہے کہ کمتر صحیح اور بیشتر غلط ہے۔ ان سب فرہنگ لکھنے والوں میں یہ دکن کا آدمی یعنی جامع برہان قاطع احمق اور غلط فہم اور معوج الذہن ہے مگر قسمت کا اچھا ہے مسلمان اُسکے قول کو آیت اور حدیث جانتے ہیں اور ہندو اُسکے بیان کو مطالب مندرجہ بید کی برابر مانتے ہیں۔

گیا اور گیاہ بہ کاف فارسی مکسور سبز گھانس کو کہتے ہیں۔ گیا بہ کاف فارسی مفتوح کوئی لغت فارسی نہیں ہو ہرگز نہیں ہے۔

مولوی روم اور حکیم سنائی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے شعر کسنے دیکھے
ہیں کہ اُنھوں نے اپنے ہاتھ سے کاف پر دو مرکز اور فتحہ بنا دیا ہو۔ فرہنگ
نویسوں کی رائے کی تباہی اور قیاس کی غلطی ہے جو ایسا سمجھے ہیں۔
نہ گیا بمعنی وہ ہے نہ گیا بمعنی مقدم وہ ہے نہ گیا بمعنی پہلوان ہے۔ نہ کار گیا
کوئی لفظ ہے نہ کوئی لغت ہے۔ کے بہ کاف عربی مفتوح بروزن سے
ایک لغت فارسی ہے ذو معنیین یعنے دو معنے دیتا ہے ایک تو
کب یعنے کس وقت اور دوسرے معنے اُسکے ہیں حاکم اور مالک
کے الف جو اُسکے آگے آتا ہے کثرت کے معنے دیتا ہے جیسے خوشا
بہت خوش بدا بہت بد۔ کیا بڑا حاکم ؎

عشق آں بگزیں کہ جملہ او کیا | یا فتند از عشق او کار کیا

یعنی بہ سبب عشق کار بزرگ یافتند ؎

سر فرد بردیم تا بر سروراں سر شدیم | چاکری کردیم تا کار کیائی یافتیم

یہاں بھی وہ کار بزرگ یعنی بڑا کام۔ پس یائے تحتانی اگر مجہول ہے تو
تعظیمی ہے اگر معروف ہے تو مصدری ہے یعنی بزرگی کا کام حکومت کا کام
"وہ کیا" مضاف و مضاف الیہ مقلوب ہے یعنے "کیا ہی وہ" اور حاکم وہ
"کار کیا" مثلاً یعنی کیا ئے کار و مالک کار۔ جہاں ما قبل اس کے را ئے مکسور
لائینگے وہاں "کار" موصوف اور "کیا" صفت ہے۔ نہایت تحقیق و اصل حقیقت
یہ ہے۔ فقیر نے جہاں "کیا" کے لفظ پر خط مستطیل کھینچا ہے وہ علامت فتحہ ہے
دو سرا مرکز نہیں جو کاف فارسی سمجھا جائے۔ داد کا طالب غالب (بنام منشی کیول رام ہشیار)

نمبر ۶۶

فقیر اسد اللہ جناب مخدومی مولوی کرامت علی صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ آپکی تحریر کے دیکھنے سے یاد آیا کہ آپ میرے ہاں آئے ہیں اور میں نے آپ کی ملاقات سے حظ اٹھایا ہے۔ حل معنی اشعار کی یہ صورت ہے کہ ہندی کے شعر میرے نہیں شعرائے لکھنؤ میں سے کسی کے ہیں بلکہ اغلب ہے کہ ناسخ کے ہوں۔ اشعار فارسی البتہ میرے ہیں ؎

خواست کز عار تجرد و تقریب رنجیدن نداشت
جرم غیر از دوست پرسیدیم و پرسیدن نداشت

داشتن بمعنی رکھنے کے ہے۔ لیکن اہل زبان بمعنی بایستن بھی استعمال کرتے ہیں۔ ظہوریؒ ؎

گر اسیر زلف و کاکل گشتہ باشم خویش را
گشتہ باشم این قدر بر خویش پیچیدن نداشت

میرے شعر میں پہلے مصرعہ کا داشت بمعنی رکھنے کے اور دوسرے مصرعہ کا داشت بمعنی بایست ہے۔ مفہوم شعر یہ کہ دوست ایسا حیلہ ڈھونڈھتا تھا کہ اس کے ذریعے سے مجھ سے خفا ہو۔ چاہتا تھا کہ آزردہ ہو مگر سبب نہیں پاتا تھا۔ قضارا کچھ دنوں کے بعد رقیب سے معشوق کو ملال ہوا۔ میری جو

شامت آئی ہیں نے دوست سے پوچھا کہ رقیب نے کیا گناہ کیا جو راندۂ درگاہ ہوا معشوق اسی گستاخی کو بہانہ عتاب ٹھہرا کر آزردہ ہو گیا۔ اب شاعر افسوس کرتا ہے اور کہتا ہے ہائے پرسیدن ندانشت یعنی پوچھنا نہ چاہیئے تھا ؎

دیر خواندی سوئے خویش و زود فہمیدم دریغ
پیش ازیں پایم ز گرد راہ پیچیدن نداشت

عاشق ایک عمر تک منتظر رہا کہ یار مجھ کو بلا دے۔ مگر اُس عیار نے نہ بلایا رفتہ رفتہ میں غم سے ایسا زار و ناتواں ہو گیا کہ طاقت رفتار نہ رہی اور گرد راہ سے میرے پاؤں اُلجھنے لگے جب اُسنے یہ جانا کہ اب نہ آسکے گا تب بُلایا۔ عاشق کہتا ہے کہ تو نے میرے بلانے میں دیر کی اور میں اسکی وجہ جلد سمجھ گیا کہ تو نے میرے بُلانے میں اسواسطے دیر کی کہ اس سے پہلے میں ایسا ضعیف نہ تھا کہ تو بلائے اور میں نہ آؤں۔ دریغ کو یہ سمجھا جائے کہ زود فہمیدن پر ہے یا پہلے سے بیمار نہ ہونے پر ہے۔ دریغ ہے دوست کی بیوفائی اور بے سبب آزار دینے اور اپنی عمر کے تلف ہونے پر ؎

من بوفا مردم و رقیب بدر زد
نیمہ لبش انگبیں و نیمہ تبرزد

انگبیں شہد کو کہتے ہیں اور تبرزد مصری کو کہتے ہیں ان معنوں میں کہ یہ مانند قند اور بتاشوں کے جلد ٹوٹنے والی نہیں جب تک اُس کو تبر سے نہ توڑو مدعا حاصل نہیں ہوتا۔ بدر زدن۔ اگرچہ لغوی معنے اسکے ہیں باہر ڑنا یعنی بد ربا ہر۔ اور زدن مارنا۔ لیکن روزمرہ میں اسکا ترجمہ ہے نکل جانا۔ اب جب یہ معلوم ہو گیا تو یوں سمجھئے کہ معشوق کے ہونٹوں کو میٹھا کہتے ہیں۔ اور

قند اور مصری اور شہد سے نسبت دیتے ہیں اور لیبتہ مکھی مٹھاس کی عاشق ہے پس جو مکھی کہ مصری پر بیٹھی وہ جب چاہے بے تکلف اڑ جائے اور جو مکھی کہ شہد پر بیٹھے گی جب وہ اڑنے کا قصد کرے گی پر و بال اُسکے شہد میں لپٹ جاینگے اور وہ مر کر رہ جائیگی پس اب یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے ہونٹ شیرینی میں میرے واسطے شہد ہو گئے اور رقیب کے واسطے مصری یعنے وہ چاٹ کر لطف اُٹھا کر صحیح و سالم چلا گیا اور میں پھنس کر وہیں مر کر رہ گیا ٭

نمکش ہیں وہ اعتماد و نفوذ بش گر مے افگند ہم رخنہ جگر زد

زدن لازمی بھی ہے۔ اور متعدی بھی لازمی کے معنی ہندی میں لگ جانا اور متعدی کے معنے مارنا یہاں دو لازمی ہیں اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ نمک شراب کو بگاڑتا ہے یعنے اگر شراب میں نون ڈال کر ایک آدھ دن دھوپ میں رکھیں تو اُس میں نشہ جاتا رہتا ہے اور وہ سرکہ ہو جاتا ہے۔ اور زخم پر اگر نمک ڈالیں تو وہ کٹا ؤ کرتا ہے اور زخم کو بڑھاتا ہے مقصود شاعر کا یہ کہ تو میرے معشوق کے نمک کو دیکھ اور دیکھ کہ اوس نمک کے نفوذ پر کتنا بھروسہ ہے۔ اگر وہ اوس نمک کو شراب میں ڈال دیتا ہے تو وہ شراب میں نہیں ملتا اور زخم جگر پر جا لگتا ہے۔ یعنی اگر بے محل بھی کرشمہ کرتا ہے تو بھی وہ اپنا کام کرتا رہتا ہے ٭

کیست درین خانہ کہ خط شعاعی ہر نفس ریزہ ہا بہ روزن در زد

یہ خیال ہے یعنی ایک گھر میں اسکا محبوب بیٹھا ہوا ہے۔ اور اُسنے جان

لیا ہو کہ کون ہے۔ مگر بطریق تجاہل بھولا بن کر پوچھتا ہے کہ آیا اس گھر میں ایسا کون ہے کہ جس نے آفتاب نے اپنی سانس کے ٹکڑے فرط شوق سے دروازہ کے روزن پر پھینک دیئے ہیں فیہ آفتاب کے خطوط شعاعی کا روزنوں میں پڑنا اور اُن خطوط شعاعی کا یعنی سورج کی کرن کا بصورت سانس کے ٹکڑوں کے ہونا ظاہر ہے ۔

دعوی او را بود دلیل بدیہی　　خندۂ دنداں نما بہ حسن گہر زد

خندۂ دنداں نما اُس ہنسی کو کہتے ہیں جو تبسم سے بڑھ کر ہو اور اُس میں دانت ہنسنے والے کے دکھائی دیں۔ معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا اور ہنستا کوئی اُسی چیز پر ہے جس کو اپنے نزدیک ذلیل سمجھ لیتا ہے حاصل معنی یہ کہ میرا معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا گویا اُسنے یہ دعوی کیا کہ موتی کچھ اچھی چیز نہیں اب دعوی کے واسطے دلیل ضرور ہے۔ سو شاعر یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے دعوی پر دلیل بدیہی ہے یعنے ہنسنے میں اُسکے دانت نظر آئے معلوم ہوا کہ وہ حسن جو لوگ موتی میں گمان کرتے تھے وہ لغو ہے حسن یہ ہے کہ جو معشوق کے دانتوں میں ہے۔ پس اسی دلیل کو سب نے دیکھ لیا اور چونکہ بدیہی تھی مان لیا ۔

غیرت پروانہ ہم بروز مبارک　　نالۂ آتش جبال مرغ سحر زد

پروانہ کی غیرت دن کو بھی مبارک سمجھنی چاہیئے۔ پروانہ کی غیرت وہ غیرت نہیں کہ جو پروانہ میں ہو یا پروانہ کو ہو۔ بلکہ وہ غیرت کہ جو اور کو آتی ہو پروانہ پر یعنی رشک۔ حاصل معنی یہ کہ میں تو دن رات عشق میں جلتا ہوں رات

کو جو پروانہ جلتا ہوا دیکھتا تھا تو مجھ کو اُس پر رشک آتا تھا۔ دن کو کوئی ایسا نہ
تھا کہ مجھ کو اُسپر رشک آوے۔ لو اب وہی غیرت اور وہی رشک جو پڑا شمع
پر شب کو تھا اب دن کو بھی مبارک ہو۔ یعنے میرے صبح کے نالوں
سے مرغ سحر کے پروں میں آگ لگ گئی اور میں اپنی مستی اور بیخودی میں
یہ نہیں جانتا کہ یہ میرے نالے کے سبب سے ہے مجھ کو وہ رنج اور غصہ تازہ
ہو گیا جو رات کو پروانہ کو دیکھکر کھاتا تھا۔ اب مرغ سحر کو جلتے ہوئے دیکھکر
جلتا ہوں کہ ہاے یہ کون ہے کہ جو میری طرح جلتا ہے ؎

لشکر ہوشم بدرد سے شکستی ۔ غمزۂ ساقی نخست راہ نظر زد

نظر فکر کو بھی کہتے ہیں اور نگاہ کو بھی۔ یہاں نگاہ کے معنی ہیں۔ شاعر کہتا ہے
کہ میں ایسا نہ تھا کہ شراب کی تاب نہ لاتا اور شراب پی کر بیہوش ہو جاتا مگر
کیا کروں کہ پہلے غمزۂ ساقی نے نگاہ کو خیرہ اور مغلوب کر دیا پھر
اُسپر شراب پی گئی بیخودی کا استعداد تو بہم پہنچ ہی گیا تھا ناچار ہوش
جاتے رہے ؎

زاں بت نازک چہ جاے دعوی خون ست ۔ دست وے و دامنے کہ او بکمر زد

اس شعر کا لطف وجدانی ہے بیانی نہیں ہے معنی اسکے یہ ہیں کہ اُس
معشوق سے کہ وہ بہت نازک ہے۔ خون کا دعوی کیا کریں کہ اُس کو وقت
عزم قتل دامن گردانتے وقت وہ صدمہ پہونچا کہ اُسکا ہات سے اور وہ
دامن کہ جو اُس نے گردان کر کمر پر باندھا تھا اوس سے ایسا لچکا کمر کو پہونچا
ہے کہ وہ آپ اپنے دامن پر داد خواہ ہو رہا ہے۔ پس اُس سے کوئی

خون کا کیا دعویٰ کرے گا قطعہ

برگ طرب نخفتیم و بادہ گرفتیم | ہر چہ زطبع زمانہ بیہدہ سر زد
شاخ چہ بالد گر ار مغاں گل آورد | تاک چہ نازد اگر صلائے ثمر زد

شاعر کہتا ہے کہ یہ دو بیہدہ گیاں بمقتضائے طینت خاک ہر طرف ظاہر ہوا کرتی ہیں مثلاً گنا۔ اب کچھ خاک کو اور ہوا کو بھی منظور نہیں کہ اُس کا رس نکلے اور اُس کا قند بنے۔ یہ آدمی کی دانشمندی ہے کہ اُس نے اُس گھاس میں سے یہ بات پیدا کی۔ بس اسی طرح انگور ہیں اور گلاب کے پھول ہیں شاخ گل کیا جانے کہ پھول میں کیا خوبی ہے اور تاک کیا جانے کہ میرے پھل میں کیا ہنر ہے۔ ہم نے اپنی زورِ عقل سے انگور کی شراب بنائی اور پھولوں کو ہر رنگ سے اپنے کام میں لائے۔ ۵

کام نہ بخشیدۂ گنہ چہ شماری | غالب مسکیں بہ التفات نیرزد

یہ گستاخانہ اپنے پروردگار سے کہتا ہے کہ جب اس عالم میں تو نے میری داد نہ دی اور میری خواہشیں پوری نہ کیں تو بس اب معلوم ہوا کہ میں لائق التفات کے نہ تھا۔ پس جب میں لائق توجہ کے نہیں تو اب عالمِ عقبےٰ میں میرے گناہوں کا مواخذہ کیا ضرور ہے جب ہمارے مطالب آپ نے ہم کو نہ دیئے تو ہمارے معاصی کا بھی شمار نہ کیجئے۔ جانے دیجئے۔ ہم میں التفات کی ارزش نہیں ہے۔ ۱۲۔ غالب (بنام مولوی کرامت علی)

نمبر ۶

برخوردار۔ غزل تمہاری ہم کو پسند آئی اصلاح دیکر بھیجدی گئی۔ اسکا تم خیال رکھا کرو کہ کس لفظ کو کس معنی کے ساتھ پیوند ہے ع چرا نہ یاس بجان امیدوار افتد۔ یہاں افتد مہمل ہے۔ یاس بدل افتادن و یاس بجاں افتادن روزمرہ نہیں۔ اور بھی کئی افتد ایسے ہی ہیں ؎

سیاہ بختم اگر بر سرم گزار افتد　　بساں سایۂ ہما نیز سوگوار افتد

سوگوار ہونا سایہ کا باعتبار سیاہی رنگ ہے اب یہاں دونو افتد ٹھیک ہیں گزار افتادن روزمرہ اور دوسرا افتد بمعنی واقع شود ؎

شنیدہ ام بجفائے تو مبتلاست دلے　　چرا نہ شور بجان امیدوار افتد

شور افتادن روزمرہ ہے اور یاس افتادن غلط ؎

بہ حیرتم کہ ز دوزخ کسان دوزخ را　　کجا برند چو آہم شرارہ بار افتد

یہاں افتد بمعنے واقع شود ٹھیک ؎

نہ گبرم و نہ مسلمان بحیرتم کہ مرا　　سوائے دوزخ و مینو کجا گزار افتد

یہ شعر تمہارا بہت خوب ہے آفرین ؎

قرار در وطن افسردہ می کند دل را　　خوشا غریب کہ دور از دیار یار افتد

یہاں بھی افتد صحیح و با معنی ؎

نیم رقیب کہ رسوائیم خجل نکند　　خوش است پیشم اگر یار پردہ دار افتد

یہاں بھی افتد بمعنے واقع شود ؎

تو اگر شیوہ دگرگوں کنی بزعم بتاں   خوش ست گر ز جفا بر وفا قرار افتد

افتد یہاں بھی ٹھیک ہے بات اتنی ہی تھی کہ یہ دو گدلا لفظ تھا کنی صاف ہے ؎

خط رخ تو بدل داد خط آزادی   خوشم کہ در شکن زلف تابدار افتد

وہ صورت اچھی نہ تھی یہ طرز خوب ہو گئی معنی کا عیار کامل ہو گیا ؎

چکد ز خامہ جوہر سخن چنانکہ مگر   بزور موج دُر از بحر بر کنار افتد

دولت و اقبال روز افزوں و روزی باد۔ از اسد اللہ نگاشتہ شنبہ نہم اپریل سنہ ۱۸۵۳ عیسوی۔   (بنام منشی جواہر سنگھ جوہر)

نمبر ۹

فرزند دلبند سعادتمند منشی ہیرا سنگھ کے حق میں میری دعائیں قبول ہوں اور اُن کے جتنے مطالب و مآرب ہیں وہ عنایت الٰہی سے پورے ہوں۔ بھائی لب ساحل کی سند پر یہ شعر ہے طالب آملی کا ؎

شدم آں گدائے خونیں دل   بود تبخالہ لب ساحل

لب بام، لب فرش، لب گور، لب چاہ، لب دریا، لب ساحل بمعنے کنارہ کے مستعمل اہل ایران لب بام اُس مقام کو کہتے ہیں کہ جہاں ایک قدم آگے بڑھائیے تو دھم سے انگنائی میں آئیے۔ پس لب دریا اُسے سمجھئے جہاں سے قدم بڑھائیے تو پانی میں جائیے۔ لب ساحل وہ ہوا جہاں سے آگے

بڑھے تو دریا میں گرے۔ لب دریا سے پاؤں پانی پر رکھا جاتا ہے۔ جیسا نہانے کیواسطے۔ اور لب ساحل سے دریا میں کودتے ہیں جس طرح سلطان جی کی باؤلی میں لب بام سے تیراک کودتے ہیں۔ اسی طرح تیراک جہاں دریا کا پانی نشیب میں ہوتا ہے وہاں کرارے کے کنارے پر سے کودتے ہیں۔ کرارا ساحل اور کرارے کا کنارہ لب ساحل جو صاحب کہ لب ساحل کو صحیح نہیں جانتے کیا وہ طالب آملی کو بھی نہیں مانیں گے اور اس لفظ پر اعتراض کرنیکا سبب یہ ہے کہ ان بیچاروں نے سوائے گلستاں بوستاں کے کوئی فارسی کی کتاب نہیں دیکھی۔ اگر مدت تک قدما کی تصنیفات نظر میں رکھینگے تو یقین ہے کہ دیکھ لینگے۔ نجات کا طالب غالب۔

(بنام منشی ہیرا سنگھ)

نمبر ۸

آیئے جناب میر مہدی صاحب دہلوی، بہت دنوں میں آئے کہاں تھے بارے آپکا مزاج خوش ہے۔ میر سرفراز حسین صاحب اچھی طرح ہیں میرن صاحب خوش ہیں ؎

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے ۔ یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

پہلے یہ سمجھو کہ قسم کیا چیز ہے۔ قد اسکا کتنا لنبا ہے۔ ہاتھ پاؤں کیسے ہیں رنگ کیسا ہے۔ جب یہ نہ بتا سکوگے تو جانوگے کہ قسم جسم جسمانیات میں سے

نہیں ایک اعتبار محض ہے وجود اسکا صرف تعقل میں ہے جیسے سیمرغ کا ساراُسکا
وجود ہے یعنے کہنے کو ہے دیکھنے کو نہیں۔ پس شاعر کہتا ہے کہ جب ہم
آپ اپنی قسم ہوگئے تو گویا اس صورت میں ہمارا ہونا ہمارے نہ ہونیکی دلیل
ہے ۱۲ سہ

میخواہم از خدا و نمی خواہم از خدا دیدن حبیب را و ندیدن رقیب را

لف و نشر مرتب ہے "میخواہم از خدا دیدن حبیب را" "نمی خواہم از خدا نہ
دیدن رقیب را"۔ خواز و زار و خستہ و سوگوار معنی تو اس میں موجود ہیں
مگر بول چال ٹکسال سے باہر ہے ایک جملے کا جملہ مقدر چھوڑ دیا ہے اور پھر اس
بھونڈی طرح سے کہ جس کو المعنے فی بطن الشاعر کہتے ہیں۔ یہ شعر اساتذہ
مسلم الثبوت میں سے کسی کا نہیں ہے۔ کوئی صاحب ہونگے کہ اُنھوں نے
لوگوں کے حیران کرنے کے واسطے یہ شعر کہدیا اور کسی اُستاد کا نام لے دیا
کہ یہ اُن کا ہے۔

تذکیر و تانیث کا کوئی قاعدہ منضبط نہیں کہ جسپر عمل کیا جائے۔
جو جس کے کانوں کو لگے جس کو جس کا دل قبول کرے اس طرح کہے بدھ
میرے نزدیک مذکر ہے یعنی بدھ آیا لیکن جمع میں کیا کرونگا ناچار مؤنث
بولنا پڑے گا یعنی رتھیں آئیں خبر مؤنث ہے باتفاق۔ مگر "کاغذ اخبار"
اس کو خود سمجھ لو کہ تمہارا دل کیا قبول کرتا ہے میں تو مذکر کہونگا یعنی اخبار
آیا۔ "پیر" ہلدی یا ہار اسمیں تعلق عوام کا ہے۔ ہمیں اس سے کچھ کام نہیں ہم کہینگے
کہ دوشنبہ ہوا پیر کا دن ہوا نری پیر ہوئی یا پیر ہوا ہم کیوں بولیں گے۔

بلبل میرے نزدیک مؤنث ہے جمع اُسکی بلبلیں۔ طوطی بولتا ہے۔ بلبل بولتی ہے بھائی اس امر میں مفتی و مجتہد بن نہیں سکتا۔ اپنا عندیہ لکھتا ہوں جو چاہے مانے جو چاہے نہ مانے ۔ نجات کا طالب غالب۔ شنبہ ۵ دسمبر ۱۸۶۳ء۔ (بنام میر مہدی مجروح)

نمبر ۱۸

بھائی کیا پوچھتے ہو کیا لکھوں۔ قاطع برہان کے مسودے سب میں نے پھاڑ ڈالے اسواسطے کہ ہر نظر میں اس کی صورت بدلتی گئی۔ وہ تحریر بالکل مغشوش ہو گئی۔ ہاں اُسکی نقلیں صاف کہ جن میں کسی طرح کی غلطی نہیں نواب صاحب نے کرلی ہیں۔ ایک میرے واسطے ایک ضیاء الدین خان کے واسطے۔ میری طاقت کی جو کتاب ہے اُسکی جلد بندہ جائے تو بطریق ستعار بھیجدونگا تم اسکی نقل لیکر میری کتاب مجھکو پھیر دینا اور یہ امر بعد محرم واقع ہوگا۔ مگر یہ یاد رہے کہ جو صاحب اسکو دیکھیں گے وہ ہرگز نہ سمجھینگے صرف برہان قاطع کے نام پر جان دینگے کئی باتیں جس شخص میں جمع ہونگی وہ اُسکو پائیگا۔ پہلے تو عالم ہو۔ دوسرے فن لغت کو جانتا ہو۔ تیسرے فارسی کا علم خوب ہو اور اس زبان سے اُسکو لگاؤ ہو اساتذہ سلف کا کلام بہت کچھ دیکھا ہو اور کچھ یاد بھی ہو۔ چوتھے منصف ہو ہٹ دھرم نہ ہو پانچویں طبع سلیم و ذہن مستقیم رکھتا ہو۔ معوج الذہن اور کج فہم نہ ہو۔

نہ یہ پانچ باتیں کسی میں جمع ہونگی اور نہ کوئی میری محنت کی داد دیگا۔

فہائش کا لفظ میاں بدھا ولد میاں جما اور لالہ گنیشی داس ولد لالہ بھیروں ناتھ کا گھڑا ہوا ہے میری زبان سے تم نے کبھی سنا ہے؟ اب تفصیل سنو! امر کے صیغہ کے آگے شین آتا ہے تو وہ امر معنی مصدری دیتا ہے اور اس کو حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔ سوختن مصدر، سوزد مضارع، سوز امر، سوزش حاصل بالمصدر۔ اسی طرح ہیں خواہش۔ کاہش گزارش، گداز ش، آرائش، پیرائش، فہائش۔ فہمیدن فارسی الاصل نہیں ہے مصدر جعلی ہے۔ فہم لفظ عربی الاصل ہے۔ طلب لفظ عربی الاصل ہے۔ ان کو موافق قاعدہ تفریس فہمیدن اور طلبیدن کر لیا ہے اور اس قاعدے میں یہ کلیہ ہے کہ لغت اصل عربی آخر کو امر بن جاتا ہے۔ فہم یعنے بفہم۔ سمجھ۔ طلب یعنی بطلب مانگ۔ فہمد مضارع بنا۔ طلبد مضارع بنا خیر یہ فرض کیجیے کہ جب ہم نے مصدر اور مضارع اور امر بنایا تو اب حاصل مصدر کیوں نہ بنائیں۔ سنو حاصل بالمصدر فہمش اور طلبش ہونا چاہیے۔ فہم تھا صیغہ امر فہمد سے نکلا تھا۔ الف اور یے کہاں سے آیا۔ فہائی تو نہیں ہے جو فہائش درست ہو۔ کہیں فرمائش کو اس کا نظیر گمان نہ کرنا وہ مصدر اصلی فارسی فرمودن ہے۔ فرماید مضارع۔ فرمائے امر حاصل مصدر فرمائش۔ پہلے حکیم میر اشرف علی کو دعا اور بیٹا پیدا ہونیکی مبارکباد، میاں میں نے رات کو اپنے عالم سرخوشی میں تاریخی نام کا خیال کیا۔ میر کاظم دین کے بارہ سو چھپتر ہوتے ہیں لیکن یہ اسم بھی مانند لفظ فہائش

ٹکسال سے باہر ہے۔ غالب

(بنام میر مہدی مجروح)

نمبر ۱۸

بندہ پرور آپ کے عنایت نامے آنے سے تین طرح کی خوشی مجھ کو حاصل ہوئی۔ ایک تو یہ کہ آپ نے مجھکو یاد کیا۔ دوسرے آپ کی طرز عبارت مجھکو پسند آئی۔ تیسرے یہ کہ آپ حضرت آزاد[1] مغفور کی یادگار ہیں اور میں اُن کے حسن کلام کا معتقد ہوں۔ خواہش آپ کی کیا ممکن ہے کہ مقبول نہ ہو جب مزاج میں آئے آپ نظم و نثر بھیجدیں میں دیکھکر بھیجدیا کرونگا۔ اور آرائش گفتار یعنی حک و اصلاح میں دریغ نہوگی۔

بارہ برس کی عمر سے نظم و نثر میں کاغذ مانند اپنے نامۂ اعمال کے سیاہ کر رہا ہوں۔ باسٹھ برس کی عمر ہوئی۔ پچاس برس اس شیوہ کی ورزش میں گزرے اب جسم و جاں میں تاب و تواں نہیں۔

نثر فارسی لکھنی یک قلم موقوف۔ اردو سواس میں عبارت آرائی کیسی۔ جو زبان پر آوے وہ قلم سے نکلے پاؤں رکاب میں ہے اور ہاتھ باگ پر کیا لکھوں اور کیا کروں یہ شعر اپنا پڑھتا ہوں ؎

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ　　مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

آپ ملاحظہ فرمائیں ہم اور آپ کس زمانے میں پیدا ہوئے ہیں اور کی فیض رسانی

---

[1] یعنی میر غلام علی آزاد بلگرامی۔

اور قدر دانی کو کیا۔ وہیں اپنی تکمیل ہی کی فرصت نہیں۔ تباہی ریاست اودھ
نے باآں کہ بیگانہ محض ہوں مجھ کو اور بھی افسردہ دل کر دیا۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ
سخت ناانصاف ہونگے وہ اہل ہند جو افسردہ دل نہوے ہونگے۔ اللہ ہی
اللہ ہے۔ کل آپ کا خط آیا آج میں نے جواب لکھا تاکہ انتظار جواب میں
آپ کو ملال نہو والسلام مع الاکرام از اسد اللہ نگاشتہ بست و سوم فروری
۱۸۵۶ء۔ (بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۲

حضرت میں نے چاہا کہ حکم بجالاؤں اور عبارت کو اصلاح دوں
مگر میں کیا کروں آپ غور کریں کہ اصلاح کی جگہ کہاں ہے اگر مثل آپ خود نظر ثانی
میں کوئی لفظ بدلا چاہیں تو ہرگز جگہ نہ پایئں جس کاغذ پر اصلاح منظور ہوتی
ہے تو بین السطور زیادہ چھوڑتے ہیں جب اس عبارت کو اور کاغذ پر نقل
کروں تب حک و اصلاح کا طور ہے۔ میرا کام اصلاح عبارت ہے نہ کتابت۔
زردشت آتشکدہ الخ زردشت کو آتش کدہ سے وہ نسبت نہیں جو ساقی
کو میخانے سے ہے زردشت باعتقاد مجوس پیمبر تھا آتش کدہ کے پجاری کو
موبد اور ہیربد کہتے ہیں۔ "آب حرام اشتیاق" آب حرام شراب کو محل
مناسب پر کہیں تو کہیں ورنہ بادہ و رحیق و مے و راوق کی طرح اسم نہیں۔
ناچار شراب شوق یا بادہ شوق لکھنا چاہیے اشتیاق سے شوق بہتر ہے۔

"ما ہم دو سہ جائگی علی التواتر زدہ بودم" ما زدہ بودم تمہارا دل اس ترکیب کو قبول کرتا ہے؟ من زدہ بودم یا ما زدہ بودیم؟ اس سے علاوہ دو سہ جائگی بکاف فارسی یعنی چہ؟ جام معلوم کاف تصغیر کا جامک جائے جامک کیا؟ مگر یہ پیروی قتیل کی ہے۔ کہ وہ ایرانیوں کی تقریر کے موافق تحریر بناتا ہے ظہوری جلال طباطبائی طاہر وحید کسی کے ہاں جام کو جامک نہیں لکھا دو سہ جائگی کی جگہ دو سہ ساغر یا دو سہ قدح لکھو"۔ یا چناری گلستاں بر باغبان است و تیماری او بر قدر دانان" میں اس فقرے کو نہیں سمجھا یعنی بر باغبان کیا ہے۔ تیماری کیا ہے۔ تیمار بمعنی بیمار داری و غمخواری ہے جب یہ لفظ خود افادہ بمعنی مصدری کرتا ہے تو یاے مصدری کیسی۔؟

تیرہ شبی ہا بسر آمد۔ تیرہ شبے ہا بسر آمد خیر۔ تیرہ شبے بسر آمد یعنی چہ۔

لیلاے رے دیدم کہ با ہزار طرۂ طرار۔ طرہ زلف کو کہتے ہیں وہ دو ہوتے ہیں نہ کہ ہزار در ہزار۔

جائگی مکرر دیکھا گیا۔ معلوم ہوا حضرت نے جو کہیں جائگی خوار دیکھا ہے تو اس کو جام خوار بمعنے شراب خوار سمجھا ہے یہ غلط ہے۔ جائگی خوار اس نوکر کو کہتے ہیں کہ جس کی تنخواہ کچھ نہ ہو روٹی کپڑے پر اس سے کام لیتے ہوں۔

"در توبہ باز است و باب رحمت فراز" یعنی اس کے یہ کہ توبہ کا در کھلا ہے اور دروازہ رحمت کا بند ہے۔ فراز اضداد میں سے نہیں[1] ہے۔ باز کھلا۔ فراز بند۔ تدرزعفران زار راروے گل کرد۔ اس کا لطف کچھ میری سمجھ میں

---

[1] کتب لغات میں اس لفظ کو لغات اضداد سے لکھا ہے ۱۲

نہیں آیا۔ قدر زعفراں نثار کیا۔ اور پھر اس کو کس نے بوے گل کر دیا۔
سہ کرر۔ کدام زبان است عربی یا فارسی۔
حسب لیاقت خود کافی است خودم چہ محل وارد۔ مگر ہماں شیوہ قتیل
بنارہ مجبورم۔ ہماں سکہ قتیل۔
صاحب من تحریر میں اساتذہ کی تحریر کا تتبع کرو نہ یہ کہ مغل کے لہجہ کا۔
تتبع بھانڈوں کا کام ہے نہ دبیروں کا اور شاعروں کا۔
جناب نوروز علی صاحب کی خدمت میں میرا سلام نیاز عرض
کیجیے گا! اور یہ کہیے گا کہ بیرنگ خط کا ایک آنہ دینا پڑیگا۔ ہر مہینہ میں آٹھ خط
تک بلکہ سولہ خط تک میں نہ گھبراؤنگا۔ بھیجیے۔ رہا جواب کا لکھنا۔ کاش آپ یہاں
ہوتے اور میرا حال دیکھتے تو جانتے ہر روز صبح کو قلعہ جانا دوپہر کو آنا بعد کھانا
کھانے کے حضرت کے مسودوں کا درست کرنا۔ احباب کے خط لکھنے کی
فرصت بہت کم ہاتھ آتی ہے والسّلام (بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۸۳

حضرت آپ کے خط کا کاغذ باریک اور ایک طرف سے سراسر سیاہ
دوسری طرف اگر کچھ لکھا جائے تو میری تحریر ایک طرف تم خود اپنی عبارت کو
درست پڑھ سکو گے۔ ناچار جداگانہ ورق پر سوالات کا جواب لکھتا ہوں۔
رنگ بوزن سنگ ترجمہ لون اور لفظ فارسی الاصل ہے جب اس کو

اردو میں متصرف یا بقول بعضے متصرف کرینگے تو نون کا تلفظ موہوم سا رہ جائے گا۔

رنگنا بوزن چندھانا کہینگے بلکہ وہ لہجہ اور ہے جیسا کہ اس مصرع میں ؎
ہم نے کپڑے رنگے ہیں شنگرفی۔ یہ صحیح ہے اور فصیح ہے ؎ ہم نے رنگے ہیں کپڑے شنگرفی۔ یہ اعلان نون گنواری بولی اور غیر صحیح اور قبیح ہے۔

خرام کو کون مؤنث بولیگا مگر وہ کہ دعوے فصاحت سے ہاتھ دھو لیگا رفتار مؤنث اور خرام مذکر ہے۔ رفتار کی تانیث کو خرام کی تانیث کی سند ٹھہرانا قیاس مع الفارق ہے۔ حرف مسرودی جس کو ثنائی[۵] بھی کہتے ہیں حلہ سے زائے معجمہ تک الف کی جگہ تحتانی بھی قبول کرتے ہیں۔ مولوی آل نبی سہارنپوری اور مولوی امام بخش دہلوی میں اس بات پر بڑا جھگڑا ہوا مولوی امام بخش با کو بے کہنا جائز نہیں رکھتے تھے آخر مولوی آل نبی نے ائمہ فن کلام کے کلام سے اسکا جواز ثابت کردیا مگر صرف از روے تلفظ اور اسکی اجازت کا کوئی قاعدہ خاص اسکے واسطے نہیں اردو میں طا کو طوی اور ظا کو ظوی کہتے ہیں اور باقی حروف کے آخر میں تحتانی بولتے ہیں لسان عرب و عجم میں موحدہ سے زائے معجمہ تک اواخر حروف میں الف بھی لاتے ہیں اور تحتانی بھی۔ طا ظا کو طا ظا ہی کہینگے نہ طوی ظوی نہ طے ظے علی ہذا القیاس حروف باقیہ راقم اسداللہ خان۔

---

[۵] دو حرفی یعنی دو طرح پڑھے جانے والے جیسے حرف "ب" کو با اور بے دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔ حرف "ر" کو را اور رے دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔

انوری ؎

بعہد جود تو دائم سبا سب شکم زاید	زغایت کرم اندر کلام تو نیست
زمانہ صورت سوال و صدائے آری را	باعتقاد تو صد حسبت نون نگری را

(بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۴۸

سید صاحب۔ تمہارا مہربانی نامہ مع دو غزلوں کے پہنچا۔ جواب کے
لکھنے میں اگر درنگ ہوئی تو آزردہ نہ ہونا۔ اب غزلوں کو دیکھا کہیں حک و اصلاح
کی حاجت نہ پائی۔ مدعائے خاص کا جواب یہ ہے کہ اجزائے خطابی یہاں
شامل اسم نہیں ہیں صرف اسم مبارک خطوط و عرائض پر لکھا جاتا ہے یہاں قصیدہ
کا بھیجنا زاید محض اور بے فائدہ۔ اگر میں یہاں رہتا اور تم بھی تکلیف سفر ہی
اٹھاتے اور یہاں آتے اور قصیدہ گزرانتے تو بطریق صلہ کچھ ملنے کا احتمال تھا یہ
طرز کہ تم بھیجو اور میں گزرانوں اس سے قطع نظر کہ احتمال نفع بھی نہیں
رکھتے یہ توسط میرے خلاف وضع ہے مجھ کو معاف رکھئے اور اب جو خط
بھیجئے دلی کو نہ بھیجئے گا کہ میں اس مہینہ میں ادھر کو جاؤنگا۔ رویت ہلال ماہ صیام
اغلب ہے کہ دلی ہی میں ہو والسلام مع الاکرام غالب۔ شنبہ ۱۳ مارچ ۱۸۶۰ء

(بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۸۵

میر صاحب۔ ماجرا یہ ہے کہ میں ہمیشہ نواب گورنر جنرل بہادر کے دربار میں سیدھی صف میں دسواں نمبر اور سات پارچہ اور تین رقم جواہر خلعت پاتا تھا۔ غدر کے بعد پنشن جاری ہو گئی۔ لیکن دربار اور خلعت بند۔ اب کے جو لارڈ صاحب یہاں آئے تو اہل دفتر نے موجب حکم کے مجھ کو اطلاع دی کہ تمہارا دربار اور خلعت واگذاشت ہو گیا مگر دلی میں دربار نہیں انبالے آؤ گے تو دربار میں نمبر اور خلعت معمولی پاؤ گے۔ میں نے خبر میں وجدان کا مزہ پایا[1] اور انبالے نہ گیا۔ رابرٹ منٹ گمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب یہاں آئے دربار کیا میں دربار میں بلا گیا۔ دربار کے بعد ایک دن بارہ بجے چپراسی آکر مجھ کو بلا لے گیا بہت عنایت فرمائی اور اپنی طرف سے خلعت عطا کیا

آغاز دیوان کے شعر یعنی مطلع میں ہرگز حروف و الفاظ کی قید نہیں ہے۔[2] ہاں ردیف الف کی ہے۔ یہ امر قابل پرسش کے نہیں بدیہی ہے دیکھو اور سمجھو یہ جو دیوان مشہور ہیں حافظ و صائب و سلیم و کلیم ان کی آغاز کی غزل کے مطلع دیکھو اور حروف و الفاظ کا مقابلہ کرو کبھی ایک صورت ایک ترکیب ایک زمین ایک بحر نہ پاؤ گے چہ جائے اتحاد حروف و الفاظ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

(بنام قدر بلگرامی)

---

[1] یعنی گویا وہ خلعت مجھے ملگیا ۱۲

[2] یعنی یہ ضروری نہیں کہ مطلع سر دیوان الف یا کسی خاص حرف سے شروع ہو۔

نمبر ۸۶

سعادت واقبال نشان میر غلام حسنین کو غالب گوشہ نشین کی دعا پہونچے حضرت کشفی کے دیوان کے انطباع کی تاریخ اچھی ہے کہیں اصلاح کی حاجت نہیں مگر دوسری تاریخ میرے سمجھ میں نہیں آئی اس فن کے قاعدے کے موافق مصرع تاریخ میں سے تکلف کے عدد نکالنے چاہییں یعنی پانسو تیس ع کاوخ انداز را پاداش سنگ است۔ اس مصرع کے اعداد میں اتنی گنجائش کہاں کہ پانسو تیس نکلجائیں اور ۱۲۷۰ بچ رہیں۔

صاحب تم بہت دنوں سے بیکار ہو ایک جگہ مساعدت روزگار کی صورت ہے تم بے تکلف میرا یہ رقعہ مُہری لیکر لکھنؤ چلے جاؤ مطبع اودھ اخبار میں میرے شفیق دلی یعنی منشی نولکشور صاحب سے ملو اور یہ رقعہ اُن کو پڑھواؤ اپنی نظم و نثر اُن کو دکھاؤ اور اپنا مبلغ علم اُن پر ظاہر کرو اگر وہ اپنی مرضی کے موافق تم کو کارگزار سمجھینگے تو مطبع کا کام تمہارے سپرد کر دینگے مشاہرہ خاطر خواہ تم کو مقرر ہو جائیگا معزز و مکرم رہوگے زندگی کا لطف اُٹھاؤگے لیکن شرط یہ ہے کہ جلد چلے جاؤ لکھنؤ تم سے نزدیک ہے اتنی راہ کا قطع کرنا کچھ دشوار نہیں اگر نوکر نہ ہو جاؤگے پھر چلے آنا بخت آزمائی ہے۔ (بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۸۷

سید صاحب سعادت واقبال نشان میر غلام حسنین صاحب کو

غالب کی دعا پہونچے آپ کا خط آیا اور میں نے اُسکا جواب بھجوایا اس رقعہ کی تحریر سے مراد یہ ہے کہ جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہیے اور یہ رقعہ اُن کو پڑھا کر عرض کیجیے کہ غالب پوچھتا ہے کہ فارسی کی کلیات کا چھاپا ملتوی ہے یا جاری ہے ملتوی ہے تو کب تک کھلے گا جاری ہے تو تصحیح کس طور پر ہے۔ قصیدہ اور تاریخ کلیات کا مطبع میں پتا لگا ہے یا نہیں۔ اگر وہ دونوں کاغذ گم ہو گئے ہوں تو مسودے بھیجدوں۔

یوسف مرزا صاحب بذریعہ میرے خط کے آپ سے مل گئے یا نہیں۔ قاطع برہان کے اجزا کی جلدیں بندھ گئی ہیں یا نہیں اگر بندھ گئی ہوں تو جناب منشی صاحب سے کہکر وہ جو پچاس جلدیں میں نے لی ہیں اُن میں سے ایک جلد لے کر جناب فیضمآب خداوند نعمت آیہ رحمت قبلہ و کعبہ جناب مجتہد العصر کی خدمت میں حاضر ہو اور میری طرف سے کورنش عرض کرو اور کتاب نذر کرو اور کہو کہ غلام نے بہت خون جگر کھا کر فارسی کی تحقیق کو اُس پایہ پر پہنچایا ہے کہ اُس سے بڑھکر متصور نہیں یہ مجال کہاں کہ داد کا طلبگار ہوں صرف عز قبول کا اُمیدوار ہوں سمجھے سید صاحب منشی صاحب سے چاروں سوالوں کا جواب اور جو قبلہ و کعبہ فرمایئں اُس تقریر میں تغیر بالمرادف بھی نہ ہو جو الفاظ حضرت کی زبان سے سنو ہو بہو لکھ بھیجو ہاں مولوی ہادی علی صاحب کا جو حال معلوم ہو وہ بھی ضرور لکھنا اور اس خط کا جواب بہت جلد بھیجنا۔ بھائی میں از راہ احتیاط تلف ہونے کے ڈر سے اس خط کو بیرنگ بھیجتا ہوں۔ دوشنبہ پنجشنبہ ذی القعدہ

مئی سال رستا خیز ۱۲۷۸ھ (بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۸۸

سید صاحب آپ کا خط جس میں قبلہ و کعبہ کا مُہری و دستخطی توقیع ملفوف تھا پہنچا میں تم سے بہت راضی ہوا کہ تم نے تکلیف اُٹھائی اور میری نذر وہاں پہنچائی اب ایک اور تکلیف دیتا ہوں کہ جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہکر اُن کے حکم سے ایک نسخہ قاطع برہان کا مطبع میں سے لو اور مکان معلوم کر کے جناب مفتی میر عباس صاحب کے پاس جاؤ اور میرا سلام کہو اور کتاب دو اور عرض کرو کہ جو خون جگر میں نے اس تالیف میں کھایا ہے یقین ہے کہ اسکی داد تمہارے سوا اور سے نہ پاؤنگا۔

ہاں صاحب جناب منشی صاحب سے یہ کہدینا کہ پچاس میں سے تین جلدیں میں نے پائیں اب قیمت کا روپیہ بھیجکر ۴۷ ۔ اور منگائے لیتا ہوں کلیات کے انطباع کی تاریخ میں کیوں لکھوں۔ اہل مطبع کو خدا منشی صاحب کے سایۂ عطوفت میں سلامت رکھے کہ لینگے۔ چھاپا ۷۸ میں شروع ہوا ۷۹ میں تمام ہوگا مولوی ہادی علی صاحب کے مطبع میں آنے کا حال تم لکھواؤ کلیات کے کاپی نگار کے آنے کا بھی حال معلوم کر کے لکھو۔ جواب کا طالب غالب ۲۴ مئی ۱۸۶۲ع۔ (بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۸۹

حضرت کیا فرماتے ہو، ہوا بھی ہو قضا بھی ہو اس ردیف کے ساتھ قافیہ معمولہ آ نہیں سکتا۔ بیتابی ہو مہتابی ہو کیونکر درست ہوگا وہاں موحدہ کے مابعد ہائے ہوز ہے یہاں موحدہ کے آگے ے چاپی کہ بائے فارسی اور یائے حطی ہے۔ اور رکاپی اور راپی اور باپی یہ قافیہ ہمدگر ہو سکتے ہیں۔ چاپی لغت انگریزی ہے اس زمانے میں اس قسم کا شعر میں لانا جائز ہے بلکہ مزا دیتا ہے۔ تار بجلی اور دخانی جہاز کے مضامین میں نے اپنے یاروں کو دیے ہیں اوروں نے بھی باندھے ہیں۔ روبکاری اور طلبی اور فوجداری اور سررشتہ داری خود یہ الفاظ میں نے باندھے ہیں۔ چاپی بمعنی کلید شوق سے لکھو نہ چابھی۔ ناسخ لکھتا ہے ؎ میم صاحب کے آگے کے الفاظ بھول گیا ہوں آخر مصرع یہ ہے: مس کے۔ ناز بیجا اٹھاؤں کس کس کے الٰہی بخش خاں معروف لکھتے ہیں۔ ع

نگین دل سوا کھو دے تو گھر پیٹلام ہو جائے

صاحب تم نے مثنوی خوب لکھی ہے کہیں املا میں کہیں انشا میں جو اغلاط تھے دور کیے اور ہر اصلاح کی حقیقت اس کے تحت میں لکھ دی۔ فکر تاریخ مثنوی سے مدۃ العمر معاف رہوں۔ ۱۲ غالب۔ (بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۹۰

صاحب واللہ سوا اس خط کے تمہارا کوئی خط نہیں آیا۔ کیسے چار خط تم نے بھیجے کیوں باتیں بناتے ہو۔ یہاں بھی ٹکٹ پر تحریر کی ممانعت ہے بہتر یہی ہے کہ طرفین سے خطوط بیرنگ بھیجے جائیں کہ یہ قصہ مٹ جائے مطلع میں نام اپنا لکھنا رسم نہیں ہے۔ میر کا تخلص اور صورت رکھتا ہے۔ میر جی اور میر صاحب کرکے وہ اپنے کو لکھ جاتا ہے اور کو اس بدعت کا تتبع نہ چاہیئے ؎

کاٹ کر غیروں کے سر لائے جو میری نذر کو
ڈالدوں سونے کا آنڈو پاؤں میں جلاد کے

آنڈو بدال ہندی یا بدال عربی بھائی واللہ یہ لفظ کبھی میری زبان پر نہیں آیا میں اسکی حقیقت سے آگاہ نہیں۔ ہاں سُنا ہے فلانا سردار ایسا بہادر ثابت قدم تھا کہ معرکہ کارزار میں ہاتھی کے پاؤں میں انڈو ڈلوا دیے۔ ظاہرا کوئی چیز ہوگی کہ ہاتھی کو مانع رفتار ہو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بند خاص ہے استعمال اس لفظ کا محال العام میں نہ چاہئے۔

استن و است کے باب میں یہ قول معترض کا غلط ہے کہ است کو بجائے استن سمجھتا ہے۔ است کوئی لفظ نہیں ہے استن اصل لفظ اور استنی مزید علیہ یہ دونوں صحیح بلکہ استنی زیادہ فصیح۔ اگر معترض فیضی کو نہیں مانتا تو آپ معترض کو کیوں مانتے ہیں فیضی کی سند مقبول او مسموع۔

ارمغاں و ارمغانی آہستن و آہستنی اسے یہ تو فارسی لغت ہیں۔ فارسی گویوں نے حضور کو حضوری اور فضول کو فضولی اور نقصان کو نقصانی لکھا ہے۔

آجتک سنا نہیں کہ رب کبریا کسی نے لکھا ہو۔ ہاں کبریائے الٰہی یعنی خدا کی بزرگی اس نظر پر رب کبیر لکھیں گے نہ رب کبریا۔ کبریا صفت واقعی ہے لیکن اگر صفت سے موصوف مراد رکھیں تو ممکن ہے۔ جیسا زید عدل بجائے زید عادل۔ جناب کبریا بجائے جناب الٰہی جائز۔ ایک نکتہ دقیق ہے یعنی مذہب حقہ امامیہ میں مجموع صفات عین ذات ہیں پس اگر ہم نے خدا کو محض قدرت یا محض عظمت کہا تو موافق ہدایت نبی اور ائمہ کے ہمارا قول درست ہے۔

حال کی جگہ حالات یا احوال لکھنا قبیح نہیں ہے خصوصاً احوال کہ بہ معنی واحد مستعمل ہے اور یہ استعمال یہاں تک پہونچا ہے کہ احوال بمعنی جمع مستعمل نہیں ہوتا جیسے حور کہ بمعنی حورا کے اہل فارس اس کو صیغہ واحد قرار دے کر الف نون کے ساتھ اس کی جمع لاتے ہیں سعدی کہتا ہے ؎

حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف
از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

بلکہ حور کو حوری کہکر اس کی جمع حوریاں لاتے ہیں حافظ لکھتا ہے ؎

حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند

میں نے ایک مقطع میں حال کی جگہ احوال لکھا ہے ؎

جانِ غالب تاب گفتارے گماں داری ہنوز
سخت بیدردی کہ میپرسی ز ما احوالِ ما[۹]

اخترِ مجھ کو اور فیضی کو معترض سے زیادہ اساتذہ عجم کے کلام پر اطلاع ہے وہ آستینی کیوں لکھتا اور میں احوال کیوں لکھتا صائب کی ایک غزل جس کا ایک مصرعہ یہ ہے ؎

ہر لحظہ دارم نیّتے چوں قرعۂ ربّا لہا

اس غزل میں اسی نے ایک جگہ احوالہا لکھا ہے۔ (داد کا طالب غالب)

(بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۹۱

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسدؔ گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

رہن رکھوا کر تیرا عمامہ دلوا دوں شراب
زاہدا تجھ کو کروں مرہوں احساں تو سہی ناسخ

اس سہی اور تو سہی کا ترجمہ فارسی لغت میں کیا آیا ہے ۱۲ قدر

جواب۔ اسماء کے یا لغات کے واسطے یہ بات ہے کہ عربی میں یہ کہتے

---

[۹] نیز اردو میں بھی احوال بمعنی مفرد حال لکھا ہے اور وہاں بہت صاف ہے ؎
غالب ترا احوال سنا دینگے ہم انکو وہ سنکے بلا لیں یہ اجارا نہیں کرتے

ہیں اور فارسی میں یہ اور ہندی میں یہ طرز گفتار محاورات ہندی کی فارسی یا فارسی کی ہندی کبھی نہیں ہوسکتی مثلاً چوری کا گڑ میٹھا اس کی فارسی نہ پوچھے گا مگر نادان۔ سہی اور، تو سہی کی فارسی کیونکر بنے یہ روزمرّہ اردو سے ع گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی ؛ اسی مطلب کے مطابق فارسی عبارت یوں ہوسکتی ہے۔ وصل اگر نیست حسرت نیز عالمے دارد ع "زاہدا مجھ کو کردں مرہونِ احساں تو سہی" ایک نوع کی تنبیہ ایک قسم کا دعویٰ ہے نامرد باشم اگر فلاں کار نہ کنم تا فلاں کار نکنم نیاسایم۔ اہل ہند کی فارسی اسی طرح خام اور ناتمام رہی کہ اصول میں انھوں نے فارسی کے قواعد کی تطبیق عربی سے چاہی اور اُردو کے خاص روزمروں کی فارسی بنا یا کئے۔ ہندی میں کچھ نہیں کی جگہ خاک نہیں بولتے ہیں فارسی میں ہیچ نیست کی جگہ خاک نیست کبھی کوئی نہ کہے گا۔ قتیل چاردوں شانے چت گرا ہے ع کشتہ برشتہ پتاں بود گر خاک نبود یعنی ہیچ نبود لا حول ولا قوۃ۔ ایک جگہ سے مجھ کو خط آیا چونکہ میں بلی ماروں کے محلہ میں رہتا ہوں اُسنے پتا لکھا کہ "در محلہ گربہ کشاں، واہ ری فارسی" غالب ؎

مردم از من دو استان رانند و از دوران چرخ
گشت صرف طعمۂ زاغ و زغن عنقائے من

(بنام قدر بلگرامی)

— ✲ —— ✲ —

نمبر ۹۲

سید صاحب تم نے جو خط میں برخوردار کامگار مرزا عباس بیگ
خان بہادر کی رعایت اور عنایت کا شکریہ ادا کیا ہے تم کیوں شکر گزار
ہوتے ہو جو کچھ نیکی اور نکوئی اُس اقبال نشان نے تمہارے ساتھ کی ہے
وہ بعینہ میرے ساتھ کی ہے اُسکا سپاس میں ادا کروں۔ خدا کی قسم دل سے
دعائیں دے رہا ہوں بھائی تم اُسکا جوہر طبع از روے فطرت شریف ہے
پروردگار اُس کو سلامت رکھے اور مدارج اعلیٰ کو پہنچائے یہ اپنے خاندان
کا فخر ہے اور چونکہ اس کی ماں کا اور میرا لہو اور گوشت اور ہڈی اور قوم
اور ذات ایک ہے پس وہ فخر میری طرف بھی عائد ہوتا ہے وہ اپنے جی
میں کہتا ہوگا کہ ماموں میری بیٹی کے بیاہ میں نہ آیا اور صرف زر سے جی
چرایا ہے میں تو زر کو خاک و خاکستر کے برابر بھی نہیں سمجھتا مگر کیا کروں
کہ مجھ میں دم ہی نہ تھا۔ کاش کے جب ایسا ہوتا جیسا اب ہوں تو سب

---

۵۱ لکھنو میں ڈپٹی عباس بیگ کے نام سے مشہور تھے ان کی کوٹھی روشن الدولہ
کی کوٹھی کے سامنے واقع تھی۔ جو ابھی حال میں کھدی ہے۔ ان کے . . . بھتیجے
مرزا خدا داد بیگ مرحوم راقم الحروف کے قریبی عزیز تھے ۔ ۱۲

پہلے پہنچتا جی اُسکے دیکھنے کو بہت چاہتا ہے۔ دیکھوں اُسکا دیکھنا کب میسّر آتا ہے۔ میں اب اچھا ہوں برس دن صاحب فراش رہا ہوں چھوٹے بڑے زخم بارہ اور ہر زخم خونچکاں۔ ایک درجن بھالے لگ جاتے تھے جسم میں جتنا لہو تھا پیپ ہو کر نکل گیا تھوڑا سا جو جگر میں باقی ہے وہ کھا کر جیتا ہوں۔ کبھی کھاتا ہوں کبھی پیتا ہوں۔ مرض کے آثار میں سے اب بھی یہ نشان موجود ہے کہ دونوں پاؤں کی دو دو انگلیاں ٹیڑھی ہو گئی ہیں معہذا متورم ہیں جوتا نہیں پہنا جاتا۔ ضعف کا تو بیان ہو ہی نہیں سکتا مگر ہاں یہ میرا شعر ہے

در کشاکش ضعفم نگسلد رواں از تن
ایں کہ من نمی میرم ہم ز ناتوانی ہاست[1]

اب کے رجب یعنی ماہ آیندہ کی آٹھویں تاریخ سے ستّرواں برس شروع ہوگا۔
ع چو ہفتاد آمد اعضا رفت از کار۔ پس اب شکوۂ ضعف نادانی ہے۔ ایمان سلامت رہے۔ نجات کا طالب غالب سہ شنبہ ۲۴ر نومبر ۱۸۶۳ء

(بنام قدر بلگرامی)

---

[1] یعنی مرنے کیلیے ضرور ہی کہ روح بدن سے مفارقت کرے جسکے لیے حرکت ضروری ہے اور حرکت قوت چاہتی ہے جو اب باقی نہیں ہے پس روح بھی بدن سے اب نہیں نکل سکتی اور میں اپنی ناطاقتی کی بدولت زندہ ہوں اسی مضمون کو بلکہ اس سے لطیف تر طریقہ سے بیگی دختر امیر علی جلاؔلؔ نے بھی کہا ہے

جاں بلب بود از ضعف تو اند نہ رسید   با وجود ناتوانی زندہ ام

نمبر ۹۴

قرۃ العین میر غلام حسنین سلمکم اللہ تعالےٰ۔ تمہارا خط پہونچا دل خوش ہوا۔ تم میرے یار رہو اور میری خدمت گزاری کے حقوق ہیں تم پر۔ مجھ کو مدد دو اور اپنی قوت علمی صرف کرو۔ محرق قاطع برہان میرے پاس موجود ہے مجھ سے منگواؤ میں ہر موقع پر خطا اور زلت مولف کا اشارہ کردونگا۔ تم ہر فقرے کو بغور دیکھو اور بے ربطی الفاظ اور لغویت معانی کو میزان نظر میں تولو۔ عامی نہیں ہو عالم ہو۔ جسے مولوی نجف علے صاحب نے بھی تو اپنی قوت عاقلہ سے بے اعانت غیر محرق کے جامع کی دھجیاں اوڑائی ہیں۔ تمہارے پاس دو نسخے ایک دافع ہذیان ایک سوالات عبدالکریم مع استفتار وافتا دستخطی علماء دہلی موجود ہیں اور اب اُس کتاب کے ساتھ میرے اشارات سود مند پہنچینگے تم کو معارضہ بہت آسان ہوگا۔ مدعی کا کلام در اصل لغو پھر تمہارے پاس سرمایۂ علمی موجود اور یہ تین نسخے معقول اُسپر مزید علیہ۔ اُسپر محرق اور صاحب محرق کا خاکہ اڑ جائیگا۔ میرے اس خط کے پہونچتے ہی جواب لکھے اور اجازت بھیجیے کہ میں نسخہ مطبوعہ نامطبوعہ محرق بسبیل ڈاک بھیجدوں مگر جس دن سے کہ کتاب پہنچ جاوے اُسی دن سے آپ اُردو زبان میں رسالہ لکھنا شروع کیجیے اور بعد اختتام مجھے اطلاع دیجیے پھر میں جیسا لکھوں ویسا عمل میں لائیے۔ غالب اثنا عشری حیدری۔ (بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۹۵

تئیں کا لفظ متروک اور مردود قبیح غیر فصیح - یہ پنجاب کی بولی ہے ۔ مجھے یاد ہے کہ میرے لڑکپن میں ایک اصیل ہمارے ہاں نوکر رہی تھی وہ تئیں بولتی تھی تو بی بیاں اور لونڈیاں سب اُس پر ہنستی تھیں ؎

خروشش بہ عدغراں میشود پادر رکاب از بیم
عناں بر سینہ چوں پیچد پر کرنگ برق جولانش

یہ شعر ناطق کا ہے اور ناطق قوم کا بلوچ سندھ کا رہنے والا اُسکا منطق کیا اور اُسکی زبان کیا ۔ پادر رکاب ہونا عبارت ہے سیر و سفر کے آمادہ و مُستعد ہونے سے ، خواہی منشار عزیمت خوف ہو خواہی کوئی اور سبب ۔ عناں بر سینہ پیچیدن مہمل محض مہمل ۔ نہ روزمرّہ نہ محاورہ نہ اصطلاح نہ مفید معنی درنگ نہ مفید معنی شتاب ۔

طیار صیغہ مبالغہ کا ہے لغت عربی ۔ املا اس کی طائے حطی سے طیر ثلاثی مجرد طائر فاعل طیور جمع ۔ بازداروں میں اس لفظ نے جنم لیا حقیقت بدل گئی طوطے سے بن گئی یعنی جب کوئی شکاری جانور شکار کرنے لگا ۔ بازداروں نے بادشاہ سے عرض کی کہ فلاں باز فلاں شکرہ طیار شدہ است و صید میگیرد ۔ بہرحال اب تائے قرشت سے یہ لفظ نیا نکل آیا اس لفظ کو متحدث اور دہ اصل اردو اور بہ تائے قرشت اور بمعنی آمادہ ۔ اشخاص و اشیاء پر عام تصور کرنا چاہیے اور عبارت فارسی میں اسکا

استعمال کبھی جائز نہ ہوگا۔

فقیر کے نزدیک نقاب اور قلم اور دہی ترجمہ حجزات یہ تینوں اسم مذکر ہیں۔ منکر سے نہ مجھے بحث نہیں مجیب کا میں احسان مند نہیں لغت فارسی ہو اور روزمرہ فارسی ہو تو اہل زبان کے کلام سے استناد کریں۔ منطق فارسی میں تانیث و تذکیر کہاں پس اس امر کے مالک اور اہل زبان ہم ہیں اور یہ ہم صیغہ متکلم مع الغیر ہے۔ یعنی ہم اور تم اور مجموع شرفا اور شعرائے دہلی و لکھنؤ ایسے دس آدمی کا اتفاق سند ہے زیادہ جھگڑا بے فائدہ ہے۔

بنائیں قدر کی غزلیں جناب غالب نے　　تمام جوہر تیغ زباں ابھر آئے

غزل کی ز سے یہاں ساکن ہے لیکن یہ سکون جائز ہے۔ قدم مفرد قدموں جمع ہے۔

کھو رہا ہوں متعدی ہے پورب یہ اس کو لازمی جانتے ہیں۔ لازمی کھو گیا ہوں۔ ہم کھینگے جاگتے ہیں اہل پورب کہیں گے جگتے ہیں جان و دل دل و جگر صحیح۔ جان و جگر ٹکسال باہر۔

فریاد مؤنث ہے فریاد کرنی چاہیے۔ فریاد کرنا انگریزی بولی ہے فکر مؤنث ہے معشوق کو شہزادہ بنانا ظرفا کو اپنے اوپر ہنسانا ہے۔

لراقمہ ہے

اندیشۂ بلند رو لامکاں نورد
چوں خواست بام جاہ ترا نردباں نہاد

دیدش ہماں بجا چو سپہر از فراز کوہ　　　بعد از ہزار پایہ کہ بر فرقداں نہاد[۵]

پہلے مصرع میں اندیشہ فاعل ہے خواست کا۔ جو مصرع ثانی میں نہاد بمعنے مصدری ہے دوسرے شعر میں دید کا اور نہاد کا فاعل وہی اندیشہ ہے۔ اب ایک بات سمجھو کہ جب پہاڑ کے پاس سے آسمان کو دیکھو گے تو یہ معلوم ہوگا کہ اگر ہم پہاڑ پر چڑھ جائیں تو آسمان کو چھو لیں مگر جب چوٹی پر پہونچو گے تو آسمان کو اتنا ہی دور پاؤ گے جتنا زمین سے نظر آتا تھا۔ فرقداں ایک صورت ہے یا ایک کوکب ہے آٹھویں آسماں پر۔ ہمارے قیاس میں آیا کہ فرقدان پر سے بام جاہ ممدوح نظر آویگا بہت قریب۔ ہم فرقدان پر گئے وہاں بھی قریب نہ پایا۔ فرقدان پر ہزار پائے رکھے اُس پر چڑھ کے دیکھا تو بام ممدوح میں اور اُس مقام میں اتنا ہی بعد ہے جتنا پہاڑ میں اور آسماں میں۔ یہ مبالغہ حد تبلیغ و غلو سے گزر گیا۔

لگا دیتے ہو اور اُٹھا دیتے ہو خطاب بصیغ حاضر ہے اور تعظیماً مفرد پر آتا ہے۔ یعنی تم معشوق مجازی کو تم اور تو دونوں طرح یاد کرتے ہیں۔

---

[۵] یہ اشعار ایک منقبت کے قصیدے کے ہیں جسکی تشبیب کے چند شعر یہ ہیں ؎

دلکش آمد و بوسہ لبم بر دہاں نہاد　　　راز دہانِ خویش بلب درمیاں نہاد

وانگہ بمنع ریزش راز لب از زباں　　　مہرے ز بوسہ دگرم بر زباں نہاد

چوں لب ز بوسہ گنج گہرہائے راز شد　　　بر کنج لب ز تیزی دنداں نشاں نہاد

خدا کو یا تو کہتے ہیں یا صیغہ جمع غائب یعنی صیغہ جمع غائب کا نظر بہ قرینہ افادہ قضا و قدر کا رکھتا ہے۔ تمہاری غزل میں دو چار جگہ دیتے ہو اس طرح آیا ہے کہ محبوب مجازی اُس سے مراد کبھی نہیں ہو سکتا ؎

لا کے دنیا میں ہمیں زہر فنا دیتے ہو ـــــ ہائے اس بھول بھلیاں میں دغا دیتے ہو

کہو کس سے کہتے ہو سوائے قضا و قدر کے کوئی رنڈی کوئی لونڈا اس کا مخاطب نہیں ہو سکتا اور علیٰ ہذا القیاس دو ایک شعر اور بھی۔ ناچار صیغہ جمع رکھدیا تاکہ خوباں اور بتاں کیطرف ضمیر راجع ہو یا شخص واحد کیطرف اب[51] کے لفظ کے ساتھ۔ یا قضا و قدر کیطرف۔ اب خطاب معشوقان مجازی اور قضا و قدر میں مشترک رہا

س۔ ہو و او ر باشد کہ دونوں صیغے مضارع کے ہیں بہ معنے ہست آتے ہیں یا نہیں۔

ج۔ البتہ آتے ہیں۔

س۔ نظم و نثر میں ماضی مطلق کا ماضی استمراری کے معنی پر لکھنا کیسا ہے؟

ج۔ بیجا ہے جب تک علامت استمرار نہو معنے استمراری کیونکر لیے جائیں۔

س۔ پارسی میں مصدر مقتضب اور غیر مقتضب کی کیتا

---

[51] افسوس کہ مرزا نے اب کا لفظ کہا کر جسطرح شعر کو درست کیا ہو گا وہ شعر نہیں لکھا ۱۲

شناخت ہے؟

ج۔ خود عربی میں مصدر کی صفت مقتضب نہیں آتی فارسی میں کہاں سے ہوگی۔ مقتضب صفت بحر کی ہے نہ صفت مصدر کی۔

س۔ کس قسم کے مصدر لازمی سے مصدر متعدی بنتا ہے اور کس طور کے مصدر سے نہیں بنتا ہے؟

ج۔ جب لازمی کو متعدی کرنا چاہیں تو مضارع میں سے مصدر بنائیں اور اُس میں فقط الف نون یا الف نون اور تحتانی بڑھائیں۔ مثلاً گشتن کو گشتاندن نہ کہیں گے گرد سے مصدر بنائینگے گردیدن اور اُس کو گرداندن اور گردانیدن کہیں گے جس مصدر کے ساتھ مضارع نہوگا وہ متعدی نہ بنے گا جیسے رشتن اور خستن۔

س۔ پناہ کا ترجمہ لغت اردو میں کیا آتا ہے؟

ج۔ اُردو مرکب ہے فارسی اور ہندی سے یعنے پناہ کا لفظ مشترک ہے اردو میں اور فارسی میں۔ پناہ کا ترجمہ اُردو میں پوچھنا نادانی ہے۔ ہاں پناہ کی ہندی آسرا ہے۔ برنہ آنا فصیح نہ برآنا ٹکسال باہر قافیہ ہائے اصلی الفیہ سیکڑوں ہیں اُن کو چھوڑ کر نسخہ اور نامہ اور افسانہ ان الفاظ کو قافیہ کرنا تمہارے نزدیک

نامناسب نہیں ایسا قافیہ غزل بھر میں ایک جگہ لکھو ۱۲ غالب

(بنام قدر بلگرامی)

نمبر ۹۶

حضرت فقیر نے شعر کہنے سے توبہ کی ہے اصلاح دینے سے توبہ کی ہے
شعر سننا تو ممکن ہی نہیں بہرا ہوں شعر دیکھنے سے نفرت ہے پچہتر برس
کی عمر پندرہ برس کی عمر سے شعر کہتا ہوں ساٹھ برس بکا نہ مدح کا صلہ
ملا نہ غزل کی داد بقول انوری ؎

اے دریغا نیست ممدوحے سزاوار مدیح
وے دریغا نیست معشوقے سزاوار غزل

سب شعرائے اور احباب سے متوقع ہوں کہ مجھے زمرہ شعرا میں شمار نہ کریں
اور اس فن میں مجھ سے کبھی پرسش نہ ہو۔ اسد اللہ خاں المتخلص بہ غالب
والمخاطب بہ نجم الدولہ خدایش بیامرزاد۔ (بنام قدر بلگرامی)

ضمیمہ

مرزا غالب کے بعض مکتوب الیہم کے حالات جنکے نام خطوط عود ہندی اور اردوئے معلی میں ہیں

ترتیب اسماء میں حروف تہجی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

فہرست اسماء مکتوب الیہم

آرام منشی شیونرائن

رائے بہادر منشی شیونرائن آرام تخلص کرتے تھے۔ اور دارالسلطنت اکبرآباد کے قدیم باشندے تھے۔ اور اسی شہر میں میونسپل کمیٹی کے سکریٹری تھے۔ ضرورت اور رسمِ زمانہ کی موافق فارسی اُردو سے باخبر تھے اور انگریزی میں بھی کافی استعداد رکھتے تھے۔ ڈاکٹر فیلن صاحب کے شاگرد تھے۔ تمام عمر عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے اور نہایت عزت و وقار سے زندگی بسر کر کے چونسٹھ برس کی عمر پاکر ۱۸۹۸ء میں راہی عدم ہوئے۔

مرزا غالب کے خاندان اور منشی صاحب موصوف کے بزرگوں سے قدیمی اتحاد و مراسم تھے چنانچہ مرزا صاحب خود ایک جگہ لکھتے ہیں " میں کیا جانتا تھا کہ تم کون ہو۔ جب یہ جانا کہ تم ناظر بنسی دھر کے پوتے ہو تو معلوم ہوا کہ میرے فرزند دلبند ہو۔ اب تم کو مشفق و مکرم لکھوں تو گنہگار۔ تم کو اپنے اور ہمارے خاندان کی آمیزش کا حال کیا معلوم ہے مجھ سے سنو! تمہارے دادا کے والد عہد نجف خاں ہمدانی میں میرے نانا صاحب مرحوم خواجہ غلام حسین خاں کے رفیق تھے۔ جب میرے نانا نے نوکری ترک کی۔ اور گھر بیٹھے تو تمہارے پردادا نے بھی کمر کھولی اور پھر کہیں نوکری نہ کی۔ یہ باتیں میرے ہوش سے پہلے کی ہیں۔ مگر جب میں جوان ہوا تو میں نے یہ دیکھا کہ منشی بنسی دھر

خاں صاحب کے ساتھ ہیں اور اُنھوں نے جو کٹیم گاؤں اپنی جاگیر کا سرکار میں دعوی کیا ہے تو بنسی دہر اس امر کے منصرم ہیں اور وکالت اور مختاری کرتے ہیں۔ میں اور وہ ہم عمر تھے شاید منشی بنسی دہر مجھسے ایک یا دو برس بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں انیس انیس برس کی میری عمر اور ایسی ہی اُن کی عمر۔ باہم شطرنج اور اختلاط اور محبت۔ آدھی آدھی رات گزر جاتی تھی"۔

اوّل اوّل میں مرزا اُنکو ہمیشہ ایک دوست سمجھتے رہے۔ مگر جب سے کہ حال معلوم ہوا ہمیشہ برخوردار اور نور چشم لکھکر خطاب کرتے تھے۔ اور نہایت عزیز رکھتے تھے۔ بزرگانہ مراسلت اور بے تکلفانہ فرمائشات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اور منشی صاحب بھی اسکو ایک سعادت عظمی سمجھکر احکام کی بجا آوری میں کبھی تساہل نہ کرتے تھے۔

مرزا صاحب ہی کے توجہ دلانے سے منشی صاحب نے شعر و شاعری کیطرف توجہ کی اور آرام تخلص اختیار کیا۔ چونکہ طبیعت کا تصوف کے مضامین کیطرف میلان زیادہ تھا اسلئے عشقیہ مضامین کم کہتے تھے اور کہتے تھے تو اُن میں وہ شوخی اور چستی نہوتی تھی جو ایسے اشعار میں ہوتی ہے۔ البتہ وقار اور متانت کے لحاظ سے وہ اپنے معاصرین سے کم نہ تھے

منشی صاحب بھی مرزا کو اپنا ایک خیرخواہ بزرگ سمجھتے تھے اور برابر خوردانہ فرمائشات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ۱۸۵۸ء میں ایلن برون صاحب کی مدح میں مرزا صاحب سے قصیدہ کی فرمائش کی اور مرزا صاحب نے ۲۱ شعر کا ایک قصیدہ لکھکر بھیجا جسکے بعض اشعار یہ ہیں ؎

ملاذ کشور و لشکر پناہ شہر و سپاہ　　جناب عالی ایلن برون والا جاہ

بلند رتبہ وہ حاکم وہ سرفراز امیر　　کہ باج تاج سے لیتا ہے جسکا طرف کلاہ

وہ محض رحمت و رافت کہ بہر اہل جہاں　　نیابت دم عیسیٰ کرے ہے جسکی نگاہ

امیدوار عنایات شیونارائن　　کہ آپکا ہے نمک خوار اور دولت خواہ

یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں عز و جاہ کے ساتھ　　تمہیں اور اسکو سلامت رکھے سدا اللہ

ایک مرتبہ منشی صاحب نے مرزا صاحب سے خواہش کی کہ اردو کے رقعات جو اپنے دوستوں اور عزیزوں کے پاس بھیجے ہیں انکو طبع کر دیا جاوے۔ مگر مرزا صاحب نے اسکو پسند نہ کیا اور اُس وقت اجازت نہ دی۔ جواباً لکھ بھیجا کہ "اردو کے خطوط جو آپ چھاپا چاہتے ہیں یہ بھی زاید بات ہے۔ کوئی رقعہ ایسا ہوگا کہ جو میں نے قلم سنبھال کر اور دل لگا کر لکھا ہوگا۔ ورنہ صرف تحریر سرسری ہے۔ اُسکی شہرت میری سخنوری کے شکوہ کے منافی ہے۔ اس سے قطع نظر کیا ضرور ہے کہ ہمارے آپس کے معاملات اوروں پر ظاہر ہوں۔ خلاصہ یہ کہ رقعات کا چھاپا میرے خلاف طبع ہے۔"

غرضکہ منشی صاحب موصوف مرزا غالب کے ہموطن اور محبوب ترین دوست اور عزیز شاگرد تھے۔ اور ہمیشہ مرزا صاحب کی مطاوعت اور ان کی تقلید کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔ ایک کتاب موسوم بہ "قاصدان شاہی" انھوں نے لکھی تھی اور اُسکو اصلاح کے لیے مرزا کی نظر سے گزرانا تھا جس میں مرزا نے الفاظ متروک کو بدل دیا تھا اور صحت وغیرہ بھی کی تھی۔ نمونۂ کلام ؎

غضب ہے مدعی جو ہو وہی پھر مدعا ٹھہرے　　جو اپنا دشمن دل ہو وہی دل کی دوا ٹھہرے

نہ ٹھہرے نا امیدی اوسکے دل میں اور کیا ٹھہرے
کہ جسکا بعد مرنیکے حصول مدعا ٹھہرے

وہ چاہیں جسقدر جور و جفا ہمپر کریں لیکن
ہمیں تسلیم لازم ہو کہ پابند رضا ٹھہرے

یہ دنیا اک سرا ہے اسکو آخر چھوڑ جانا ہو
اگر دو چار دن اگر یہاں ٹھہرے تو کیا ٹھہرے

کٹے ہیں سر بہت تیغ جفا سے بیگناہونکے
عجب کیا ہو اگر قاتل کا کوچہ کربلا ٹھہرے

ادہر آئینکو وہ ہیں اودہر وقت سفر آیا
عجب مشکل نہ وہ آئیں نہ دم بھر کو قضا ٹھہرے

انکو زندگی کا لطف ہو اس دہر فانی میں
کہ جو نزدیک اچھوں کے بھلا اور باخدا ٹھہرے

قیام اپنا ہو اس محنت سرائے دہر میں کیونکر
جہاں آفت ہی آفت ہو وہاں آرام کیا ٹھہرے

آشوب رائے بہادر منشی پیارے لال

منشی پیارے لال آشوب کا وطن قدیم دہلی تھا۔ آپکے خاندان کا سلسلہ شہنشاہ اکبر کے مشہور وزیر راجہ ٹوڈر مل سے ملتا ہے۔ آپکے جد امجد رائے بالمکند اور رائے سیتا رام ہنود کے عہد میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز تھے۔ آپ لالہ سری رام دہلوی مصنف خمخانہ جاوید کے عم نامدار تھے ۱۸۳۶ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے پرانے دہلی کالج میں تعلیم پائی۔ انگریزی فارسی اردو میں نہایت اچھی قابلیت رکھتے تھے۔ دلی کے مشہور و معروف استاد مولانا صہبائی آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔

ضروری تعلیم سے فراغت کرنے کے بعد آپ گوڑگانوہ میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے اور یہیں مرزا غالب مرحوم کی خدمت میں نیاز حاصل ہوا۔ یہ اتفاقیہ ملاقات اس وجہ سے ہوئی کہ گوڑگانوے کے اسسٹنٹ کمشنر مسٹر کوان صاحب بہادر اس ضلع سے تبدیل ہو کر کسی دوسری جگہ تشریف لیجار ہے تھے۔ چونکہ وہ آشوب پر نہایت مہربان تھے اس واسطے یہ بھی اس وداعی جلسہ میں شریک تھے جو صاحب موصوف کی رخصت کے لیے کیا گیا تھا۔ اہل جلسہ میں یہ طے ہوا کہ چلتے وقت صاحب موصوف کو کوئی چیز بطریق یادگار نذر کرنی چاہیئے۔ چنانچہ باتفاق آرا یہ طے ہوا کہ ایک چاندی کا قلمدان نذر کیا جائے اور اس قلمدان پر کوئی شعر بھی کندہ کرایا جائے۔ اسی ضرورت کیلیے مرزا صاحب کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا۔ مرزا صاحب نے فی البدیہہ یہ قطعہ موزوں کر دیا ؎

گوڑگانوے کی ہے جتنی رعیت وہ یکقلم — عاشق ہو اپنے حاکم عادل کے نام کی

سو یہ نظر فروز قلمدان نذر ہے — مسٹر کوان صاحب عالیمقام کی

یہیں سے خلوص و محبت کی بنا پڑی۔ اور رائے صاحب نے بھی مرزا کے زمانۂ حیات تک نہایت سعادت مندی اور عقیدت کے ساتھ اوس خلوص کی قدر کی۔ جب ۱۸۶۶ء میں میکلاوڈ صاحب لفٹنٹ گورنر پنجاب نے دہلی میں دربار کیا۔ اور حسب معمول مرزا صاحب بھی اُس دربار میں شریک ہوئے تو بوجہ ضعف پیری آپ بغیر کسی معین و مددگار کے چل نہ سکتے تھے۔ رائے صاحب بھی اس دربار میں شریک تھے۔ اُٹھے اور

مرزا صاحب کو سہارا دیتے ہوئے مقام نشست تک لیگئے۔ میکلاوڈ صاحب نے یہ خلوص دیکھکر مرزا صاحب سے سوال کیا کہ کیا یہ تمہارا لڑکا ہے۔ مرزا صاحب نے کہا کہ لڑکا تو نہیں ہے مگر لڑکے سے زیادہ پیارا ہے۔

آشوب مرزا صاحب سے اسقدر محبت اور عقیدت رکھتے تھے کہ دلّی میں ہوتے تھے تو کوئی ہفتہ ملاقات سے خالی نہ جاتا تھا۔ اور اگر کبھی اتفاقیہ جانے میں دیر ہوتی تو مرزا صاحب خود شفقت بزرگانہ فرما کر اُن کو بلاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ شعر لکھ کر بلایا تھا ؎

آج یکشنبہ کا دن ہے آؤگے   یا فقط رستہ ہمیں دکھلاؤگے

اسکے علاوہ اُن خطوط سے بھی مرزا صاحب کے دلی اخلاص کا اندازہ ہوتا ہے جو ان کے نام سے مجموعہ رقعات میں موجود ہیں۔

آشوب تکمیل علم کے بعد ۱۸۵۸ء میں آگرہ کالج گئے اور اسکے بعد بریلی میں سرکاری ملازمت اختیار کرلی مگر ایک سال بعد واپس آئے اور گوڑگانوے اور دہلی میں ہیڈ ماسٹر رہے۔ دلّی سے تبدیلی کے وقت اہل شہر نے ایک سپاس نامہ آپ کو پیش کیا جس سے ان کی ہر دل عزیزی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مرزا مرحوم نے بھی اس کاغذ پر یہ فقرہ اپنے دستخط خاص سے لکھا تھا۔

" بابو پیارے لال کی مفارقت کا جو رنج مجھے ہوا ہے وہ میرا ہی جی جانتا ہے۔ بس اب میں نے جانا کہ دہلی میں میرا کوئی نہ رہا۔"

اسکے بعد آشوب لاہور میں کیوریٹر کے عہدہ پر ۱۵-۱۶ برس تک

فائز رہے۔ بعدہ انسپکٹری مدارس کے اعلیٰ عہدہ پر کام کرتے رہے۔ دہلی میں لٹریری سوسائٹی کی نبیاد ڈالی۔

میجر فلر صاحب جو عربی، فارسی، اردو کے زبردست ماہر تھے۔ کلکتہ یونیورسٹی کے سررشتہ تعلیم کے متعلق سالانہ سوالات جو آتے تھے اُسکا جواب خود لکھتے تھے۔ ایک مرتبہ کلکتہ یونیورسٹی سے یہ سوال آیا کہ مسجع اور مقفےٰ عبارت میں کیا فرق ہے مع مثال بیان کرو۔ میجر صاحب نے حسب معمول یہ سوال بھی رائے صاحب کے پاس بھیجا۔ رائے صاحب نے یہ سوال بجنسہ مرزا صاحب کے پاس بھیجدیا۔ اور اُنھوں نے اسکا جواب معہ امثال نظم میں لکھ کر دیا جسکا اخیر شعر یہ تھا ؎

تحریر ہی یہ غالب یزداں پرست کی
تاریخ اسکی آج نویں ہے اگست کی

مولانا آزاد اور مولانا حالی کو بھی آشوب کی وجہ سے لاہور میں اپنے جدید رنگ شاعری میں بڑی مدد ملی اور نیچرل شاعری کے شوق کی نبیاد یہیں سے پڑی۔

جناب آشوب نے مدتوں سرکاری ممتاز عہدوں پر کام کرنے کے بعد ۱۸۹۵ء میں پنشن لی اور بعد ازاں اپنے وطن مالوف میں بفراغت زندگی بسر کی۔

شعر و شاعری کا شوق ابتدائے عمر ہی سے تھا۔ ابتدا میں حضرت سوز خلف مولانا صہبائی سے اصلاح لیتے تھے اسکے بعد مرزا غالب سے تلمذ اختیار کیا۔ مگر کثرت کار سرکاری کیوجہ سے کبھی کلام کی ترتیب تدوین کی نوبت

نہیں آئی۔ دوران ملازمت میں چند کتابیں۔ رسُوم ہند کے پہلے تین باب۔ قصصِ ہند حصّہ اول و دوم۔ اُردو کی تیسری کتاب۔ ترجمہ تاریخ انگلستان کلاں۔ اور متعدد مضامین لکھے۔ اور بعض مضامین پر گورنمنٹ سے اعزازی تمغے اور انعام بھی حاصل کئے اِسی شہرت اور نیک نامی کے صلہ میں ۱۸۹۲ء میں رائے بہادری کا خطاب پایا۔

نہایت خندہ پیشانی نیک دل خوش تقریر تھے اور ہر شخص کی ہمدردی کو اپنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے :-

گر شیخ پاکدامن طالب نہو ریا کا ۔۔۔ رندوں کی محفلوں میں ہُکا اُڑے نہ خاکا

مجنوں کو ہم نے اپنی مانند خاک دیکھا ۔۔۔ گویا کہ وہ ہماری تصویر کا ہے خاکا

پتھر پہ شکل شیریں فرہاد نے بنائی ۔۔۔ اور ہم نے اپنے دل پر کھینچا ہے تیرا خاکا

اپنا تو سر جھکے ہو دونوں طرف کسی کی ۔۔۔ تصویر میکدے میں اور ہے حرم میں خاکا

آشوب خستہ جاں کو پھر ہی ہوس وہیں کی ۔۔۔ کل ہی تو اُڑ چکا ہو اُسکی گلی میں خاکا

زاہد چھوٹے جو دامن رندان بادہ کش ۔۔۔ تو چاہئے کہ مے سے اُسے شست وشو کریں

نواب امین الدین احمد خاں بہادر

نواب امین الدین احمد خاں، فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں والی فیروزپور جھرکہ

و لوہارو کے بڑے بیٹے تھے۔ اصل میں فیروز پور جھرکہ کے تعلقدار تھے۔ اور پرگنہ لوہارو راجہ الور نے بطریق جاگیر مرحمت فرمایا تھا۔ جو نسلاً بعد نسل آپکے اخلاف کی ملکیت میں چلا آتا ہے۔ مگر فیروز پور جھرکہ کا علاقہ ضبط ہو گیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ آپکے والد ماجد نواب احمد بخش خاں مرحوم نے اپنے حین حیات میں اپنے بڑے صاحبزادے شمس الدین احمد خاں کو اپنا جانشین اور والی ریاست مقرر کیا تھا اور پرگنہ لوہارو اپنے چھوٹے صاحبزادوں نواب ضیاالدین احمد خاں اور نواب امین الدین احمد خاں موصوف کے لیے بطور مدد معاش مقرر کیا تھا۔ چنانچہ نواب کی وفات کے بعد شمس الدین احمد خاں فیروز پور جھرکے کے رئیس مقرر ہوئے۔ مگر چونکہ شمس الدین احمد خاں کے مزاج میں کچھ ایسی وارفتگی اور لاابالی پن تھا جسکی وجہ سے اُن سے چند حرکات زبوں ظہور میں آئیں اسیوجہ سے فیروز پور جھرکہ کی ریاست ضبط ہو گئی مگر ریاست لوہارو علی حالہ باقی رہی۔ جو اب تک موجود ہے۔

مرزا صاحب کے تعلقات عرصہ سے اس خاندان سے وابستہ تھے یعنے نواب الٰہی بخش خاں معروف نواب احمد بخش خاں کے حقیقی چھوٹے بھائی کی لڑکی سے تیرہ سال کی عمر میں مرزا کی شادی ہوئی۔ اور اُسی وقت سے تعلقات عزیزانہ قائم ہوئے۔ جیسا کہ خود ایک خط میں لکھتے ہیں۔

" بھائی صاحب ساٹھ ساٹھ برس سے ہمارے تمہارے بزرگوں میں قرابتیں بہم پہونچیں۔ سچ کا میرا تمہارا معاملہ یہ ہے کہ پچاس برس سے میں تمکو چاہتا ہوں۔ بے اسکے کہ چاہت تمہاری طرف سے بھی ہو۔ چالیس

برس سے محبت کا ظہور طرفین سے ہوا۔ میں تمہیں چاہتا رہا تم مجھے چاہتے رہے وہ امر عام اور یہ امر خاص کیا مقتضی اسکا نہیں کہ مجھ میں تم میں حقیقی بھائیوں کا سا اخلاص پیدا ہو جائے وہ قرابت اور یہ مودت کیا پیوند خون سے کم ہے۔"

مرزا صاحب نے اسی طرح دوسرے خطوں میں محبت اور مودت کا اظہار کیا ہی۔ ہمیشہ بھائی اور برادر کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ اُدھر سے بھی دلداری اور دلدہی میں کوئی فروگزاشت نہوتی تھی۔ اور باوجود امارت نواب صاحب موصوف ہمیشہ آداب خوردانہ کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اگرچہ ظاہراکوئی تنخواہ وغیرہ مقرر نہ تھی مگر ہمیشہ نیازمندانہ اور مخلصانہ طریق پر مرزا صاحب کی مالی امداد کرتے رہتے تھے۔

نواب صاحب اگرچہ خود شاعر نہ تھے مگر شعر و شاعری کے دلدادہ تھے۔ جوہر قابل اور ذی استعداد تھے۔ ہمیشہ مرزا سے اُن کا کلام منگاتے سنتے اور پھر لطف اُٹھاتے۔ مرزا کی غزلیں ارباب نشاط کو یاد کرائی جاتیں اور محفل عیش و نشاط میں گائی جاتیں مرزا صاحب کے خلوص کا بھی یہ عالم تھا کہ باوجود پیرانہ سری اور مصائب کے ہمیشہ ان کی خاطر عزیز رکھتے اور برابر کلام بھیجتے رہتے تھے جابجا خطوط میں اس مرسلت کلام کا ذکر موجود ہے ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"عطوفت نامہ کی رو سے دو غزلوں کی رسید معلوم ہوئی۔ تیسری غزل گوہر نتواں گفت با اختر نتواں گفت۔ جو تمہارے حسب الطلب بھیجی گئی ہے کیا نہیں پہونچی بیشبہ پہونچی ہو گی تم بھول گئے ہو گے۔ وکیل حاضر باش دربار ائمہ اللہی یعنے علائی مولائی نے اپنے مؤکل کی خوشنودی کے واسطے

فقیر کی گردن پر سوار ہو کر ایک اردو کی غزل لکھوائی۔ پسند آئے تو مطرب کو سکھائی جائے۔ جھنجوٹی کے اونچے سُروں میں راہ رکھوائی جائے۔ اگر جیتا رہا تو جاڑوں میں آکر میں بھی سن لونگا!!

غرضکہ نواب موصوف کے زمانۂ حیات تک یہی اتحاد و ارتباط دوستی و یگانگت کا برتاؤ رہا اور باہمی سلسلہ مراسلت و مکاتبت جاری رہا۔ اور ان کے بعد نواب علاؤالدین احمد خاں[1] مسند نشین ہوئے۔

بیخبر خان بہادر ذوالقدر خواجہ غلام غوث

غلام غوث نام تھا۔ آخر عمر میں الہ آباد میں قیام اختیار کیا تھا اور وہاں کے معزز رؤسا میں تھے۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کے میر منشی تھے۔ کہتے ہیں کہ انکے مورث اعلٰے سلطان زین العابدین شاہ کشمیر کے رہنے والے تھے اور سلاطین مغلیہ کے عہد حکومت میں اعلٰے عہدہ قضا پر کشمیر میں ممتاز رہے۔ اور اکثر نازک اور اہم خدمات بھی ان کے خاندان کے ارکین کے سپرد رہیں۔ مگر مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں ان کے والد بزرگوار خواجہ حضور اللہ مع اپنے خسر یعنی بیخبر کے نانا خواجہ فریدالدین کے وہاں کی سکونت ترک کر کے لاسہ (تبت) چلے گئے۔ اور وہاں بھی انکی کافی عزت و وقعت کیگئی اور مسلمانوں کے مقدمات ان کے سپرد ہوئے۔ عرصہ تک وہاں رہے مگر پھر آب و ہوا

[1] ان کے حالات کے لیے دیکھو صفحہ

کی کشش سے ان کے والد ماجد وارد نیپال ہوئے۔ اور وہیں مقیم ہو گئے۔
بیخبر نیپال ہی میں ۱۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پانے لگے
مگر ۱۲۴۴ھ میں پھر ان کے والد کو ترک وطن پر مجبور ہونا پڑا۔ اور وہاں سے
سیدھے بنارس آئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ خواجہ صاحب
بھی ساتھ آئے اور یہیں پرورش پاتے رہے۔ ۱۸۴۰ء میں سلسلہ
ملازمت شروع ہوا۔ اتفاق سے خواجہ صاحب کو یہیں سے ایک منصب
جلیل پر کام کرنا پڑا۔ یعنی اپنے خالو خان بہادر مولوی سید محمد خاں میر منشی نواب لفٹنٹ
گورنر بہادر مغربی و شمالی کے نائب مقرر ہوئے۔ اسی زمانہ میں گوالیار پر چڑھائی ہوئی
اور لارڈ الن برا نے حملہ کیا تو گورنر جنرل کے منشی خانہ میں منسلک ہوئے اور
شریک مہم رہے جسکے جلدو میں بعد اختتام مہم خلعت سے سرفراز ہوئے۔ اور
بعد چند روز کے اپنے خالو کی جگہ پر میر منشی مقرر ہوئے اور حصول پنشن تک برابر
اسی عہدہ پر کام کرتے رہے غدر ۱۸۵۷ء میں آپ نے نہایت وفاداری کیساتھ
انگریزوں کی خدمات کیں اور اس خیر خواہی کے صلہ میں خلعت ہفت پارچہ
جس میں رقم جواہر بھی شامل تھی آپ کو مرحمت کیا گیا ۱۸۷۷ء میں
ملکہ معظمہ کے خطاب شہنشاہی اختیار کرنے کے موقعہ پر آپ کو تمغہ قیصری ملا
اور ۴۵ سال ملازمت کرنیکے بعد ۱۸۸۵ء میں آپکو پنشن دی گئی اور ذوالقدر
خان بہادر کا خطاب بھی عطا ہوا۔ اسی دوران میں نواب کلب علیخاں مرحوم
والی رامپور نے آپ کو عہدۂ مدار المہامی کے لیے تجویز کیا تھا مگر آپ کو منظور نہ ہوا
اور اپنا وقت عبادت و ریاضت اور دوسرے علمی اشغال میں صرف

کرتے رہے۔

خواجہ صاحب مرحوم ایک نہایت ہی قابل اور ذی استعداد ظریف ظریف ہشاش بشاش آدمی تھے۔ انشا پردازی اور نثاری میں جواب نہ رکھتے تھے۔ شعر و شاعری سے بھی ازلی مناسبت اور قدرتی لگاؤ تھا۔ اور زبردست سخن فہم اور سخن سنج تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ اور فکر اسقدر صائب تھی کہ سننے والے آفرین اور مرحبا کہتے تھے۔ اور بڑے بڑے نازک خیال کلام کو سنکر پھڑک جاتے تھے خونابۂ جگر، رقعات و نظم فارسی۔ فغانِ بیخبر (رقعات اردو) آپ کی تصنیف سے ہیں جو ۱۸۹۱ء میں چھپکر شائع ہو چکے ہیں۔

مرزا غالب سے نہایت بے تکلفانہ مراسم تھے اور ہمیشہ سلسلہ رسل و رسائل جاری رہتا تھا۔ اور بے تکلفی اس حد پر پہونچی ہوئی تھی کہ مرزا صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "قبلہ کبھی آپ کو یہ بھی خیال آتا ہے کہ ہمارا دوست جو غالب کہلاتا ہے۔ وہ کیا کھاتا پیتا ہے اور کیونکر جیتا ہے" ایک جگہ بے تکلفانہ لکھتے ہیں "جناب عالی آج دوشنبہ ۳ جنوری ۱۸۵۹ء کی ہے۔ پہر دن چڑھا ہوگا کہ ابر گھر آیا ہے ترشح ہو رہا ہے۔ ہوا سرد چل رہی ہے پینے کو کچھ میسر نہیں۔ ناچار روٹی کھائی ہے ؎

افق ہا پُر از ابر بہمن تہی سفالینہ جام من از مے تہی

خواجہ صاحب کی ایک غزل دیکھکر لکھتے ہیں کہ "اودھ اخبار میں حضرت کی غزل نظر فروز ہوئی۔ کیا کہنا ہے ابداع اسکو کہتے ہیں جدت طرزا س کا

نام ہے۔ جو ڈھنگ تازہ نوایان ایران کے خیال میں گزرا تھا تم بروئے کار لائے۔ خدا تم کو سلامت رکھے اور حیدرآباد دکھنی مصنف برہان قاطع کے جھگڑے میں بخلاف فارسی دانوں کے توفیق انصاف عطا کرے۔"

جس زمانہ میں مرزا صاحب کی قاطع برہان کی شہرت ہوئی۔ اور اطراف و جوانب سے لوگوں نے اسکے جواب لکھے تو مرزا صاحب کو معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب بھی اسکا جواب لکھ رہے ہیں سخت رنج ہوا۔ اور ایک شکایتی خط لکھا اوہر خواجہ صاحب ایک صاف دل نیک مزاج آدمی تھے ان جھگڑوں سے ہمیشہ علیحدہ رہتے تھے انکو یہ خط پڑھکر بڑا رنج ہوا اور مرزا صاحب کو جواب میں اپنے دلی رنج کا حال لکھا۔ مرزا صاحب نے یہ فقرہ پہلے لکھا تھا "کہ خارج سے یہ مسموع ہوا کہ میں نے جو اغلاط برہان قاطع کے نکالکر ایک نسخہ موسوم بہ قاطع برہان لکھا ہے اور ایک مجلد اوسکا آپ کو بھی بھیجدیا ہے۔ آپ اوس کی تردید میں رسالہ لکھ رہے ہیں۔ اگرچہ باور نہیں آیا مگر عجب آیا" جب اس خط کا جواب ملال آمیز موصول ہوا تو مرزا نے یہ خط لکھا ؎

"میں سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہوں یعنے سبق شوق مکرر نہوا تھا

پیر و مرشد خفا نہیں ہوا کرتے۔ یوں سنا۔ نہ مجھے باور نہ آیا یہانتک تو میں مورد عتاب ہو نہیں سکتا۔ جھگڑا استعجاب پر ہے محل استعجاب وہ ہے کہ آپکا دوست کہتا ہے کہ میر منشی نواب لفٹنٹ گورنر بہادر میرے شاگرد ہیں اور وہ قاطع برہان کا جواب لکھ رہے ہیں۔ اولیا کا یہ حال ہے۔ وائے بر حال ہم اشقیا کے۔ یہ حکایت ہے شکایت نہیں۔ دنیاداری کے لباس میں

فقیری کر رہا ہوں لیکن فقیر آزاد ہوں نہ شیدا و گیا دنشتر برس کی عمر ہے
بے مبالغہ کہتا ہوں ہشتر ہزار آدمی نظر سے گزرے ہونگے زمرۂ خواص میں سے
عوام کا شمار نہیں۔ دو مخلص صادق الولاد یکھے ایک مولوی سراج الدین رحمۃ اللہ
علیہ دوسرا منشی غلام غوث بیخبر سلمہ اللہ تعالے" غرضکہ چند روز میں جانبین
میں صفائی ہوگئی اور پھر تا دم آخر وہی خلوص و اتحاد جاری رہا۔

خواجہ صاحب سے اور والد مرحوم سے بہت ارتباط و اتحاد تھا۔ وہ
جب الٰہ آباد جاتے تو خواجہ صاحب ہی کے دولت کدے پر ٹھیرتے میں
بھی اکثر ساتھ ہوتا تھا۔ سب سے پہلے ۱۸۶۰ء میں خود انھیں کے دولت خانے
پر خواجہ صاحب کی زیارت مجھکو نصیب ہوئی اُس زمانہ میں حضرت محلہ
سبزی منڈی میں ایک وسیع مکان میں قیام فرماتے تھے باہر کے مکان
میں بعض اعزا بطور دوام کے اقامت گزیں تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔
خواجہ صاحب سہ پہر کے وقت نماز عصر سے فراغت کرکے باہر تشریف
لاتے تھے۔ میں نے ایسی پابندی وقت اور پابندی وضع کسی دوسرے ہندوستانی
شخص میں نہیں دیکھی۔ صحن میں چھڑکاؤ ہوکر کرسیاں مونڈھے دو رویہ بچھا
دیے جاتے تھے۔ صدر میں ایک اونچی کرسی سامنے ایک چھوٹی سی میز
جسپر خاصدان وغیرہ رکھا جاتا تھا ادہر اُدھر دو بڑے اگالدان جناب مرحوم
پابندی وقت کے ساتھ ہاتھ میں تسبیح لیے محلسرا سے برآمد ہوتے اور
اُسی صدر کی کرسی پر متمکن ہو جاتے۔ دونوں طرف کرسیوں اور مونڈھوں
پر لوگ اپنے اپنے مرتبہ اور نیز باعتبار اس درجہ ارتباط اور دوستی کے جو خواجہ صاحب

کے ساتھ اُن کو حاصل ہوتا اپنی اپنی جگھوں پر بیٹھ جاتے تھے میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کوئی شخص جو ایک مرتبہ کرسی پر بیٹھا ہو وہ دوسرے دن مونڈھے پر بیٹھے یا برعکس اسکے مونڈھے پر بیٹھنے والا کبھی کرسی نشینی کی جرأت کرے۔

خواجہ صاحب بہت کثیر الاحباب اور خلیق اور ملنسار تھے۔ لوگ دُور دُور تک سے آگرہ اور گاڑی پر سوار ہو ہو کر روزانہ ملنے آتے اور اس کو اپنی ضعیف داری سمجھتے تھے۔ کبھی بڑے بڑے معزز اور با اثر حضرات جب آگرہ آباد میں وارد ہوتے تو خواجہ صاحب کی ملاقات اور زیارت کو اپنی سعادت سمجھکر اُنسے ملنے آتے۔ مگر دو باتوں پر میں نے غور کیا ایک یہ کہ خلاف وقت وہ کبھی کسی سے نہ ملتے تھے اور دوسرے یہ کہ بروقت ملاقات وہ اپنی کرسی کسی بڑے سے بڑے آدمی کیواسطے بھی نہیں چھوڑتے تھے اور لوگ اسکا برا بھی نہیں مانتے تھے۔ ایک مرتبہ میرے سامنے نواب محسن الملک تشریف لائے اور باوجود بزرگی سن اور بزرگی مرتبہ کے خواجہ صاحب سے نہایت خوش خلقی طریق پر بہت جھک کر بغلگیر ہوئے اور پاس بیٹھ گئے۔

مولوی ذکا اللہ خاں مرحوم سُنا گیا ہے کہ اپنے قیام آگرہ آباد کے زمانہ میں روزانہ ملنے آتے تھے۔

خواجہ صاحب باوجود کبر سن کے توانا اور تندرست اور نہایت خوش خوراک خوش پوشاک اور خوش سلیقہ آدمی تھے۔ میں اُس زمانہ میں نوعمر تھا مگر خواجہ صاحب کے معاش اور معاد دونوں کی خوش انتظامی کو دیکھکر اور اُس سے متاثر ہو کر دل میں دعائیں مانگا کرتا تھا کہ یا اللہ بڑھاپے

میں بھی اسیطرح زندگی بسر کروں۔

خواجہ صاحب اُس زمانہ میں خضاب کے بہت پابند تھے تیسرے دن وقت مقررہ پر خاص خط تراش حاضر ہوتا اور اصلاح و تخفیف کے نازک خدمات سے ایک عرصہ میں فارغ ہوتا تھا۔ میں نے اوس زمانہ میں جناب موصوف کی داڑھی حدود مقررہ سے متجاوز کبھی نہیں دیکھی اور نہ کبھی ایک بال سفید دیکھا۔ مگر بعد کو میرے خیال میں ۱۸۹۰ء کے بعد سے خضاب چھوڑ دیا اور داڑھی بھی بڑھا دی تھی۔

اتوار کے دن احباب کا مجمع آٹھ نو بجے صبح سے ہوتا تھا اور اُس دن سب لوگ خواجہ صاحب ہی کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ بعد فراغ طعام شعر و سخن کی محفل گرم ہوتی اور لطائف و ظرائف اور خوش گپیوں میں وقت صرف ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ بلبل کو چاک ایک ایرانی رند سائل اسی اتوار کے جلسہ میں حضرت کے یہاں پہونچا اور لوگوں کو اپنے الحان و انشاد سے بہت محظوظ کیا خواجہ صاحب کے پاس بیدل کا دیوان نہایت عمدہ قلمی تھا شاید مرزا بیدل کی رنگین شبیہ بھی اس میں شامل تھی چونکہ خواجہ صاحب کو بیدل کا کلام پسند تھا اور کثرت سے اُسکے اشعار خود پڑھتے یا سُنکے لطف اُٹھاتے۔ بلبل کو چاک کو یہ معلوم تھا۔ نہایت اصرار اور منت سماجت سے دیوان مذکور اندر سے نکلوایا اور اُسکے اشعار اتنے زور سے چیخ چیخ کر گانے لگا اور بعض اشعار پر از خود رفتہ ہوکر لوٹنے لگا کہ لوگ ہنسنے لگے۔

خواجہ صاحب نہایت مہذب اور متین بزرگ تھے۔ اور عجب و غرور ہرگز نہ تھے۔ بعض لوگ جو اُن کی اس خودداری اور سلف ریسپکٹ کو نہیں سمجھتے تھے وہ اُن پر عُجب و غرور کا الزام لگاتے تھے مگر حاشا کہ ایسا نہ تھا بلکہ وہ تو مجسم خلق و تواضع تھے۔ اور پاس دوستی اور حفظ مراتب کو اعلے درجہ کی وضعداری سمجھتے تھے۔ خاکسار راقم پر شفقت بزرگانہ فرماتے اور عزیزانہ محبت سے پیش آتے تھے۔

خواجہ صاحب مرحوم نے پیرانہ سالی میں بھی زندہ دلی اور علمی اشغال کو جاری رکھا اور اسی عالم میں ۱۹۰۵ء میں بمقام الہ آباد وفات پائی۔ اگرچہ اُنھوں نے فارسی اور اردو میں بہت کچھ کہا مگر افسوس کہ نمونہ کلام کے لیے اس سے زیادہ شعر نہ مل سکے۔

چشم کہ باز شد ز خواب فتنہ ازو بپا است
پردہ ز رخ کہ برکشاد مہر ز شرم زرد رو است!

رخت چو در نقاب رفت عارض شرمگیں شکست
ز قفا ب حیرت است آئینہ یا کہ روبرو است؟

جامہ کہ کرد زیب تن صبح دریدہ پیرہن
بند قبا کہ بستہ است نکہت گل بہ بند او است؟

غازہ بہ رخ کہ برکشید رنگ بریدہ گل شکست
ابرو کشیدہ است تا بہ گردن خلق تیغ جو است؟

دست چو در حنا گرفت لالہ ز بخون نشست
چشم چو سرمہ گشت تا طعنہ سرمہ در گلو است؟

جام صبوحی کہ زد شیشہ بسجدہ سر نہد
بے زلف کہ بافت تپش نشاط در سبو است!

چہرہ ز مے کہ بر فروخت نشاء شوق شد بلند
زلف کہ بوئے بر فشاند موج نسیم مشکبو است!

تیغ نگہ کہ آب داد گشتہ فگار سینہ ہا
نوک مژہ کہ تیز کرد دامن زخم بے رفو است!

غنچہ ز خندہ لب بلب تنگ تبسم کہ دید
در گہر آبرو نماند لعل کہ گرم گفتگو است!

طرف کلہ کہ بشکست شیشۂ دل شکستہ شد — قامت خم دکہ راست کرد نخل مراد در نمواست!
موئے کمر کہ تاب داد رشتۂ جان نہ ہم گسیخت — دامن ناز را کہ ہشت خاک نہ ہیں پا آبرواست!
بر سر زین کہ بر نشست رفتہ ز کف عنان صبر — سوئے چمن کہ می رود باد صبا برفت و رواست!

بخت کجاست کہ بخیز تا برکاب او دوم
برسرِ رہ نشستہ ام ہمہ نگاہ ہم آرزو است

تفتہ منشی ہرگوپال

منشی ہرگوپال نام تھا تفتہ تخلص کرتے تھے اور بسبب اتحاد و مؤانست غالب مرحوم نے مرزا کا خطاب دیا تھا۔ ۱۲۱۴ھ میں محلہ قانون گویاں قصبہ سکندر آباد ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے اور زیادہ حصہ عمر کا اسی مشہور و معروف قصبہ اور اسی محلہ میں گزارا۔ کچھ دن خود بھی عہدہ قانون گوئی کے فرائض انجام دیتے رہے مگر شعر و شاعری کا ذوق ایسا تھا کہ اُسنے کسی دوسری طرف توجہ نہ کرنے دی اور آخر کار ہر کام سے سبکدوش ہو گئے۔

مرزا غالب مرحوم سے انہیں اور غالب مرحوم کو ان سے دلی خلوص تھا۔ مرزا ایکبار ۱۸۶۶ء میں بیمار ہوئے خط و کتابت کے ذریعہ سے تفتہ کو یہ حال معلوم ہوا باوجود آشفتہ حالی فوراً سکندر آباد سے دلی گئے اور جبتک اپنی آنکھوں سے اُستاد کی حالت نہ دیکھ لی چین نہ آیا۔ اسیطرح جب کوئی

ضرورت یا کوئی خاص بات ہوتی بلا تامل سکندرآباد سے ریل میں سوار ہو کر دلّی پہونچ جاتے اور مہینوں رہتے اپنے مخدوم کی خدمت کرتے اور ادبی فیض اُٹھاتے تھے۔

یہی حال مرزا صاحب کا بھی تھا کہ سچے دل سے تفتہ پر مہربان اور ان کے قدردان تھے کسی طرح اُن کے دل پر ملال و اندوہ کے روادار نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ کہیں کسی طرح تفتہ کو یہ معلوم ہوا کہ مرزا صاحب مجھسے آزردہ ہیں۔ صاف دلی نے صاف گوئی پر مجبور کیا۔ فوراً خط لکھا۔ مرزا صاحب نے خط پڑھ کے جواب میں لکھا کہ "مرزا تفتہ جو کچھ تم نے لکھا بیدردی اور بدگمانی ہے۔ معاذاللہ تم سے اور آزردگی مجھکو اسپر ناز ہے کہ میں ہندوستان میں ایک دوست صادق الولا رکھتا ہوں جسکا ہرگوپال نام اور تفتہ تخلص ہے"۔ اسیطرح دوسرے خطوط میں بھی محبت اور خلوص سے ہے کہ ٹپکا پڑتا ہے اُنس و موانست ہے کہ سیکڑوں پردوں سے ظاہر ہوئی جاتی ہے۔ سو خط ہیں تو سو طرح سے تخاطب ہے۔ کہیں بھائی لکھتے ہیں کہیں دوست کہتے ہیں۔ کہیں مرزا تفتہ کہکر پکارتے ہیں۔ کہیں جوشِ محبت میں میری جان کہہ جاتے ہیں کسی جگہ پیارے میں برخوردار قلم سے نکل جاتا ہے کہیں فرطِ محبت و خلوص میں نثپے جاتے ہیں۔ کہیں بزرگانہ فہمانی سے چشم نمائی کرتے ہیں۔ کبھی ضرورت پڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ روپیہ بھیجو کہیں تفتہ کی پریشان حالی کا خیال آتا ہے تو لکھتے ہیں بیکار کیوں بیٹھے ہو بنک کا روپیہ سب کھا گئے اب کیا کروگے۔ کہیں صلاح دیتے ہیں تو غزل کی غزل

کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور کہیں داد دیتے ہیں تو لکھتے ہیں "میاں مرزا تفتہ ہزار آفریں کیا اچھا قصیدہ لکھا ہے۔ واہ واہ چشم بد دور" کہیں خوش ہوتے ہیں تو ظریفانہ چٹکیاں اور گدگدیاں ہیں۔ کہیں پہروں اپنی داستان رنج وملال کا رونا ہے غرضکہ تعلقات وارتباط کی زنجیریں ہیں جن کی ایک کڑی دوسری کڑی سے ایسی ملی ہوئی ہے کہ کوئی طاقت اس کو جدا کرہی نہیں سکتی۔ اور کوئی سبب اوسکو آزار پہونچا ہی نہیں سکتا۔

تفتہ شعروشاعری کے اوائل عمر ہی سے دلدادہ تھے۔ فارسی میں کئی دیوان کہے تھے جن میں سے دو تین چھپ بھی گئے ہیں۔ مگر مرزا کی اصلاح اور خداداد طبیعت نے وہ رنگ دکھایا ہے کہ بڑے بڑے استادوں سے کلام ٹکر کھاتا ہے۔ مرزا صاحب ان کو اصلاح سے مستغنی جانتے ہیں اور انکی قوت مشق کو درجہ کمال پر مانتے ہیں۔ ایک خط میں لکھتے ہیں "بھائی تمہاری مشق چشم بددور صاف ہو گئی رطب ویابس تمہارے کلام میں نہیں رہا۔ اور اگر خواہی نخواہی تمہارا عقیدہ یہی ہے کہ اصلاح ضرور ہے تو میری جان میرے بعد کیا کروگے۔ میں تو چراغ دم صبح وآفتاب سرکوہ ہوں" ایک جگہ کہتے ہیں "مشق تمہاری پختہ ہو گئی۔ خاطر میری جمع ہے" ایک اور جگہ ظرافت کا رنگ دیکر فرماتے ہیں "تمہارا کلام پختگی کو پہونچ گیا ہے۔ اصلاح طلب نہیں رہا ہو۔ شیر اپنے بچہ کو ایک مدت تک آئین شکار سکھاتا ہے۔ جب وہ جوان ہوجاتا ہے تو خود بے اعانت شیر شکار کیا کرتا ہو"

تفتہ کے مزاج میں تصوف کا مذاق بہت زیادہ تھا۔ اسی کا جابجا

اون کے کلام میں پرتو ہے نہایت پاک مشرب نیکدل صوفی منش آدمی تھے ایک مرتبہ ترک لباس کا ارادہ کیا۔ مرزا کو خبر ہوئی کسی طرح کہہ سُنکر باز رکھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں "کیوں ترک لباس کرتے ہو پہننے کو تمہارے پاس ہے کیا جس کو اُتار کر پھینکو گے۔ ترک لباس سے قید ہستی مٹ نجاے گی بغیر کھائے پیئے گزارہ نہو گا سختی و سُستی رنج و آرام کو ہموار کرو جس طرح سے ہو اسی صورت سے بہرصورت گزرنے دو ؎

تاب لاتے ہی بنے گی غالب واقعہ سخت ہو اور جان عزیز"

مرزا تفتہ کا ایک بچہ آغاز شباب میں قضا کر گیا تھا جسکا نام تپسیر تھا۔ اسکے مرنے سے ان کو سخت صدمہ پہونچا جسکا ایک نوحہ انکے کسی دیوان میں موجود ہے اوس وقت سے کچھ ایسے دل برداشتہ ہو گئے تھے کہ دنیا کے مشاغل میں جی نہ لگتا تھا۔ مگر مرزا اُنکو ہنسا ہنسا کر اور شیریں نصیحتیں کر کر کے شعر و شاعری کیطرف راغب کرتے تھے۔

زمانہ کے رسم و رواج کی موافق مرزا تفتہ ہمیشہ فارسی ہی کہتے تھے اُردو نہ اُسوقت تک اتنی زیادہ مقبول تھی اور نہ لوگ اُسکو معیار کمال سمجھتے تھے۔ مگر فارسی شاعری کیطرف وہ آخر عمر تک متوجہ رہے اور ایک دراز عمر پا کر عالم ضعیفی میں مرزا غالب کی وفات کے دس برس بعد ۱۸۷۹ء میں عالم فانی سے رہگرائے ملک جاودانی ہوئے۔

اُن کے اُردو کلام میں مرزا غالب مرحوم کا قطعہ وفات دستیاب ہوتا ہے جو مومن خاں کی اُس تاریخ کے طرز پر کہا گیا ہے جو اُنھوں نے شاہ عبدالعزیز

محدث دہلوی کے غم وفات میں لکھا ہے[1] ؎

غالب وہ شخص تھا ہمہ داں جسکے فیض سے | ہمسے ہزار ہیچداں ناموار ہوئے
فیض و کمال و صدق و صفا اور حسن عشق | چھ لفظ اسکے مرتے ہی بے پا و سر ہوئے

ولہ

لے نالہ سوے چرخ مرنجد گرم مرگ گرم | با پیر بزید بسر آزار جواں را

ثاقب نواب شہاب الدین احمد خان

نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب نواب ضیاء الدین احمد خاں والی لوہارو کے بڑے بیٹے تھے۔ زیادہ تر دلّی میں رہتے تھے۔ مرزا صاحب کے سسرال کے رشتہ سے بھتیجے تھے۔ اور مرزا کو ان کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ اپنے بچوں سے زیادہ ان کو چاہتے تھے۔ بیرون اختلاط اور بزرگانہ محبت کی باتیں کرتے تھے اور انکی تعلیم و تربیت میں مصروف رہتے تھے۔

ثاقب کی ذاتی قابلیت ایسی تھی کہ اچھے اچھے ذی استعداد ان کی برابری نہ کرسکتے تھے نہایت نیک نفس ملنسار اور حکام رس تھے چنانچہ اسی وجہ سے دہلی میں آنریری مجسٹریٹ کے جلیل القدر عہدہ پر ممتاز ہوگئے تھے دہلی کے نہایت مشہور و معروف لوگوں میں تھے۔

شعر و شاعری کا ابتدائے عمر ہی سے ذوق و شوق تھا۔ مرزا

[1] مومن کا مادہ تاریخ یہ ہے ؎ دست بیداد اجل سے بے سر و پا ہوگئے + فقر و دین فضل و ہنر لطف و کرم علم و عمل

ہی سے اصلاح لیتے تھے۔ اور حتی الوسع مرزا ہی کا اتباع کرتے تھے۔ درد اثر۔ معانی آفرینی اور صفائی زبان نشست الفاظ اور چستی بندش کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ اور ہمیشہ مشق سخن جاری رہتی تھی۔

مرزا ہمیشہ ان کے ساتھ اپنے بچوں کی طرح پیش آتے تھے اور ان کے جی بہلانے کی طرح طرح کی تدبیریں کرتے تھے۔ کہیں اگر تنبیہ بھی کرتے تو اسطرح کہ ناگوار نہو اور بجائے رنج کے اور ہنسی آتی تھی۔ ثاقب مرزا کے کلام کی نقل کرلیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مرزا نے وہ مجموعہ دیوان ان سے مانگا انہوں نے حوالہ کیا۔ اتفاق سے اوس میں کچھ غلطیاں تھیں۔ اور مزید براں یہ بات تھی کہ کسی کے شعر مرزا کے نام سے دیوان میں لکھدیئے گئے تھے۔ مرزا نے وہ دیوان دیکھا۔ بڑا غصہ کیا۔ فوراً ایک رقعہ لکھا۔

"بھائی شہاب الدین خاں واسطے خدا کے یہ تم نے اور حکیم نجف خاں نے میرے دیوان کا کیا حال کردیا ہے۔ یہ اشعار جو تم نے بھیجے ہیں۔ خدا جانے کس ولد الزنا نے داخل کردیے ہیں۔ دیوان تو چھاپے کا ہے متن میں اگر یہ شعر ہوں تو میرے ہیں اور اگر حاشیہ پر ہوں تو میرے نہیں۔ بالفرض اگر یہ شعر متن میں پائے بھی جادیں تو یوں سمجھنا چاہیے کہ کسی ملعون نے جلب نے اصل کلام کو چھیل کر یہ خرافات لکھدیئے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جس مفسد کے یہ شعر ہیں اوسکے باپ پر اور دادا پر اور پردادا پر لعنت اور وہ ہفتاد پشت تک ولد الحرام۔ اسکے سوا اور کیا لکھوں۔ ایک تو لڑکے میاں غلام نجف دوسرے تم۔ میری بدبختی بڑھاپے میں آئی کہ میرا کلام تمہارے ہاتھ پڑا۔"

ایک مرتبہ ثاقب کو کوئی خط لکھا تھا اُن سے جواب میں دیر ہوئی۔ مرزا نے فوراً یہ رباعی لکھکر بھیجی ؎

رقعہ کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے — ثاقب حرکت یہ کی ہے بیجا تم نے
حاجی کلّو کو دیکے بیوجہ جواب — غالب کا پکا دیا کلیجا تم نے

ایک مرتبہ ثاقب سے رمضان کی کیفیت اس طرح پوچھتے ہیں ؎

اے روشنی دیدۂ شہاب الدین خاں — کٹتا ہے بتاؤ کس طرح سے رمضاں
ہوتی ہے تراویح سے فرصت کب تک — سنتے ہو تراویح میں کتنا قرآں

افسوس کہ عین عالم شباب میں ۱۹ اپریل ۱۸۶۹ء مطابق ششم محرم ۱۲۸۶ھ یوم دوشنبہ کو بعارضۂ تپ ۳۱ سال ہنگام سحر دہلی میں انتقال کیا مرتے وقت قدم شریف میں دفن ہونے کی وصیت کی تھی چنانچہ حسب وصیت اپنے چچا شمس الدین احمد خاں مرحوم کے پہلو میں قدم شریف کے قبرستان میں مدفون ہوئے مرزا قربان علی بیگ سالک نے تاریخ کہی ؎

از صدمۂ مرگ ثاقب والا جاہ — ہر سو ست صدائے نالہ ہائے جانکاہ
تاریخ وفات او چنیں سالک گفت — روز ششم محرم صد آہ ۱۲۸۶ھ

آپنے چار صاحبزادے اور ایک لڑکی یادگار چھوڑی۔ صاحبزادوں کو میراث پدری کے علاوہ شاعری بھی ارث میں ملی۔ چنانچہ آپ کے بڑے صاحبزادے نواب شجاع الدین احمد خاں تاباں مرحوم اور نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلی کے نہایت ممتاز اور مشہور و معروف شاعروں میں ہیں افسوس کہ تاباں مرحوم نے بھی اسی سال یعنی ۱۹۲۹ء میں انتقال کیا۔

نمونۂ کلام

کیوں وعدہ کرو بے خبر آتا ہو کسی وقت | ہوں وصل کا خواہاں نہیں مشتاق خبر کا
اس عصر میں کتنے تھے ایسے پیارے طفل | بچپن کا ہی نام مرے دیدۂ تر کا
ہر شخص کا دل شہر میں کھنچتا ہے اُدھر کو | کیوں اور سے پوچھے کوئی رستہ ترے گھر کا

سمجھے ہوئے تھے قبر کو ہم کنج عافیت | دیکھا تو یاں بھی امن و اماں کا مکاں نہ تھا
جو کام میں غیر کے ہوئیں صرف | افسوس وہ دلربا ادائیں
نہیں عقل سے عشق خالی کہ اس میں | بڑے تجربے ہمکو حاصل ہوئے ہیں

دلکا سودا ہو خفا ہو نیکی کچھ بات نہیں | گفتگو رہتی ہی بایع کو خریدار کیساتھ
دانہ پانی کے خبر لینے کی توفیق نہیں | کھیلنا جانتے ہیں مرغ گرفتار کیساتھ
بیٹھے ہیں ہم اب دل بے آرزو لیے | وہ دن گئے کہ داغ تمنا اٹھائیے

جنوںؔ خان وہا قاضی عبد الجمیل دہلوی

ان کا نام عبد الجمیل تھا جنوںؔ تخلص کرتے تھے۔ انکے اسلاف واجداد شاہان تیموریہ کے زمانہ عروج سلطنت میں مصر سے دہلی آئے اور

فرمانروائے ہند نے اُن کی نہایت قدر و منزلت کی مختلف اور متفرق عہدہ ہائے جلیلہ پر سرفراز کیا متعدد شہروں میں مناصب جلیلہ پر کام کرتے رہے اور جب کارنامہ بریلی میں معہدۂ قضا مامور ہوئے اور یہیں رہ پڑے۔ حاکم وقت کی نظر میں آپ کے بزرگوں کا اسقدر وقار اور اعتبار قائم ہوگیا تھا کہ شاہان دہلی اور شاہان اودھ دونوں عزت کرتے اور اونکی بات مانتے تھے چنانچہ دونوں سلطنتوں کے مابین جو امور نزاعی ہوتے وہ اُن ہی کے ذریعہ سے طے ہوا کرتے تھے۔

قاضی صاحب موصوف سنہ ۱۲۵۱ھ میں بمقام بریلی پیدا ہوئے اور ۱۸ برس کی عمر میں تحصیل علوم رسمیہ عربی اور فارسی سے فراغت حاصل کی اسی زمانہ میں شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہوا اور مشق کرنے لگے جب ذرا مشق پختہ ہو چلی تو مرزا صاحب کو اصلاح کلام کے لیے تجویز کرکے ۱۲۶۹ھ میں دو ایک غزلیں بھیجیں۔ مرزا کو ضعف پیری اور آلام نے گھیر رکھا تھا پریشان تھے دوسرے جب تک کسی کو اچھی طرح جانچ نہ لیتے تھے اوس سے بے تکلف نہوتے تھے۔ غرض انھیں وجوہ سے آئی ہوئی غزلیں یہ لکھ کر واپس کردیں کہ میں نے نہ تو آپکی غزلوں میں کچھ عیب پایا کہ اونپر اصلاح کرتا۔ اور نہ اس اصلاح سے کوئی فائدہ ہے جبتک کہ استاد کی صحبت میں نرہے اور مدتوں تک اوس کی روش کو پیش نظر نہ رکھے اُس وقت تک کام نہیں چل سکتا۔ مبداء فیاض سے ہمت طلب کیجئے اور مشق کئے جائیے۔ آپ کی لیاقت اور قابلیت رہبری کریگی اور

اصلاح کی ضرورت نہ رہے گی۔ مگر قاضی صاحب نے اس تحریر کو صرف ایک دفع الوقتی خیال کیا اور متعدد خطوط بھیجے۔ مرزا بدخلق تو تھے نہیں ٹالنا چاہتے تھے مجبوراً اصلاح دینا شروع کر دی۔ اور رفتہ رفتہ بہت زیادہ مہربان ہو گئے۔ مگر آلام جسمانی اور تکالیف روحانی اسقدر بڑھ گئی تھیں کہ ہوش و حواس بجا نہ تھے چنانچہ ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں کہ "۱۲۷۷ھ میں میرا نہ مرنا صرف میری تکذیب کے لیے تھا مگر اس تین برس میں ہر روز مرگ نو کا مزا چکھتا رہا ہوں۔ حیران ہوں کہ کوئی صورت زیست کی نہیں پھر میں کیوں جیتا ہوں۔ روح میری اب جسم میں اس طرح گھبراتی ہے جس طرح طائر قفس میں۔ کوئی اختلاط کوئی جلسہ کوئی مجمع پسند نہیں۔ کتاب سے نفرت شعر سے نفرت۔ روح سے نفرت جسم سے نفرت یہ جو کچھ لکھا ہے بیان واقع اور بے مبالغہ ہے ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم"

نسیان کا یہ عالم تھا کہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "خلیفہ حسین علی صاحب رامپور میں مجھ سے ملے ہونگے مگر واللہ مجھکو یاد نہیں۔ نسیان کا مرض لاحق ہے حافظہ گویا نہ رہا۔ شامہ ضعیف۔ سامعہ باطل۔ باصرہ میں نقصان نہیں حدت البتہ کچھ کم ہو گئی ہے۔ پیری و صد عیب چنیں گفتہ اند" ایک جگہ لکھتے ہیں "میں تندرست ہوں نہ رنجور رہوں زندہ بدستور ہوں۔ دیکھئے کب بلاتے ہیں اور جب تک جیتا ہوں اور کیا دکھاتے ہیں"۔ ایک مرتبہ قاضی صاحب کی خواجہ غلام غوث بیخبر سے ملاقات ہوئی۔ اثنائے ملاقات

میں مرزا صاحب کا ذکر آیا۔ قاضی صاحب نے مرزا کے آلام و اسقام کا ذکر اور بیماری اور پریشانی کے شدائد کا حال بیان کیا۔ خواجہ صاحب نے ہنسی ہنسی میں کہا کہ مرزا صاحب تو اب اچھے خاصے تندرست ہیں کچھ بسیار رو بیمار نہیں ہیں۔ قاضی صاحب نے اس ملاقات کا ذکر اور تندرستی معلوم ہونے کا حال مرزا صاحب کو لکھا۔ مرزا نے یہ جواب دیا " مولوی غلام غوث خانصاحب بہادر میر منشی کا قول سچ ہے۔ اب میں تندرست ہوں پھوڑا پھنسی کہیں نہیں۔ مگر ضعف کی وہ شدت ہے کہ خدا کی پناہ ضعف کیونکر نہو برسوں صاحب فراش رہا ہوں۔ ستّر برس کی عمر جتنا خون بدن میں تھا بے مبالغہ آدھا اس میں سے پیپ ہو کر نکل گیا سن کہاں جواب پھر تولید دم صالح ہو۔ بہرحال زندہ ہوں اور ناتوان پھر آپ کی پرسش ہائے دوستانہ کا ممنون احسان والسّلام"

قاضی صاحب ہمیشہ تحفے تحائف مرزا کی خدمت میں ارسال کرتے رہتے تھے اور ادھر مرزا صاحب کا یہ عالم تھا کہ شفقت تحریر کرتا فرماتے اور قبول تحائف سے شرمندہ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ قاضی صاحب نے کچھ آم بھیجے مرزا نے قبول کر لیے۔ اگلے سال آموں کی فصل میں قاضی صاحب نے پھر لکھا کہ آم بھیجتا ہوں۔ مرزا صاحب نے لکھا کہ " آموں کے باب میں جو کچھ لکھا یہ کیوں لکھا۔ ادرا کو دوام کیا ضرور ہے۔ خصوصاً جبکہ بذات خود حادث ہو حضرت اب کی سال آم ہر جگہ کم ہے۔ اور جو کچھ ہے وہ خشک و بےمزہ ہے۔ آم کہاں سے ہو نہ ہوا وٹ نہ برسات دریا پایاب ہو گئے کنویں سوکھ گئے۔ اثمار میں طراوت کہاں سے ہو۔ جناب اسکا خیال نفرمادیں اپنے گفتہ کو غلط کر دونگا بلکہ

آیندہ تک جیونگا۔ آپ کے موہتی آم کھاؤنگا" یہ کشف اُسی تاریخ کیطرف اشارہ
ہے جو مرزا نے اپنی زندگی میں اپنی وفات کے لیے کہہ رکھی تھی ؎

من کہ باشم کہ جاوداں باشم — چوں نظیری نماند و طالب مرد
ور بگویند در کدامی سال — مرد غالب بگو کہ غالب مرد

باوجود اس ارتباط و اختلاط کے قاضی صاحب کو مرزا صاحب کی خدمت
میں حاضر ہونیکا کبھی موقع نہ ملا تھا۔ جب مرزا صاحب مسند نشینی نواب
کلب علیخاں مرحوم والی رام پور کی تہنیت میں رام پور تشریف لے گئے
تو قاضی صاحب نے توجہ دلائی کہ بریلی رام پور سے کچھ دور نہیں ہے۔ نمائش گاہ
کا زمانہ ہے تشریف لائیے اور مشتاق دید کو ممنون فرمائیے۔ مرزا صاحب
نے جواب میں لکھا "۱۲ اکتوبر کو یہاں پہونچا۔ بشرط حیات آخر دسمبر تک
دہلی جاؤنگا۔ نمائش گاہ بریلی کی سیر کہاں اور میں کہاں۔ خود اس نمائش گاہ
کی سیر میں جس کو دنیا کہتے ہیں دل بھر گیا۔ اب عالم بیرنگی کا مشتاق ہوں
لا الٰہ الا اللہ، لا موجود الا اللہ، لا مؤثر فی الوجود الا اللہ"

قاضی صاحب کی مشق شاعری خود مرزا صاحب ہی کے زمانہ میں
اتنی بڑھ گئی تھی کہ مرزا صاحب بھی اُسکی داد دیتے اور دل بڑھاتے تھے۔
چنانچہ ایک مرتبہ ایک قصیدہ دیکھکر کہتے ہیں "اگر مجھے قوت ناطقہ پر کچھ تصرف
ہوتا تو قصیدہ کی تعریف میں ایک قطعہ اور حضرت کی تعریف میں قصیدہ
لکھتا" اوّل اوّل اگرچہ مرزا نے قاضی صاحب کے کلام پر اصلاح کو بہت
ٹالا تاہم آخرکار اختلاط و ارتباط اتنا بڑھا کہ رقعوں سے خلوص و محبت کی

اظہار ہوتا ہے۔ کہیں اصلاحی غزلوں کے لکھنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ کہیں ہلکا ہلکا مذاق اور شستہ ظرافت کہیں اُنکی یاد آوری کا شکریہ۔ کہیں ہدایا و تحائف کے وصول پر اظہار امتنان۔ یہی وضع خستہ تک جاری رہی۔ قاضی صاحب نے اپنی زندگی ہی میں اپنا تمام کلام تلف کر دیا اور اب چند شعر یادگار ہیں ؎

جو حسیں ہمکو ملا کافر بے دیں ہی ملا — جس کو دیکھا اُسے غارتگر ایماں دیکھا
کہاں تاب کہ آنکھیں ملا سکوں تجھ سے — کہ اک نگہ میں دگرگوں ہے حال محفل کا
میں جو رخصت ہو کے اُس سے پھر گیا تو کہا — کیوں گئے کیوں آئے کیا بھولے تھے کیا یاد آگیا
سامنے سے یوں نکل جاتے ہیں وہ — اُن سے گویا کچھ شناسائی نہیں
انھوں نے آئینہ دیکھا تو ہم نے منھ اُنکا — حواس ہوش بجا وہاں نہیں تو یہاں بھی نہیں
بیمار عشق کو نہ لگا ہاتھ اے طبیب — کچھ درد سر نہیں ہے کہ اچھا دوا سے ہو
وہی لطف و عنایت ستم و جور سہی — غم تو یہ ہے کہ نہیں حال کا پرساں کوئی
گرم کیوں ہوتے ہو اغیار کے آگے مجھ پر — آگ میں ڈالیے پر یوں نہ جلایا کیجیے
تاب و طاقت نے دیا فرقت جاناں میں جواب — بار غم ناز نہیں ہو کہ اٹھایا کیجیے
گالیاں کھا کے رہوں چپ یہ بھی بات اچھی — کہ بگڑتا ہوں تو وہ اور بناتا ہے مجھے
آیا نہ اُن کو تحفہ جان و دل پسند — دل لیکے تھے جان بھی اب آپ کے لیجیے

جوہر منشی جواہر سنگھ

جواہر سنگھ نام تھا۔ جوہر تخلص تھا۔ مرزا غالب ...کے دوست اور شاگرد تھے۔ فارسی کی استعداد اچھی تھی۔ مرزا نے ان کے کلام پر توجہ کر کے اُسکو اس طرح اپنے رنگ میں رنگا ہے کہ سراپا تصرف معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ صابر نے اپنے تذکرے میں اُن کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں "جوہر ایک شخص کا تخلص ہو شاگردان مرزا اسد اللہ خاں غالب سے۔ شعر فارسی کا فکر کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرزائے موصوف کی توجہ سے راہ مستقیم پر آگیا ہے کہ اسلوب سخن فی الجملہ سلیقہ پر دلالت کرتا ہے" جوہر ۱۸۶۴ء میں تحصیلدار تھے اور مرزا سے مراسلت تھی۔

نمونۂ کلام

تو و نراہ کرم پرسرم گزار غلط	من و رہ نہ نشستن بہ انتظار غلط
برو بہ زہد بہ آموزیم مکن زاہد	من و ز شاہد و مے توبہ در بہار غلط
بعہد و رخور پرسش نیم نگر و گفتہ	شود بہ کلبۂ من راہ آں نگار غلط
بر آں سرم کہ دگر باکسے نیا میزم	امید لطف ز یاران روزگار غلط

حقیر منشی نبی بخش

منشی نبی بخش نام تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے اور کول علیگڈھ میں بعہدۂ سررشتہ داری عدالت فوجداری ملازم تھے۔ خلیفہ گلزار علی خلف نظیر اکبر آبادی سے شعر و سخن میں مشورہ کرتے تھے۔ مرزا غالب کے دلی دوست اور ہموطن بھی تھے۔ فارسی میں نہایت اچھی استعداد رکھتے تھے۔ تفنن طبع کے طریق پر کبھی کبھی اُردو میں بھی کچھ کہہ لیا کرتے تھے۔

مرزا صاحب سے نہایت بے تکلفانہ اور دوستانہ و برادرانہ تعلقات تھے اور مرزا صاحب اُن کی لیاقت پر اعتماد رکھتے تھے اسی وجہ سے اکثر تصنیفات کی تصحیح کا اہتمام انہیں کے ذمہ تھا۔ ایک جگہ مرزا صاحب لکھتے ہیں " اگر بھائی منشی نبی بخش صاحب بدل متوجہ ہوں تو اگر احیاناً اصل نسخہ میں سہو کاتب سے غلطی واقع ہوئی ہو تو اُس کو بھی صحیح کر دینگے"
ایک جگہ مرزا تفتہ کے خط میں دستنبو[۱] کے لیے لکھتے ہیں کہ " بھائی

---

[۱] کتاب دستنبو کے چھپوانے میں مرزا صاحب نے سعی بلیغ کی تھی اور اسکی صحت اور چھپائی اور تزئین وغیرہ کا اہتمام منشی نبی بخش حقیر۔ مرزا حاتم علی بیگ مہر۔ مرزا تفتہ اور منشی شیو نرائن ان چار آدمیوں کے سپرد کیا تھا۔ مرزا صاحب نے ایک قصیدہ ساٹھ شعر کا کوئن وکٹوریہ ملکۂ انگلستان کی مدح میں کہا تھا۔ اسکو بھی دستنبو کے اول میں شامل کرانا چاہتے ہیں اور لکھتے ہیں " کہ اگر

منشی نبی بخش صاحب سے نثر کے دو فقرے جس محل پر کہ اُن کو بتائے ہیں ضرور لکھوا دینا" ایک جگہ مرزا تفتہ کے خط میں حقیر کو اسطرح یاد کرتے ہیں" ایک جنم تھا کہ جس میں ہم تم باہم دوست تھے اور طرح طرح کے ہم میں تم میں معاملات مہر و محبت پیش آئے۔ شعر کہے دیوان جمع کئے۔ اُسی زمانے میں ایک اور بزرگ تھے کہ وہ ہمارے تمہارے دوست دلی تھے۔ منشی نبی بخش اون کا نام اور حقیر تخلص تھا۔ ناگاہ نہ وہ زمانہ رہا نہ وہ اشخاص نہ وہ معاملات نہ وہ اختلاط۔ نہ وہ انبساط"

ایک مرتبہ منشی نبی بخش کچھ بیمار ہوگئے۔ مرزا کو معلوم ہوا۔ تفتہ اُس زمانے میں آگرے میں مقیم تھے اُن کو خط لکھا اور جوش اتحاد میں ایک نسخہ بھی لکھ بھیجا۔ کہتے ہیں "ہمارے شفیق منشی نبی بخش صاحب کو کیا عارضہ ہے کہ جس کو تم لکھتے ہو مارالجبین سے بھی نہ گیا۔ ایک نسخہ طب محمد حسین خانی میں لکھا ہے اور وہ بہت بے ضرر اور سودمند ہے مگر اثر اوسکا دیر میں ظاہر ہوتا ہے وہ نسخہ یہ ہے الخ" اور صرف منشی نبی بخش صاحب ہی کی ذات تک یہ محبت اور مودت ختم نہ تھی بلکہ اُن کے بیٹے عبداللطیف سے بھی وہی اخلاص برتتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ عبداللطیف نے ایک مُہر کے کھدوانے کے لیے مرزا کو لکھا تو

آپ (نبی بخش حقیر) مرزا صاحب (حاتم علی مہر) مرزا تفتہ اور منشی شیو نرائن صاحب (آخر الذکر) کو منظور اور اس قاعدہ کو مقبول کرینگے اور جب یہ اتفاق تم چاروں صاحب پسند کر دیگے تو گویا بہ اجلاس کونسل اس قانون کا اجرا منظور ہو جائیگا اور اُمیدوار ہوں کہ اجرائے قانون سے پیشتر مجھکو منظوری کی اطلاع ہو جائے تاکہ مسودہ اس قصیدہ کا بھیجدوں"

اُسکے جواب میں لکھتے ہیں "تمہاری مُہر اسکا کچھ خیال نہ کرو وہ جس طرح تم نے لکھا ہے بن جائیگی۔ مگر بھائی ۱۸۵۸ء میں دن کے باقی رہے ہیں آج ۶ دسمبر ہے ۲۴-۲۵ دن باقی ہیں ۱۸۵۹ء جنوری مہینہ میں خدا چاہے تو کھد جائیگی۔ تم میرے بجائے فرزند ہو بیستر بھتیجے ہو۔ جو تمہارا کام ہو بے تکلف کہو شرم کیا۔ اور تکلف کیوں۔ یہ مُہر کا کھدنا کونسا کام ہے"

اسی طرح منشی نبی بخش صاحب اس خلوص کو نباہتے تھے اور ہمیشہ خوردانہ اور نیازمندانہ پیش آتے تھے یہ نہایت با وضع نیک طینت۔ قابل۔ منکسر المزاج۔ متورع نماز روزہ کے پابند تھے۔ آگرہ میں تاج گنج کے قریب رہتے تھے عمر بھر علمی اشغال سے شغف رہا۔ مگر امراض مزمن میں ایسے مبتلا ہوئے کہ آخر عمر تک پیچھا نہ چھوٹا اور ۱۲۷۶ھ میں بمقام تاج گنج آگرہ انتقال کیا۔

مرزا مرحوم نے لفظ رستخیز سے تاریخ نکالی اور یہ قطعہ نظم کیا۔

شیخ نبی بخش کہ با حسن خلق — داشت مذاق سخن و فہم تیز
مرگ ستم پیشہ امانش نداد — کیست کہ با مرگ بپیچد ستیز
سال وفاتش ز پئے یادگار — با دل نالاں ز مژہ دجلہ ریز
خواستم از غالب آشفتہ سر — گفت مدہ طول و بگو رستخیز
۱۲۷۶

مرزا کو ان کے مرنیکا بہت سخت صدمہ ہوا۔ مرزا تفتہ نے تاریخ کے لیے اصرار کیا تو مرزا نے یہ تاریخ لکھی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی لکھدیا کہ میں فن تاریخ گوئی کو دون مرتبہ شاعری جانتا ہوں اور تمہاری طرح سے یہ بھی میرا عقیدہ نہیں ہے کہ تاریخ وفات لکھنے سے ادائے حق محبت ہوتا ہے۔

جب یہ قطعہ آگرہ پہونچا تو منشی قمر الدین نے ناپسند کیا۔ اور کہا کہ رستخیز ایک لفظ ہے اس سے تاریخ نکالنا کچھ زیادہ مناسب نہیں ہے۔ مرزا کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو کہا " ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ کوئی لفظ جامع اعداد نکال لیا کرتے ہیں۔ بلکہ قید معنے دار کی بھی مرتفع ہے جیسا کہ یہ مصرع سے در سال غرس ہر آنکہ ماند بید۔ انوری کے قصائد کو دیکھو۔ دو چار جگہ ایسے الفاظ قصیدہ کے آغاز میں لکھے ہیں جس میں اعداد سال مطلوب نکل آتے ہیں اور معنی کچھ نہیں ہوتے لفظ رستخیز کیا پاکیزہ معنی دار لفظ ہے اور پھر واقعہ کے مناسب۔ اگر تاریخ ولادت یا تاریخ شادی میں یہ لفظ لکھتا تو بے شبہ نامستحسن تھا۔"[1]

حقیر مرحوم نے آخر عمر میں مرزا صاحب سے بھی صلاح لی جیسا کہ بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے آخر وقت تک مشق سخن جاری رہی۔ نمونہ کلام کے لیے یہ پانچ سات شعر ملے ہیں۔ فصاحت کو بلاغت اور متانت کیا تھ جمع کر کے کہنا ان کے کلام کی بڑی صفت ہے۔

زخم کے منہ میں بھر آیا پانی — جبکہ پیکاں کا مزہ یاد آیا

خط جو غیر دل کو کرے اُس نے رقم — ہمکو قسمت کا لکھا یاد آیا

بسکہ مصنوع ہی صانع کی صفت — بت کو دیکھا تو خدا یاد آیا

آج پھر اُس بت کا ذکر نے حقیر — وہ ادا کی کہ خدا یاد آیا

کیا شکست ہیں رہروان عدم — کہ کسی کا نہ نقش پا دیکھا

وہ نگاہیں جنسے تھی مجھکو تسلی کی امید — تشنۂ خوں آفت دل۔ دشمن جاں ہو گئیں

شانے نے بل نکال دیئے زلف یار کے — سیدھا کیا ہے موذیوں کو مار مار کے

[1] مرزا صاحب کا خط ۱۱ [illegible]

دیر میں ہے ذکر اپنا کعبہ میں ساباں اپنا — ایک ہم ہیں او رچرچا ہی کہاں کہاں اپنا
گر یہی چاک کی عادت ہے تو لے دستِ جنوں — پیرہن سارے گریباں ہی گریباں ہونگے
گر تو نہیں ہی عاشق پھر یہ حقیر ہر دم — کیوں نالۂ حزیں ہے کیوں آہ آتشیں ہے

ذکا منشی حبیب اللہ

افسوس ہی کہ تذکروں سے کچھ آپ کا پتہ نہیں چلتا اور نہ کوئی صحیح حال اور مفصل کیفیت معلوم ہوتی ہے مگر خود مرزا صاحب کے بیان کے موافق معلوم ہوتا ہے کہ منشی صاحب حیدرآباد کے رہنے والے اور وہیں عہدہ میر منشی پر ممتاز تھے اردو اور فارسی میں نظم و نثر کے شائق اور دلدادہ تھے مگر مرکز زبان سے دور ہونے کی وجہ سے اُردو سے کچھ زیادہ واقف نہ تھے صرف اُس زمانے کے موافق حیدرآبادی اُردو جانتے تھے۔

مرزا صاحب سے اِن کو غائبانہ عقیدت تھی۔ نہ مرزا صاحب کو اُنھوں نے کبھی دیکھا تھا نہ مرزا صاحب نے اِن کو۔ مگر پھر بھی خلوص اور اتحادِ دلی کا یہ عالم تھا کہ اکثر خطوں میں عقیدت و اشتیاق کے اتنے گراں بہا جملے ہوتے تھے کہ مرزا صاحب کو بھی کسرِ نفسی پر مجبور ہو کر یہ لکھنا پڑا تھا کہ۔ "بھائی میں نہیں جانتا تم کو مجھ سے اتنی ارادت اور مجھکو تم سے اتنی محبت کیوں ہے۔ ظاہرا معاملہ عالم ارواح کا ہے اسبابِ ظاہری کو اس میں دخل نہیں ہے"

خط کا جواب مع اوراقِ مسودہ روانہ ہوچکا ہے۔ وقت پر پہونچے گا۔ ستر
بہتر اردو میں ترجمہ پیر خرف ہے۔ میری بہتر برس کی عمر ہے پس
میں اخرف ہوں"۔ یا "میرے شفیق میرے مشفق مجھے ہیچ دلپوچ کے
ماننے والے۔ مجھے بُرے کے اچھا جاننے والے۔

مراسلت کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ غزلیں اور نثر کے مسودے برابر آتے
تھے اور مرزا صاحب باوجود پیرانہ سالی اس زحمت کو خوشی سے برداشت
کرتے تھے۔ پہلے پہلے جب ان کے خطوط آئے تو مرزا صاحب نے اپنا
پورا خاندانی حال اور سوانح زندگی ان کو لکھ بھیجے اور اس کے بعد نوبت بہ ایں جارسید کہ بے تکلفی
ہوئی کہ مرزا صاحب نے کہیں ان کو اپنا محبوب کرکے خطاب کیا کہیں شفیق۔
کبھی بندہ پرور کبھی مولانا۔ کبھی جانِ غالب کبھی جاناں۔

ایک خاص معاملہ میں مرزا صاحب سے کچھ کبیدہ بھی ہوگئے تھے۔
واقعہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ مولوی غلام امام شہید کی غزل پر ذکا نے ایک غزل
لکھی اور خط میں تحریر کیا کہ مولوی غلام امام شہید اکبر آبادی کی غزل پر غزل
لکھکر بھیجتا ہوں۔ مرزا صاحب نے غزل پر اصلاح دی اور اُسی خط میں یہ لکھا کہ
مولانا شہید اکبر آباد کے نہیں ہیں لکھنؤ اور الہ آباد کے ہیں۔ یہ بات اُن کو کچھ ناگوار
ہوئی۔ اسی پر کسی سے مرزا صاحب کی شکایت کی اور اپنی اہانت کا گلہ کیا۔
خواجہ غلام غوث بیخبر کو کسی طرح یہ بات معلوم ہوئی اُنھوں نے مرزا صاحب کو
لکھا کہ مولوی صاحب اس بات کے شاکی ہیں۔ مرزا صاحب نے پورا قصہ اُنھیں لکھ دیا
لکھ بھیجا اور صاف صاف لکھا کہ "اس کلمہ سے زیادہ کوئی بات میں نے نہیں

لکھی۔ اِس میں سے تو ہیچ معنی مُستنبط ہوں تو میں اسکا مستحق سہی۔ اب میں نہیں جانتا کہ منشی صاحب نے مولوی صاحب سے کیا کہا اور مولویصاحب نے آپ کو کیا لکھا"

ذکا کا سال وفات معلوم نہیں خطوں سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ غالب مرحوم کے دورِ حیات تک یہ بھی زندہ تھے۔ کلام کا اب کہیں پتہ نہیں چلتا۔ مگر دیوان ان کے زمانہ حیات میں طبع ہوچکا تھا۔ جسپر مرزا صاحب نے ایک مختصر تقریظ بھی لکھی ہے اور ذکا کی تعریف کی ہے۔

رحیم ۔ مرزا رحیم بیگ

مرزا رحیم بیگ کے والد کا نام پیر بیگ تھا۔ جو دلّی کے رہنے والے تھے۔ مگر ترک وطن کرکے سرودہنہ ضلع میرٹھ میں آرہے تھے۔ مرزا رحیم بیگ یہیں پیدا ہوئے۔ سن شعور پر پہونچکر ۱۲۵۷ھ ہجری مطابق ۱۸۴۱ء میں سرودہنہ سے میرٹھ آرہے۔ اور حکیم بوعلیخاں سے تحصیل علوم ضروری کرنے لگے۔ حکیم صاحب موصوف نے اپنی فرزندی میں لیا اور نہایت شفقت فرماتے رہے۔ ۱۲۶۱ھ میں مولوی محمد بخش ناداں کے شعر و شاعری میں شاگرد ہوئے۔ اور اُنہیں سے علم عروض و قافیہ پڑھا۔ ابتدائے مشق میں شہرہ تخلص اختیار کیا تھا۔ مگر ناداں کے مشورے سے رحیم تخلص کرنے لگے ۱۲۷۱ھ

سال بعد کو معلوم ہوا کہ ان کا دیوان اردو و فارسی قلمی عربافی صاحب کے کتب خانہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے۔ انہیں سے معلوم ہوا کہ [illegible]

میں حکیم احسن اللہ خاں کی فرمایش سے قصص الانبیا کو نظم کیا۔ چند سالے اُردو فارسی کے اور ایک تذکرہ مخزن الشعرا بھی لکھے جو بنظر اصلاح مولانا صہبائی کو دکھائے۔

عربی فارسی کی استعداد عالمانہ رکھتے تھے اور اُردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ مرنے سے دس بارہ برس پہلے نابینا ہو گئے تھے۔ اور میرٹھ میں معلمی کر کے بسر اوقات کرتے تھے۔

مرزا صاحب سے ان کے کچھ اچھے تعلقات نہ تھے۔ بلکہ جب مرزا صاحب نے "برہان قاطع کی غلطیاں" قاطع برہان" کے ذریعہ سے ظاہر کیں۔ تو مرزا رحیم بیگ نے بھی "قاطع برہان" کے جواب میں" ساطع برہان" لکھی جب وہ مرزا کی نظر سے گزری تو نامۂ غالب جو عود ہندی میں موجود ہے اُسکے جواب میں لکھا۔

مرزا غالب ان کو ایک ملا ئے مکتبی سے زیادہ نہ جانتے تھے۔ چنانچہ ایک خط میں میاں داد خاں سیاح کو لکھتے ہیں" وہ جو ایک اور کتاب کا تم نے ذکر لکھا ہے۔ وہ ایک لڑکے پڑھانے والے ملائے مکتب کا خبط ہے۔ رحیم بیگ اُسکا نام میرٹھ کا رہنے والا کئی برس سے اندھا ہو گیا ہے باوجود نابینائی کے احمق بھی ہے۔ اوسکی تحریر میں نے دیکھی۔ تم کو بھی بھیجونگا۔ مگر ایک بڑے مزے کی بات ہے کہ اس میں بیشتر وہ باتیں ہیں جنکو لطائف غیبی میں رد کر چکے ہو۔ بہرحال اب اسکے جواب کی فکر نہ کرنا" ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "معلمی اسکا پیشہ ہے۔ اور آٹھ دس برس سے اندھا۔ نظم و نثر میں مولوی امام بخش صہبائی کا شاگرد اور فارسی شعر کہتا ہے۔"

مرزا صاحب نے جو مرزا رحیم بیگ کو خط لکھا ہے اس میں وہ چٹکیاں لی ہیں کہ اول سے آخر تک پورا خط خارزار معلوم ہوتا ہے! اور وہ وہ دلائل اور براہین پیش کیے ہیں کہ رحیم بیگ کی آنکھیں کھل گئی ہونگی چنانچہ خط کا القاب ہی اتنا شوخ ہے کہ مرزا رحیم بیگ کے دل پر آرے چلے ہونگے۔ لکھتے ہیں " بخدمت مشفقی مکرمی مرزا رحیم بیگ صاحب نور اللہ قلبہ بالاسرار و عینہ بالانوار" اسیطرح اس خط میں مرزا نے اپنے عقائد کا فرہنگ نویسوں کے بارہ میں ذکر کیا ہے۔ بہت سے الفاظ کے معانی بیان کیے ہیں۔ بہت سے دلائل کو رد کیا ہے۔ بعض جگہ منشی سعادت علی اور بعض امور میں ملا صہبائی کے اقوال کو بھی غلط بتایا ہے۔ بہت سے لغات مختلف فیہ میں محاکمہ کیا ہے جنکا حال اسی کتاب میں ملیگا۔

غرض کہ مرزا رحیم بیگ سے مرزا غالب کے تعلقات حریفانہ تھے اور کسی طرح سے مرزا صاحب اُن کی باتوں کو زبان سے زیادہ نہ سمجھتے تھے

نمونہ کلام مرزا رحیم بیگ یہ ہے

جو لکھتا ہوں بیان اپنے دل بیتاب مضطر کا — تڑپتا ہی رہا رگ نبض عاشق تار مسطر کا
پس مردن بھی ہم بار ندامت لیچلے سر پر — کہ اڑ کر خون سے چھینٹے پڑے دامان قاتل پر
طفیل لاغری میں رہ گیا ہوں سب حجابوں میں — کہ مشکل سے نظر آتا نہیں اور ہوں گلستاں میں
ایک سینہ ہو گئے کس کس کے — تیغ کو تیر کو کہ خنجر کو

ساقی بیا کہ گشتہ سر لالہ زار سبز — ہر سبزہ و شجر سبز و لب جویبار سبز

دیوار سبز صحن چمن سبز شیشہ سبز
مے سبز جام سبز و لباس نگار سبز

غلب کہ از کمال نشاط گل بہار
مثل چمن ز پیرہن برآید نگار سبز

روئے بتاں ز سبزہ برآمد تمام سبز
وز عکس خط روئے بتاں آبشار سبز

رخشاں و نیر نواب ضیاء الدین احمد خاں

ضیاء الدین احمد خاں نام تھا۔ فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں والی ریاست فیروز پور جھرکہ و جاگیردار لوہارو کے چھوٹے بیٹے تھے۔ نواب امین الدین خاں بہادر آپ کے بڑے بھائی ریاست لوہارو کے رئیس تھے اور آپ کے نام جاگیر تھی۔ اردو و فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور دونوں زبانوں پر کافی عبور رکھتے تھے۔

آپ دہلی کے نہایت معزز اور موقر رؤسا میں شمار کیے جاتے تھے۔ نہایت بارسوخ اور حکام رس تھے۔ اور حکام بھی آپ کے اعزاز خاندانی۔ آپ کی ذاتی وجاہت و قابلیت اور علم و فضل کی وجہ سے آپ کی قدر کرتے تھے۔ ہنگامہ غدر کے بعد آپ کی ذات والاصفات دلی میں بہت ہی غنیمت سمجھی جاتی تھی۔ یہانتک کہ کوئی شخص کسی فن کا ماہر اگر باہر سے آتا تھا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ضرور استفادہ کرتا تھا۔ فن تاریخ میں نہایت زبردست مہارت رکھتے تھے۔ چنانچہ جس وقت الیٹ صاحب سکریٹری گورنمنٹ ہند نے اپنی

ضخیم تاریخ ہند مرتب کی تو نواب صاحب موصوف نے فراہمی حالات میں بہت کافی مدد دی جس کا انھوں نے دیباچہ کتاب میں اعتراف کیا ہے۔

اردو فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے تھے۔ مگر بیشتر فارسی ہی کہتے تھے۔ اردو میں صرف بر بنائے تفنن طبع کچھ فرماتے تھے ورنہ دراصل فارسی سے شغف تھا۔ فارسی میں نیر اور اردو میں رخشاں تخلص کرتے تھے۔ مرزا غالب سے تلمذ تھا۔ اور اُن کے شاگرد رشید شمار ہوتے تھے۔

نواب موصوف کو مرزا کے ساتھ نہ صرف شاگردانہ تعلق تھا۔ بلکہ عزیزانہ اور برادرانہ تعلقات تھے۔ کیونکہ آپ کی حقیقی چچازاد بہن یعنی نواب الٰہی بخش خاں معروف کی صاحبزادی مرزا سے منسوب تھیں۔ اسکے علاوہ دوستانہ مراسلم اور تعلقات مرزا سے تھے جن کو فیما بین اس طرح نباہا جاتا تھا کہ اب اس زمانے میں اوس کی نظیر نہیں ملتی۔ مرزا ان کو بھائی کہکر خطاب کرتے تھے۔ اور اُنکی دوستی اور شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک قصیدہ محض انھیں کی مدح میں لکھا ہے۔ جسکے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں اس سے اُس خلوص و اتحاد کا پتہ چلتا ہے جو مرزا کو ان کے ساتھ تھا ؎

صد آفتاب تواں ساختن بہ بازیچہ ۔۔۔ نہ ذرّہ کہ بود در ضیائے نیّر من
نہ این سپہر و نہ آن مہر عالمے دگر ست ۔۔۔ من آسمانم و او مہر نور گستر من
من آں سپہر کہ دایم چناں کہ مہر بماہ ۔۔۔ بہ مہر نور دہد نیّر منور من
من آں سپہر کہ ہر دم رسد عطیۂ فیض ۔۔۔ بہ سعد اکبر گردوں ز سعد اصغر من
منم خزینۂ راز و در خزینۂ راز ۔۔۔ ضیائے دین محمد کہیں برادر من

بدین دانش و دولت یگانۂ آفاق | بعمر کہتر و از روے رتبہ مہتر من
بہ مہر دل بہ برادر دہشتم یعقوبم | کہ پور خویش بود دلستان و دلبر من
اگرچہ اوست ارسطو و من فلاطونم | بود بہ پایہ ارسطوئے من سکندر من
زمین کوے مرا آسمان کند ہر صبح | طلوع نیر رویش ز طرف منظر من

اسیطرح تمام قصیدہ ہر جیہ اشعار سے پڑھیے اور لفظ لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا کو ان کی ذات پر کتنا ناز ہے کتنی محبت ہے ضیاء الدین خاں کیسے جوہر قابل اور مرزا کے کتنے بڑے قدر دان ہیں۔

مرزا کے استغنا اور لاابالی پن نے اُن کا کلام کبھی اُن کے پاس جمع نہ ہونے دیا۔ بلکہ نیر ہمیشہ ان کا کلام لے جاتے تھے اور جمع کرتے رہتے تھے اور بقدر حفاظت اور عزت سے رکھتے تھے کہ مرزا کو بھی اُس مجموعہ کی ہوا نہ دیتے تھے۔ اگرچہ مولانا حالی نے یادگار غالب میں لکھا ہے کہ نیر کے نام کوئی خط اردو میں نہیں ہے مگر یہ مولانا مرحوم کا سہو ہے۔ اردو ہی کے ایک خط سے اس قصہ کا پتہ چلتا ہے جو لکھا جاتا ہے۔ مرزا کو اپنے کلام کے دیکھنے اور چھپوانے کی ضرورت ہوئی۔ نواب صاحب کو لکھا کہ ذرا وہ مجموعہ بھیج دو۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ کتاب کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ مرزا نے پھر لکھا۔ پھر انکار ہوا۔ مرزا نے جھنجلا کر لکھا "جناب قبلہ و کعبہ آپ کو دیوان بھیجنے میں تامل کیوں ہے۔ روز آپکے مطالعہ میں نہیں رہتا۔ بغیر اُسکے دیکھے آپ کو کھانا نہ ہضم ہوتا ہو یہ بھی نہیں پھر ایک جلد ہزار جلد ہو جائے میرا کلام شہرت پائے۔ میرا دل خوش ہو۔ تمہاری تعریف کا قصیدہ اہل عالم دیکھیں۔ تمہارے بھائی

کی تعریف کی نثر سب کی نظر سے گزرے اتنے فوائد کیا تھوڑے ہیں۔ رہا کتاب کے
تلف ہونے کا اندیشہ یہ خفقان ہے۔ کتاب کیوں تلف ہوگی۔ احیاناً اگر ایسا ہوا
اور دلی لکھنؤ کی عرض راہ میں ڈاک لٹ گئی تو میں فوراً بہ سبیل ڈاک رام پور جاؤنگا
اور نواب فخر الدین خاں مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان تم کو لادونگا۔ اگر یہ کہتے ہو
کہ اب وہاں سے لیکر بھیجو۔ وہ نہ کہینگے کہ وہیں سے کیوں نہیں بھیجتے۔ ہاں یہ لکھوں
کہ نواب ضیاء الدین خاں نہیں دیتے تو کیا وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ جب وہ تمہارے بھائی
اور تمہارے قریب ہوکر نہیں دیتے تو میں اتنی دور سے کیوں دوں۔ اگر تم یہ کہتے ہو
کہ تفضل سے لیکر بھیجدو۔ وہ اگر نہ دیں تو میں کیا کروں۔ اگر دیں تو میرے کس کام کا
پہلے تو ناتمام۔ پھر ناقص بعض بعض قصائد اُس میں سے اور کے نام کر دیے گئے
ہیں۔ اور اُس میں اُسی ممدوح سابق کے نام سے ہیں۔ شہاب الدین خاں کا دیوان
جو یوسف مرزا لے گیا ہے۔ اس میں یہ دونوں قباحتیں موجود۔ تیسرے یہ کہ اکثر
غلط۔ ہر شعر غلط ہر مصرعہ غلط۔ یہ کام تمہاری مدد کے بغیر انجام نہ پائیگا۔ اور
تمہارا کچھ نقصان نہیں۔ ہاں احتمال نقصان وہ بھی از روے وسوسہ و وہم۔ اس صورت
میں میں تلافی کا کفیل جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں۔ بہرحال راضی ہو جاؤ۔ اور مجھ کو لکھو تو
میں طالب کو اطلاع دوں اور طلب اوس کی جب دوبارہ ہو تو کتاب بھیجدوں"

نیر کی محبت اور وضعداری کا یہ حال تھا کہ روز صبح کو مرزا کے پاس سو کام
چھوڑ کر جاتے تھے جیسا کہ خود مرزا نے لکھا ہے

طلوع نیر روشن طرف منظر من زمین کوی مرا آسماں کند ہر صبح

اگر خط میں کبھی دیر ہوتی تو بار بار خط لکھتے۔ مرزا پیرانہ سری کا عذر کرتے مگر جواب لکھوا

نہ لیتے کسی طرح چین نہ آتا تھا۔ مرزا کے اتحاد و خلوص کی بھی کوئی انتہا نہ تھی۔ نیر آکبر آباد گئے تو ان کو لکھا کہ " میرے شوق دور اندیش نے دیدہ و دل کو تمہارے ساتھ کر دیا ہے" یہ اتحاد تا مدت عمر قائم رہا۔ مرزا کے انتقال پر تجہیز و تکفین کا اہتمام بھی نواب ضیاء الدین احمد خاں ہی نے کیا۔ مولانا حالی لکھتے ہیں

" مرزا کے جنازے پر جبکہ دلی دروازے کے باہر نماز پڑھی گئی۔ راقم بھی موجود تھا اور شہر کے اکثر عمائد اور ممتاز لوگ جیسے نواب ضیاء الدین احمد خاں۔ نواب مصطفٰے خاں حکیم احسن اللہ خاں وغیرہم اور بہت سے اہلسنت اور امامیہ دونوں فرقوں کے لوگ جنازہ کی مشایعت میں شریک تھے۔ سید صفدر سلطان نبیرۂ بخشی محمود خاں نے نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم سے کہا کہ مرزا صاحب شیعہ تھے ہم کو اجازت ہو کہ اپنے طریقہ کی موافق اُن کی تجہیز و تکفین کریں مگر نواب صاحب نے نہیں مانا اور تمام مراسم اہلسنت کے موافق ادا کئے"۔

نیرّ نے ۱۳۰۲ھ ۱۳ رماہ رمضان المبارک میں بمقام دہلی انتقال کیا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ واقع مہر دلی میں مدفون ہوئے۔ مولوی رضی الدین خاں دہلوی نے جو سلسلہ حضرت امیر پنجہ کش میں ایک بےمثل خوشنویس تھے تاریخ وفات کہی۔

چوں ضیاء الدین احمد خاں کشید	رخت از دنیا سوئے دار السلام
گفت ہاتف بارضی سال وفات	روز شنبہ سیزدہ شہر صیام
	۱۳۰۲

آپ کے دو صاحبزادے تھے نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب جو نواب صاحب کی حین حیات میں انتقال کر گئے۔ دوسرے نواب سعید الدین احمد خاں طالب جنکا

ابھی تھوڑا عرصہ ہوا انتقال ہوا۔

نیّر اگرچہ مرزا غالب کے شاگرد رشید تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اُن کا اُردو کلام اس پایہ کا نہیں ہے جیسا کہ مرزا کے دوسرے شاگردوں کا ہے۔ مگر فارسی میں وہ اپنے معاصرین سے کسی صورت سے کم نہ تھے۔ افسوس کہ اُنکا کلام اُردو فارسی چھپ نہ سکا۔ اور اب کوئی اُمید نہیں کہ طبع ہو سکے۔ نمونۂ انتخاب کلام اُردو فارسی یہ ہے۔

جب اپنے شغل سے دل خونیں نہ باز آئے — پھر کیا گناہ دیدۂ خونابہ بار کا
آنکھوں میں بوالہوس کی کھٹکتا ہوں مثل خار — احسان ہے یہ مجھ پہ مرے جسم زار کا
تُجھ سے سربلندی شہید فنا کی — کہ اس در پہ سر ہو چڑھانے کے قابل
جب ایسا ہو تو آؤ دلمیں کہ ہے آپکا مکاں — یاں خوف شحنہ و خطرِ پاسباں نہیں

نکلے آنکھوں سے وہیں جذب ہوئے دامن میں — بجز اشکوں کے کوئی گوہر نایاب نہیں
جتنے ہو نغمہ سرا اتنے ہی خوں ریز بھی ہو — چھیڑ نشتر کی چلی جائے جو مضراب نہیں
بوالہوس اور بھی مرنیکی کرینگے خواہش — لیکے گل قبر پہ رخشاں کی نہ آیا کیجے
سینہ کا چاک کرنا سکھلایا — میرا رہبر مرا گریبان ہے

کلام فارسی

بس است طول خدایا شبان تارمرا — بیاض صبح مدہ چشم انتظار مرا
فرشتہ خوش نبود عیب جوے شرم آید — ز رسم راہ تو اے کاتب یسار مرا

اگر نیامدن دوست ماتمے دارد — سفید بہر چہ شد چشم انتظار مرا

وعدۂ روز با عیش شباں گاہ بغیر — آہ از تیرگیٔ نالہ ر روزانہ ما

پیمانہ در کفے و دلِ شاہ در کفے — بہر خدائے لغزش پائے ایاز چیست

بر چشم مکن ہرزہ چہ بندی پئے قسمتم — بر دیدہ دراں عرض کن اوّل کمر خود
چوں آمدہ ایم از عدم ایشاں بود اکنوں — پیمودن راہے کہ بود پے سپر خود

گر بوئے گل امروز تیز دیدہ کسے — کہ بوئے خوں ز فغانِ ہزار می آید

بعد دعوائے ورع بادۂ ناب آوردند — تا سبک قدر شدم رطل گرانم دادند

رعنا مردان علی خان

مردان علی خاں نام تھا۔ رعنا تخلص کرتے تھے۔ والی کپورتھلہ کے مقرب ملازمین میں تھے۔ مرزا صاحب نے ان کو دیکھا نہ تھا بلکہ غائبانہ ملاقات تھی۔ پہلے پہلے جب رعنا نے مرزا صاحب کو اپنی غزل اصلاح کے لیے بھیجی تو سہو سے اپنا پتہ نہ لکھا۔ مرزا صاحب نے غزل دیکھی لیکن چونکہ کوئی پتہ نہ تھا مجبوراً خاموش ہو رہے۔ انھوں نے پھر خط لکھا۔ مرزا صاحب نے دیکھا کہ اس مرتبہ پتہ لکھ دیا ہے تو یہ کہہ کر جواب دیا۔ "صاحب تم نے اب اپنے مسکن کا پتہ لکھا۔ میں نے دوسرے ہی دن جواب روانہ کیا۔" اسی خط میں لکھتے ہیں "منشی نولکشور صاحب یہاں آئے تھے مجھ سے ملے بہت خوبصورت اور خوش سیرت سعادت مند اور معقول پسند آدمی ہیں۔ تمہارے وہ مداح اور میں اُن کا ثنا خواں۔" ظاہراً منشی صاحب سے رعنا مرحوم کے تعلقات اس بنا پر تھے کہ منشی صاحب کے پریس کا سلسلہ ایک وقت میں کپورتھلہ میں بھی تھا۔

ایک مرتبہ رعنا نے مرزا صاحب کو لکھا کہ جفا مذکر بھی مستعمل ہے مرزا نے لکھا "بھائی جفا کے مؤنث ہونے میں اہل لکھنؤ و دہلی کو باہم اتفاق ہے کبھی کوئی نہ کہیگا کہ جفا کیا۔ ہاں بنگالہ میں جہاں بولتے ہیں کہ ہتھنی آیلہ۔ اگر جفا کو مذکر کہیں تو کہیں ورنہ ستم و ظلم مذکر بیداد اور جفا مؤنث ہے بلا شبہ۔"

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ تذکرہ لکھ رہے تھے تو مرزا کو رعنا نے اپنی غزل فارسی بھیجی۔ مرزا نے لکھا کہ نواب صاحب اردو کا تذکرہ لکھ رہے ہیں فارسی غزل

تم نے بیکار بھیجی۔ اسکے بعد شاید کوئی غزل نہ آئی۔ کیونکہ تذکرہ مذکور میں ان کا نام کہیں نہیں ہے البتہ مولوی عبدالغفور نساخ ان سے ملے تھے۔ اور انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ "غنچہ راگ ان کا نظر سے گزرا"۔ ممکن ہے کہ انکی تصنیف ہو۔

نمونہ کلام میں صرف ایک شعر ملتا ہے۔

گزرا ہے مرا نالہ دریچہ چرخ کہن سے ۔۔۔ تھا اوج کا ہمدم نہ پھرا جاکے وطن سے

مرزا صاحب نے در کی جگہ (نالۂ دل) بناکر مصرع کو یوں بنا دیا۔ "گزرا ہے مرا نالۂ دل چرخ کہن سے"

سالک ۔ مرزا قربان علی بیگ

مرزا قربان علی بیگ سالک نواب مرزا عالم بیگ خاں کے بیٹے تھے آپ حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ مگر بالاتفاق آپ کی شاعری کا مسقط الراس دلی ہے۔ آپ کی زندگی کا بڑا حصہ یہیں صرف ہوا۔ شعر و شاعری کا ابتدائے عمر سے شوق تھا اور اس فن میں حکیم مومن خاں صاحب مرحوم دہلوی کے شاگرد تھے۔ اور قربان تخلص کرتے تھے۔ حکیم مومن خان کے بعد مرزا کو اپنا کلام دکھانا شروع کیا۔ مرزا صاحب نے حکم دیا کہ تخلص بدل دو چنانچہ تخلص بدل کر سالک تخلص قرار دیا۔ ان کے بھائی مرزا شمشاد علی بیگ بھی شاعر تھے اور وہ بھی مرزا کے شاگرد تھے۔ رضوان تخلص تھا روزانہ مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر

ہوا کرتے۔ اور استفادہ کرتے تھے۔

سالک کو مرزا صاحب کی شاگردی پر بڑا ناز تھا اور عمر بھر وہ اس بات پر افتخار کرتے رہے۔ مرزا بھی ان کے ساتھ عزیزانہ برتاؤ کرتے تھے اور بزرگانہ نصائح ظرافت کے انداز میں فرماتے رہتے تھے چنانچہ جب سالک مرحوم کے چچا کا انتقال ہوا تو مرزا صاحب نے لکھا "میری جان کن اوہام میں گرفتار ہے۔ جہاں باپ کو بیٹھ چکا اب چچا کو بھی رو۔ تجھ کو خدا جیتا رکھے۔ اور تیرے خیالات اور احتمالات کو صورت وقوعی دے۔" اسی طرح مرزا، رنج اور خوشی میں ان کے شریک اور دکھ درد میں شامل رہتے تھے چنانچہ مرزا کے مرنے پر جو مرثیہ سالک نے لکھا ہے اس سے ان تعلقات کا پتہ چلتا ہے جو مرزا کو ان کے ساتھ اور ان کو مرزا کے ساتھ تھے۔

سالک مرحوم کی تعلیم چھ برس کی عمر سے شروع ہوئی اور دہلی ہی میں تعلیم پاتے رہے۔ غدر کے بعد مہاراجہ شیودان سنگھ والی الور کی ریاست میں کام کرنے لگے۔ دکن میں ان کا قیام اگرچہ بہت زیادہ رہا۔ مگر وہ بالطبع ہمیشہ دہلی کے شائق رہے۔ دکن کا قیام محض ان کے چچا بہادر خاں کی وجہ سے تھا جو اپنے ذاتی اور خانگی جھگڑوں کی وجہ سے دہلی کی سکونت ترک کرکے حیدرآباد جا رہے تھے حیدرآباد میں سالک کے چچا نے نواب تاج الدین کی ملازمت کر لی تھی اور وہیں شادی کرکے اپنی سسرال میں رہتے تھے اسی وجہ سے آخر عمر تک سالک بھی ان کے ساتھ رہے اور حیدرآباد ہی میں ۱۸۸۰ء میں انتقال کیا اور قدر بلگرامی نے تاریخ وفات کہی۔ "نواب قربان علی سالک بہزار افسوس مرد"
۱۲۹۷ھ

مرنیکے بعد اُن کے بڑے بیٹے عابد نے اُنکا دیوان موسوم بہ "میخانۂ سالک" ترتیب دیکر شائع کرایا۔ ظہیر۔ انور۔ مجروح۔ ذکی آپ کے ہم مشق اور ہم عمر شعرا میں سے تھے آپکے شاگردوں کی تعداد اگرچہ حیدرآباد ہی میں بہت زیادہ ہے مگر دہلی میں حکیم اسد علی خان مضطر بہت خوش فکر اور کہنہ مشق مشہور ہیں جو مدتوں آپکے دامن تربیت سے وابستہ رہے اور اب بھی ہمیشہ آپ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔

آپ کے کلام میں معانی آفرینی نازک خیالی۔ بندش کی چستی سوز و گداز سبھی کچھ موجود ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔ ؎

ذرا سی ہمت اے فریاد گیتی سوز لازم ہے
عدو قائل نہیں ہے دہر کی ناپائداری کا

تا چاہ ہوا وادیٔ محشر کو روانہ
جس فتنے نے پایا نہیں رستہ مرے گھر کا

وان دخل وہم کا نہ گزر ہے خیال کا
اچھی جگہ ہے دل کو بھروسہ وصال کا

جتنی کہ ماسوا کی نمائش نظر میں ہے
پتلا بنا ہوا ہے یہ وہم و خیال کا

وقفہ ہے ایک دم کا ولادت سے مرگ تک
گر سو برس بھی ہوں تو زمانہ ہے حال کا

ہمسایہ میں وہ آئے ہیں یا لگ رہی ہے آگ
کچھ روشنی سی ہے بسر دیوار دیکھنا

قصہ قیس ہے اک حرف فسانے کا مرے
میں یہ سمجھا تھا کہ وہ بھی کوئی دفتر ہوگا

ہجوم بلا ہائے ہجراں نہ پوچھ
تجھے کیا جو کچھ ہوگیا ہوگیا

ہے خود شکست عہد سے نفرت انھیں مگر
دل توڑنا پسند ہے اُمیدوار کا

دوکان مے فروش پہ سالک پڑا رہا
اچھا گزر گیا رمضاں بادہ خوار کا

یہ اور کون تھا جو ترا خستہ جاں نہ تھا
اک نعش بےکفن تھی کوئی نوحہ خواں نہ تھا

تیرا چپ چپ یہ بیٹھنا سالک — اک طرح کا بیان ہے گویا

فرہاد مر کے عشق کو دھبہ لگا گیا — کچھ خودکشی طریقۂ اہل وفا نہ تھا

مانا کہ لب سے مہر خموشی اٹھائیں ہم — دیگا جواب کون ہمارے سوال کا

اب اجل کیونکر آئیگی دیکھوں — وہ عیادت کو آئے بیٹھے ہیں

قیمت دل چاہئے بوسے کئی — آ گئے جو آئے ترے ایمان میں

کیا کہوں حالت بیتابی امید جواب — کوئے جاناں میں چلا جاؤں یہ مقدور نہیں

پائے جاتے ہیں برے داغ جگر کے آثار — گرچہ ابتک تو یہ کہتے ہیں کہ ناسور نہیں

کٹ گئی عمر یوں ہی حضرت ناصح افسوس — ہم سنا کرتے ہیں اور آپ کہا کرتے ہیں

کچھ تغیر مرے احوال پریشاں میں نہیں — ایسے عالم میں ہوں جو عالم امکاں میں نہیں

اسکے کوچہ میں جو سالک نے کیے کچھ نالے — ہنسکے بولا کہ یہیں ہوں فلک پیر نہیں

رگ رگ میں نیش عشق ہے اے چارہ گر مرے — یہ درد وہ نہیں کہ کہیں ہو کہیں نہ ہو

کہوں احوال یا دیکھوں کروں کیا — قیامت سامنے ہے تم کہاں ہو

آجاؤ اب بھی لب پہ نہ آجائے اور کچھ — شکوے تمام گردش دوراں کے ہو چکے

یوں وفا کی کہ خود وہ بول اٹھے — کس ستمگر سے کی وفا تو نے

مرگ عاشق کی سنکے سب روداد — پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا آگے

نہ پوچھو مجھسے نالے کو کہ کیا ہے — شکست شیشۂ دل کی صدا ہے

سرور، چودھری عبدالغفور

مارہرہ ضلع ایٹہ کے رئیس قوم کمبوہ سے تھے۔ اور قریب قریب شہاب الدین غوری کے عہد سے یہیں انکا خاندان قیام پذیر تھا۔ انھیں کے اسلاف نے بسلسلہ پیری مریدی حضرت صاحب عالم کے بزرگوں کو مارہرہ بلایا اور یہاں کی مستقل سکونت پر مجبور کیا۔ مرزا غالب کے نادیدہ مگر عزیز ترین شاگردوں میں تھے۔ قصیدہ رباعی غزل سب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ فارسی کی اچھی خاصی لیاقت بہم پہونچائی تھی اور صرف فارسی ہی کے شاعر تھے۔ حضرت صاحب عالم جو مارہرہ کے سجادہ نشین تھے اُنسے خاص تعلقات تھے اور اکثر حاضر باش رہتے تھے۔ بلکہ انھیں کے سلسلے سے مرزا سے ملاقات ہوئی۔ گو وہ پہلے سے شاعر تھے مگر مرزا کے ہاتھوں انکی شاعرانہ تعلیم پوری ہوئی اور مرزا نے ایسے سلیقہ سے رموز و اسرار شاعرانہ سے ان کو آگاہ کیا کہ کامل بنا دیا اور برسوں کا سبق لحظوں اور ساعتوں میں پڑھا دیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ صاحب عالم کو جو مارہرہ کے پیرزادے اور معزز رکن ہونیکے علاوہ مرزا کے معتقد اور سچے دوست تھے مرزا نے لکھا کہ اختر اور ممتاز یہ لوگ شاعر ضرور ہیں مگر بے اُصولے ہیں کسی خاص روش کے پابند اور جادۂ مستقیم کے سالک اور رہ نورد نہیں ہیں۔ صاحب عالم ان لوگوں سے عقیدت رکھتے تھے اُن کو کچھ گراں گزرا۔ اسی دوران میں اتفاق سے عرصہ تک اُن کو خط لکھنے کی مہلت نہ ملی۔ مرزا جی ہیں کھٹکے کہ مبادا نہ ہو یہ وہی اختر

"ممتاز والا معاملہ ہے۔ جب خط آئے ہوئے بہت دیر ہوگئی تو مرزا نے سرور کو خط
لکھا جس میں فارسی زبان کی شاعری کی تدریجی ترقیوں کا حال ہے۔
لکھتے ہیں "حضرت صاحبِ عالم مجھ سے آزردہ ہیں اور وجہ اُسکی یہ ہے کہ میں نے
ممتاز و اختر کی شاعری کو ناقص کہا تھا۔ اس رقعہ میں ایک میزان عرض کرتا ہوں
حضرت صاحبِ عالم ان صاحبوں کے کلام یعنی ہندیوں کے اشعار کو قتیل اور
واقف سے لیکر بیدل اور ناصر علی تک اس میزان میں تولیں۔ رودکی و فردوسی
سے لیکر خاقانی و سنائی و انوری وغیرہم تک ایک گروہ۔ ان حضرات کا کلام
تھوڑے تفاوت سے ایک وضع پر ہے۔ پھر حضرت سعدی طرزِ خاص
کے موجد ہوئے۔ فغانی اور ایک شیوۂ خاص کا مبدع ہوا۔ خیالہائے نازک و
معانیہائے بلند لایا۔ اس شیوہ کی تکمیل کی ظہوری و نظیری و عرفی و نوعی نے۔
سبحان اللہ قالبِ سخن میں جان پڑگئی اس روش کے بعد صاحبانِ طبع نے سلاست
کا چربہ دیا۔ صائب و کلیم و سلیم و قدسی و حکیم شفائی اس زمرہ میں ہیں۔ رودکی و
اسدی و فردوسی۔ یہ شیوہ سعدی کے وقت میں ترک ہوا۔ اور سعدی کی طرز
نے بسبب سہل ممتنع ہونے کے رواج نہ پایا۔ فغانی کا رنگ پھیلا اور اس میں
نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے۔ تو اب طرزیں تین ٹھیریں۔ خاقانی اور اُسکے
اقران۔ ظہوری اور اُسکے امثال۔ صائب اور اُسکے نظائر۔ خالصاً للہ ممتاز
وغیرہم کا کلام ان تین طرزوں میں سے کس طرز پر ہے؟ بے شبہ فرماؤ گے کہ یہ طرز
اور ہی ہے پس تو ہم نے جانا کہ انکی طرز چوتھی ہے۔ کیا کہنا ہے۔ خوب طرز ہے۔
اچھی طرز ہے۔ مگر فارسی نہیں ہے ہندی ہے۔ دارالضرب کا سکہ شاہی نہیں ہے

ٹکسال باہر ہے۔ داد۔ داد انصاف۔ انصاف۔

اگرچہ شاعران نغز گفتار ز یک جام اند در بزم سخن مست

ولے با بادہ بعضے حریفاں خمار چشم ساقی نیز پیوست

مشو منکر کہ در اشعار این قوم ورائے شاعری چیزے دگر ہست

"وہ چیز دگر" پارسیوں کے حصہ میں آئی ہے۔ ہاں اردو زبان میں بعض اہل ہند نے وہ چیز پائی ہے ؎

بدنام ہوگے جانے بھی دو امتحان کو (میر) رکھیگا کون تم سے عزیز اپنی جان کو

دکھلائیے لیجا کے تجھے مصر کا بازار (سودا) خواہاں نہیں لیکن کوئی واں جنس گراں کا

قائم اور تجھ سے طلب بوسے کی کیونکر مانوں (قائم) ہے تو نادان مگر اتنا بھی بدآموز نہیں

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا (مومن) جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ناسخ کے ہاں کمتر اور آتش کے ہاں بیشتر یہ تیز نشتر ہیں مگر مجھے کوئی شعر ان کا اسوقت یاد نہیں آیا" الغرض کہ مرزا نے ایک مفصل تاریخ ادوار شاعری کی نہیں لکھ دی جس پر یہ کاربند تھے۔ اسی رنگ میں شعر کہتے اور برابر مرزا صاحب کی خدمت میں بھیجتے رہتے تھے۔ مرزا کو بھی اُن کی خاطر اتنی عزیز تھی کہ اصلاح میں ذرا دیر ہوتی تو عذر کرتے اور کسر نفسی کے طور پر شرمندگی کا اظہار کرتے۔

ایک مرتبہ ایام غدر کے اختتام پر چودھری صاحب نے مرزا صاحب سے ملنے کے لیے دہلی آنیکا ارادہ کیا۔ مگر گرمی کا موسم اور پُرآشوب زمانہ تھا اون کے چچا نے اس سفر کو کچھ مناسب نہ سمجھا۔ اور گرمی کا بہانہ کرکے روکدیا۔ انھوں نے یہ حال مرزا کو لکھا۔

مرزا کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو شہر کی تباہی اور دار و گیر پر نظر کر کے اس بات کو بہت ہی مغتنم سمجھا اور لکھا کہ "آپ کے چچا نے کرامت کی جو آپ کو منع کیا۔ ڈاک کی سواری پر اگر آپ اس شہر میں آجاتے تو ممکن تھا۔ مگر رہنا شہر میں بے حصول اجازت حاکم احتمال ضرر رکھتا ہے۔ اگر خبر نہ ہو تو نہ ہو اور اگر خبر ہو جائے تو البتہ قباحت ہے۔"
اس خط میں مرزا نے یہ بھی لکھا کہ دو تین مہینے بعد میں بھی مارہرہ آؤں گا۔ مگر پھر جانا نہ ہو سکا۔ مگر پھر بھی مرزا انکا پاس و لحاظ بہت رکھتے تھے۔ غدر کے بعد بادشاہ ابوظفر بہادر شاہ کی مصاحبت کے جرم میں مرزا بھی باغیوں میں شمار کئے گئے تھے! ور بتایا گیا تھا کہ سکۂ شاہی کی تاریخ انہیں نے کہی تھی۔ یہ غریب حیران تھے کیونکہ ان کو یقین تھا کہ وہ تاریخ ذوق نے کہی تھی اور دہلی کے اردو اخبار میں مولوی محمد باقر یعنی مولانا آزاد کے والد نے طبع کی تھی۔ مرزا نے یہ سمجھ کر کہ شاید چودھری صاحب کے پاس فائل ہو تو وہ اصل اخبار بھجا دے چودھری صاحب کو اس تاریخ کے لیے لکھا۔ اور سرنامہ پر یہ فقرے درج کیے "جناب چودھری صاحب آج کا خط میرا کاسۂ گدائی ہے یعنی تمسے کچھ مانگتا ہوں" علاوہ اسکے ان کی بات کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ اگر وہ دوسروں کے لیے صلاح کی سفارش کرتے تو مرزا باوجود آلام پیرانہ سالی کے اس زحمت ناروا کو برداشت کرتے مگر ان کو ناراض نہ ہونے دیتے۔ جیسا کہ بعض خطوط سے ظاہر ہے۔ کبھی دیکھا نہ تھا اسلیے سرنامہ پر اکثر یہ شعر لکھتے تھے۔

شرط اسلام بود ورزش ایمان بغیب | اے تو غایب ز نظر مہر تو ایمان منست

جب سرور نے انشائے بہارستان سرور لکھی تو مرزا سے قطعۂ تاریخ کی فرمائش

کی۔ مرزا نے لکھا کہ وعدہ اس لیے نہیں کرتا کہ بے وعدہ پہونچے گا تو اور زیادہ لطف آئیگا۔ ؎

بے طلب دیں تو مزا اس میں سوا ملتا ہے وہ گدا جس کو نہو خوئے سوال اچھا ہے

اکثر صاحب عالم کی خیریت ان سے اور انکی خیریت صاحب عالم کے خطوط سے معلوم ہوجاتی تھی مگر صاحب عالم کے خطوط کچھ ایسے بُرے خط میں لکھے ہوتے تھے کہ چودھری صاحب کے پاس واپس کر دیے جاتے تھے اور جب وہ صاف لکھکر بھیجتے تو مرزا پڑھ سکتے تھے۔

سرور کے تعلقات مرزا سے نہایت قدیم اور بہت استوار تھے علاوہ مسائل نظم کے دوسرے علوم و مسائل مثل نجوم وغیرہ بھی مرزا سے پوچھتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مرزا سے دریافت کیا کہ آفتاب برج حمل میں کب آتا ہے مرزا نے لکھا کہ "تحویل آفتاب بہ حمل کے باب میں موٹی بات یہ ہے کہ ۲۲ مارچ کو واقع ہوتی ہے۔ کبھی ۲۱۔ کبھی ۲۳ بھی آپڑتی ہے۔ اس سے تجاوز نہیں ہوتا طالع وقت تحویل درست کرنا بے فن کتب اور مبلغ علم ممکن نہیں میرے پاس یہ دونوں باتیں نہیں" اسی خط میں یہ بھی پوچھا تھا کہ کف الخضیب کیا چیز ہے۔ مرزا نے بتایا کہ کف الخضیب صور جنوبی میں سے ایک صورت ہے۔ اوس کے طلوع کا حال کچھ مجکو معلوم نہیں اختر شناسان ہند کو اسکا حال کچھ معلوم نہیں اور اون کی زبان میں اسکا نام بھی یقین ہے کہ نہوگا۔ قبول دعا وقت طلوع منجملہ مضامین شعری ہے جیسے کتان کا پرتو ماہ سے پھٹ جانا۔ اور زمرد سے افعی کا اندھا ہوجانا۔ آصف الدولہ نے افعی تلاش کر کے منگوایا۔ اور قطعات زمرد

اوسکے محاذی چشم رکھے کچھ اثر نہوا۔ ایران وروم وفرنگ سے انواع کپڑے منگوائے چاندنی میں پھیلائے مسکا بھی نہیں"

مرزا کے آخر وقت تک ایسے ہی تعلقات رہے۔ اور وہ برابر سرور کے کلام پر اصلاح دیتے رہے۔ مگر افسوس ہے کہ اب سرور کا کلام نایاب ہے سرور کے انتقال کو اب تقریباً ۲۵ برس گزرے ہونگے

سیاح سیف الحق میاں داد خاں

نام میاں داد خاں اور سیف الحق لقب تھا جو مرزا غالب نے عطا فرمایا تھا۔ جیسا کہ مرزا خود اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔ " یہ جو میں نے سیف الحق خطاب دیا ہے اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا ہے تم میرے ہاتھ ہو۔ تم میرے بازو ہو۔ میرے نطق کی تلوار تمہارے ہاتھ سے چلتی رہے گی"۔ اصل میں اورنگ آباد کے رہنے والے تھے۔ مگر سورت میں مقیم تھے۔ آپ کے والد ماجد منشی عبداللہ خاں اورنگ آباد کے ذی مقدرت رئیس اور نہایت مشہور و معروف شخص تھے جب سیاح پیدا ہوئے تو دولت و اقبال کی فراوانی تھی عزت اور حشمت خاندانی کا ستارہ چمک رہا تھا۔ مگر افسوس کہ جب تک یہ سن شعور کو پہونچے گردش زمانہ نے وہ سب مٹا دیا۔ اور افلاس داد بار و نکبت نے گھیر لیا۔ مجبوراً انھیں ترک وطن کرنا

پڑا۔ اور سورت چلے آئے اور نواب غلام بابا خاں رئیس اعظم سورت کے زمرۂ مصاحبین میں داخل ہوئے۔

سیاح خطاب مرزا غالب نے اس واسطے اون کو دیا تھا کہ وہ علاوہ مشہور مشہور ہندوستان کے شہروں کے دوسرے ممالک ایران و عرب و مصر وغیرہ کی بھی سیر کر آئے تھے۔ چنانچہ ۱۸۶۲ء میں دلی آکر مرزا سے ملاقات کی اور عرصہ تک مقیم رہے۔ اور اسیطرح کئی مرتبہ سورت سے دلی تک آئے اس زمانہ میں نہ ریل تھی نہ سفر کی اسقدر آسانیاں تھیں مگر وہ برابر سفر کرتے رہتے تھے

شعر و شاعری کے نہایت دلدادہ تھے اور ابتدا میں عشاق تخلص کرتے تھے۔ مرزا صاحب نے اس تخلص کو بدل کر سیاح تخلص رکھا سیاح کو فارسی میں درجۂ کمال حاصل تھا۔ اور نہایت بے تکلفی کیساتھ اس زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ نہایت عقلمند اور حکام رس تھے بعض لوگ ان کو سرکاری جاسوس سمجھا کرتے تھے جہاں کہیں جاتے اور کچھ دنوں وہاں قیام کرتے تو مصرع طرح خود دیتے اور وہاں مشاعروں کی بنیاد ڈالتے تھے اور داد سخن دیتے تھے۔ پڑھنے کا ایسا اچھا انداز تھا کہ سننے والے محو ہو جاتے تھے۔ اور ہر مشاعرہ میں یہ اپنا رنگ جما لیتے تھے۔

افسوس ہے کہ ۱۸۸۰ء میں ان کے اوپر مقدمۂ قلب سازی قائم ہوا اور گرفتار ہو کر سزایاب ہو گئے مرزا سے ان کو اور انسے مرزا کو ایک خاص خلوص اور انس تھا چنانچہ قاطع برہان کی تائید میں ایک رسالہ لطائف غیبی انھوں نے لکھا ہے جسکی مرزا نے خود تعریف کی ہے اور انہیں لکھا ہے کہ

"لطائف غیبی نے اعدا کی دھجیاں اُڑا دیں"۔ آزاد مرحوم کو یہ شبہ ہے کہ یہ مرزا ہی کا لکھا ہوا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ مرزا جا بجا اون کی لیاقت کی تعریف کرتے ہیں۔ اور کہیں ان کو منع کرتے ہیں کہ اب اور کچھ ایسا نہ لکھنا۔ مرزا سے ان کے تعلقات اس درجہ تھے کہ خاص یگانگت اور دوستی میں بھی نہیں ہوتے۔

مرزا کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ان کو نور چشم۔ برخوردار۔ بیٹا کر کے خطاب کرتے تھے اور سیاح کا بھی یہ رنگ تھا کہ قلبی۔ مالی غرضکہ ہر قسم کی مرزا کی اعانت کرتے رہتے۔ کبھی روپیہ کبھی ہنڈی کبھی کچھ کبھی کچھ برابر بھیجتے رہتے تھے مرزا کی ملاقات صوری چونکہ سیاح کو میسر نہ تھی اس لیے خواہش کی تھی کہ آپ اپنی تصویر بھیج دیجئے۔ مرزا نے جواب میں لکھا "صاحب کیوں اس بڑھاپے میں تصویر کے پردے میں کھنچا کھنچا پھروں۔ گوشہ نشین آدمی عکس کے تصویر اُتارنے والے کو کہاں ڈھونڈوں۔ دیکھو ایک جگہ میری تصویر بادشاہ کے دربار میں کھنچی ہوئی ہے اگر ہاتھ آجاوے گی تو وہ ورق بھیج دونگا۔"

سیاح نہایت بلند پایہ اور پُرگو شاعر تھے۔ فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور آخر وقت تک مشق سخن جاری تھی مگر افسوس کہ جسقدر ان کی شہرت ہونا چاہئے تھی نہ ہوئی۔ آخر کار اسی گوشہ گمنامی میں ۷۰ برس کی طویل عمر پاکر بمبئی میں ۱۹۰۷ء میں انتقال کیا۔ "سیر سیاح" ان کی ایک مشہور تصنیف ہے جس میں اپنی سیر و سیاحت کا حال درج کیا ہے نمونہ کلام یہ ہے ؎

کرتے ہیں وہ باتیں کہ مری جان پہ بن جائے
بگڑے ہوئے کچھ آئے ہیں بہکائے ہوئے ہیں

آئے ہیں عیادت کے لیے غیر کے ہمراہ — ساتھ اپنے مری میت کو بھی لائے ہوئے ہیں
غصہ میں ترے چہرۂ زیبا سے عیاں ہیں — وہ شعلے جو اغیار کے بھڑکائے ہوئے ہیں
کہدو کہ سنبھل کے سیکڑے ہیں آئے محتسب — ٹوٹینگے خم ضرور مگر اوسکے سر کیساتھ
ہوتے ضرور تیرے شاکر یہ کیا کہیں — قاتل دہان زخم کی گویا زبان نہ تھی

پھرا کرتا ہوں گرد اُسکے نہیں تاب ہم آغوشی
میں ہوں تصویر اور وہ شمع فانوس خیالی ہے

قفس میں سیر گلشن کی اگر مانگے دعا دل سے — صدائے خندۂ گل آئے فریادِ عنادل سے

شاکر مولوی عبدالرزاق

مولوی عبدالرزاق نام تھا شاکر تخلص کرتے تھے اور اپنے نام کیساتھ جعفری الحیدری لکھتے تھے۔ اپنے وقت کے مشہور و معروف وکیلوں میں تھے مرزا ان کو اشرف الوکلا کہتے تھے اور نہایت عزت کی نظر سے دیکھتے تھے علم و فضل میں کامل مانے جاتے تھے۔

مرزا سے شاکر کی ملاقات غائبانہ آخر عمر میں ہوئی جب مرزا اپنے آلام جسمانی میں گرفتار تھے۔ قوت حافظہ اور سامعہ نے جواب دیدیا تھا ایک پیکر بیجان تھے۔ جو کسی طرف حرکت نہ کر سکتے تھے۔ اسی عالم میں شاکر نے صلاح کے لیے اپنا کلام بھیجا۔ مرزا نے خلقی انکسار کی وجہ سے پہلے

انکار کیا۔ مگر بعدہ لکھا "آپکا واسطے اصلاح کلام کے رجوع کرنا میری طرف موجب
نازش کا ہے۔ میرا طریق اس فن خاص میں یہ ہے کہ جو شعر بے عیب ہوتا ہے
اُسکو بدستور رہنے دیتا ہوں اور جہاں لفظ کے بدلے لفظ لکھتا ہوں اسکی وجہ
خاطرنشان کر سکتا ہوں تاکہ آئندہ صاحب کلام اس قسم کے کلام میں خود اپنے
کلام کا مصلح رہے" اس اطلاع کے بعد سلسلۂ اصلاح شروع ہوا اور متعدد
غزلوں پر اصلاح دیگئی جسکا ذکر مختلف خطوط میں موجود ہے اکثر بے اختیارانہ داد
دیتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں "مخمس بعد الاصلاح بھیجتا ہوں۔ حق تو یہ ہے
کہ شعر آپ کہتے ہیں اور حظ میں اُٹھاتا ہوں حسن اتفاق سے اصلاح خمسہ کے وقت
دوست غمگسار یار وفا شعار علامۂ روزگار ختم العلماء المتبحرین مولوی مفتی صدرالدین
خاں صاحب بہادر صدر الصدور سابق دہلی المتخلص بہ آزردہ دام بقاءہ
وزاد علاوہ کہ مجھسے ملنے کو غریبخانہ پر تشریف لائے ہوئے موجود تھے خمسہ کو دیکھکر
پسند فرمایا حضور کی بلاغت کی تحسین کی۔ عربی مصرعوں کے میرے ساتھ
شریک غالب ہوکر مزے لوٹے۔ اور آپ کی شیرینی گفتار کے وصف میں تا دیر
عذب البیان اور رطب اللسان رہے اور مجھسے بقدر میری معلوم و بیان
کے آپ کے صفات حمیدہ سے واقف و آگاہ ہوکر بہت شاد و خرسند ہوئے
مبارک ہو۔ نادیدہ اور غائبانہ یعنی محض مشتاقانہ بہ تمنائے ملاقات
عجز و نیاز لکھنے کو ارشاد کر گئے ہیں لہذا میں لکھتا ہوں قبول فرمائیے گا"

شاکر گو کہ خود متبحر عالم تھے مگر مرزا کے اکثر اشعار کے معنے جو سمجھ
میں نہ آتے تھے مرزا سے بے تکلف پوچھتے تھے۔ چنانچہ ان اشعار کے معانی مرزا نے

انکو سمجھائے ہیں جو ادبی خطوط میں ملیں گے[1]۔

ظلمت کدہ میں میرے شب غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے

متقابل ہے مقابل میرا | رُک گیا دیکھ روانی میری
کارگاہ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے | برق خرمن راحت خون گرم دہقاں ہے
نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا | کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا
شوق ہر رنگ رقیب سر و ساماں نکلا | قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا
نہیں ذریعۂ راحت جراحت پیکاں | وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہیے

شاکر نے ایک مرتبہ مرزا سے خواہش کی تھی کہ مجھکو فارسی میں خط لکھا کیجیے۔ مرزا نے جواب میں لکھا "بندہ نواز فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے۔ پیرانہ سری و ضعف کے صدموں سے محنت پژوہی و جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی حرارت غریزی کو زوال ہے اور یہ حال ہے ۔

مضمحل ہو گئے قویٰ غالبؔ | وہ عناصر میں اعتدال کہاں

کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں سب دوستوں کو جن سے کتابت رہتی ہے اُردو ہی میں نیاز نامے لکھا کرتا ہوں جن جن صاحبوں کی خدمت میں آگے میں نے فارسی زبان میں خطوط و مکاتب لکھے اور بھیجے تھے اون میں جو صاحب الی الآن ذی حیات موجود ہیں اُنسے بھی عند الضرورت اسی زبان مروج میں مکاتبت و مراسلت کا اتفاق ہوتا ہے۔"

غرضکہ شاکر اُن بزرگوں اور اُن فاضلوں میں تھے جن کی قابلیت

[1] دیکھو صفحہ خط نمبر ۲۷ صفحہ ۴۳ و ۴۴ وغیرہ

پر اُستاد کو بھی ناز ہوتا ہے۔ نمونہ کلام ؎

ہیں اپنے گنہ مُزیلِ اُمید ایمان کہاں ہے ایک ڈر ہے[1]

کوئی آتا نہیں آگے ترے ہمتا ہو کر آئینہ جب نظر آیا ہے تو اندھا ہو کر

مردمِ چشم سے جب نظر آتا ہے ترا بیٹھ جاتا ہی مرے دل میں سویدا ہو کر

حرستے مے کیلیے پیرِ مغاں کا ہے یہ حکم ریشِ قاضی کی رہے پنبۂ مینا ہو کر

ہے تمہارا آفتابہ آفتاب آسماں دیکھ لو اپنی چلمچی میں حبابِ آسماں

شفق انورالدولہ نواب سعدالدین خاں بہادر

انورالدولہ سعیدالملک نواب سعدالدین خاں بہادر صولت جنگ فضل الدولہ نواب احمد بخش خاں بتیاب کے بیٹے اور ناصرالدولہ بہادر المتخلص بہ ناصر کے پوتے وزیرالممالک نواب عمادالملک غازی الدین خاں متخلص بہ نظام کے پروتے تھے۔ کدورا ضلع کالپی کے قدیم رئیس تھے۔ آفتاب الدولہ سید امجد علی قلق لکھنوی سے تلمذ رکھتے تھے۔ فارسی کے ذی استعداد اور نہایت مشاق استاد تھے مرزا سے غائبانہ ملاقات اور اتحاد تھا۔ مگر کبھی ظاہری ملاقات کا موقع نہ ملا تھا۔ جانبین کو اشتیاق تھا مگر اتفاق نہیں ہوتا تھا کہ یہ دو بدر کمال ایک جگہ جمع ہو سکیں۔ مرزا کو ان کے ملنے کی اتنی تمنا تھی کہ دعائیں مانگتے اور کہتے کہ اے خدا جبتک صاحب عالم اور انورالدولہ سے نہ مل لوں میری

[1] ان اشعار کی اصلاح کے لیے دیکھو صفحات ۸۴ و ۸۵-

روح قبض نہ کرنا۔ چنانچہ ایک مرتبہ بندہ لکھنو کے سفر دراز کی تکلیف محض انکے اشتیاق ملاقات میں اٹھائی چاہی مگر اتفاق سے پہونچ نہ سکے۔ خود لکھتے ہیں "میرا دل جانتا ہے کہ آپ کے دیکھنے کا میں کسقدر آرزومند ہوں میرا ایک بھائی ماموں کا بیٹا کہ وہ نواب ذوالفقار بہادر کی حقیقی خالہ کا بیٹا ہوتا تھا۔ اور مسند نشین حال کا چچا تھا۔ اور وہ میرا ہم شیر بھی تھا یعنی میں نے اپنی ممانی اور اُسنے اپنی پھوپھی کا دودھ پیا تھا وہ باعث ہوا میرے باندا و لکھنو آنے کا۔ میں نے سب سامان سفر کر لیا۔ ڈاک میں روپیہ ڈاک کا دیدیا قصد یہ تھا کہ فتح پور تک ڈاک میں جاؤں گا۔ وہاں سے نواب علی بہادر کے ہاں کی سواری میں باندے جاکر ہفتہ بھر رہ کر کالپی ہوتا ہوا آپ کے قدم دیکھتا ہوا سپیل ڈاک دلی چلا آؤنگا۔ ناگاہ حضور والا بیمار ہوگئے اور مرض نے طول کھینچا۔ وہ ارادہ قوت سے فعل میں نہ آیا اور پھر مرزا ازیک خاں میرا بھائی مرگیا ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ واللہ وہ سفر اگرچہ بھائی کی استدعا سے تھا مگر میں نتیجہ اوس شکل کا آپ کا دیدار سمجھا ہوا تھا"۔ ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ انورالدولہ بیمار ہیں تو مرزا انکو لکھتے ہیں" مزاج کی ناسازی موجب تشویش و ملال ہوئی۔ اگرچہ حضرت کی تحریر سے معلوم ہوا کہ مرض باقی نہیں مگر ضعف باقی ہے لیکن تسکین خاطر منحصر اس میں ہے کہ آپ بعد اس تحریر کے ملاحظہ فرمانیکے اپنے مزاج کا حال پھر لکھیں"۔

مرزا نے اونکو ایک مرتبہ اپنا ایک قصیدہ بھیجا۔ اتفاق سے جواب میں دیر ہوئی۔ مرزا سے نرہا گیا۔ ایک خط لکھا اور اوس میں شوخی کی کہ انورالدولہ

بھی پھڑک اُٹھے۔ اُمیدگاہ کی بجائے کاف فارسی کا ایک مرکز اڑا کر کاف تازی بنایا اور اُمیدکاہ لکھا۔ انورالدولہ اس رمز کو سمجھ گئے۔ جواب میں اس کا ذکر کیا۔ مرزا نے لکھا کہ " امیدکاہ بکاف عربی ازراہ شکوہ لکھا۔ تو کیا گناہ۔ نہ خط کا جواب نہ قصیدہ کی رسید ؂

دریں خستگی پرسش از من بجوئے بود بندۂ خستہ گستاخ گوئے

اور یہ جو آپ لکھتے ہیں کہ ان موانع کی وجہ سے میں قصیدہ کی تحسین نہ لکھ سکا بندہ بے ادب نہیں تحسین طلب نہیں۔ ایسے مجمع میں محشور ہوں کہ سوائے احتزام الدولہ کے کوئی سخنداں نہیں۔ یہ جو اپنا کلام آپ کے پاس بھیجتا ہوں گویا آپ اپنے پر احسان کرتا ہوں ؂

واے برجان سخن گر بہ سخنداں نرسد"

ایک مرتبہ عجیب لطیفہ ہوا۔ انورالدولہ بہادر نے اپنے خط کے سرنامہ پر مخدوم نیاز کیشاں لکھا تھا چٹھی رساں نے کیشاں کو کپتان پڑھا۔ مرزا کے داروغہ کو خط دیکر کہا کہ ڈاک کا ہرکارہ بندگی عرض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مبارک ہو آپ کو جیسا کہ دلی کے بادشاہ نے نوابی کا خطاب دیا تھا اب کالپی سے خطاب کپتانی کا ملا۔ مرزا حیران ہوئے۔ یا اللہ یہ کیا معاملہ ہے۔ کجا کپتانی کجا غالب آخر راز کھلا تو ازراہ بے تکلفی یہ لطیفہ نواب صاحب کو لکھ بھیجا۔ باوجودیکہ ملاقات غائبانہ تھی۔ مگر نہایت بے تکلفانہ تھی۔ خطوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دو ہم سن ہم نوالہ ہم پیالہ و دست باہم مذاق میں مصروف ہیں جیسا کہ اس خط کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے " پیرو مرشد ۱۲ بجے تھے میں

ننگا اپنے پلنگ پر لیٹا ہوا حقہ پی رہا تھا کہ آدمی نے آکر خط دیا میں نے کھولا پڑھا۔
بھلے کو انگرکھا یا کُرتہ گلے میں نہ تھا۔ اگر ہوتا تو میں گریبان پھاڑ ڈالتا حضرت
کا کیا جاتا میرا نقصان ہوتا" کہیں لکھتے ہیں کہ میر امجد علی سے میری خطا معاف
کرائیے۔ میں اس میں رشوت دینے کو بھی تیار ہوں۔ کہیں لکھتے ہیں کہ حضرت بہت
دنوں سے امجد علی صاحب کا کچھ حال معلوم نہیں۔ اون کے تخلص نے مجھکو حیران
کر رکھا ہے یعنی قلق میں مبتلا ہوں۔ غرض اسی قبیل سے بہت سے فقرے مذاقیہ
اور بہت سے جملے مزاحیہ لکھ جاتے۔ مگر کیا مجال کہ کہیں مرتبہ سے کم کوئی بات اون
پر آئے یا متانت کے خلاف کوئی جملہ نکلے۔

اگرچہ خطوں سے بھی معلوم ہوتا ہے اور تذکرے بھی اس بات پر متفق ہیں
کہ نواب صاحب مبتلا سے صلاح لیتے تھے مگر مرزا کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ
مرزا کی ملاقات کے بعد یہ اپنا کلام بغرض صلاح مرزا کے پاس بھیجتے تھے اور
مرزا انکسار کی راہ سے عذر کرتے تھے مگر ایک آدھ جگہ صلاح بھی دیدیتے تھے۔ چنانچہ
ایک جگہ لکھتے ہیں" قصیدہ کو بارہا پڑھا اور غور کی جس طور پر ہے اُس میں گنجائش
صلاح کی نہ پائی یعنی لفظ کی جگہ لفظ بالمرادف لانا صرف اپنی دستگاہ کا اظہار ہے
ورنہ کوئی لفظ بے محل اور بے موقع نہیں۔ کوئی ترکیب فارسی ٹکسال باہر نہیں۔ مگر
اس طرز گفتار کا بدلنا۔ اسکے واسطے چاہیئے دوسرا قصیدہ اس زمین میں ایک
اور لکھنا اور وہ تکلف بارد ہے بلکہ شاید حضرت کو یہ منظور بھی نہو۔ بس شرمندگی
سے دلریش اور فرط خجالت سے سر درپیش ہو کر قصیدہ کو اس لفافہ میں بھیجتا ہوں
خدا کرے مورد عتاب نہوں"۔ ایک جگہ تہذیب کیساتھ صلاح بھی دیتے ہیں۔

"کیا میں سخن ناشناس ہوں یا نا انصاف ہوں کہ ایسے کلام کے حک و صلاح پر جرأت کروں۔ چہ حاجت مشاطہ روی زیبا را۔ ہاں ایک جگہ آپ تحریر میں ہو کر گئے ہیں ؎ اے مطرب جادو فن بازم رہ ہوشم زن۔ دو میم آپڑے ہیں ایک میم محض بیکار ہے۔ دیگری جگہ آپ بازم لکھ گئے ہیں ؎

اے مطرب جادو فن دیگر رہ ہوشم زن

مگر باوجود اس کے بھی مرزا انکا پایہ سخن گوئی و سخن فہمی نہایت عالی جانتے ہیں اور انکو شعر گوئی کی ترغیب دیتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں" کہ ہائے کیا غزل لکھی ہے قبلہ آپ فارسی کیوں نہیں کہا کرتے کیا پاکیزہ زبان ہے اور کیا طرز بیان ہے" یا" میں جو اپنا کلام آپکے پاس بھیجتا ہوں گویا آپ اپنے پر احسان کرتا ہوں"۔ نواب صاحب کے اعتقاد کا بھی یہ عالم ہے کہ روزانہ مسائل علمی پوچھتے رہتے ہیں کبھی کوئی علمی بحث کبھی ادبی کبھی نجوم کبھی لغت اور مرزا بے تکلفانہ بتاتے ہیں۔ نواب صاحب مالی امداد بھی کرتے ہیں مرزا اُسکو خوشی سے قبول کر لیتے ہیں۔ یہی بے تکلفانہ اور دوستانہ مراسم عمر بھر جاری رہے۔ نمونہ کلام ؎

پر کالہ ایک میرے دل پاک باز کا	سرمایہ دکاں ہے ہر آئینہ ساز کا
ٹھوکریں کھاتا ہے میرا کاسۂ سر خاک میں	بعد سر گشتہ کے بھی اک در د سر پیدا ہوا
بعد مردن بھی نہ دیکھا اوج میری خاک نے	ربط ہوتے ہی ہوا سے ابر تر پیدا ہوا
کریں اُمید وفا خاک اہل محفل سے	صراحی مے کی جو رونے لگی اٹھنے ہنسا
آرزو دل کی نہ لے شوق شہادت نکلی	سخت جانی سے مری خنجر قاتل ٹوٹا
کیوں فریب زندگی پر کھائے آفت میں شفق	مجکو آنا تھا سمجھ کر عالم اسباب میں

گو دے لیتے ہیں تعلیم مجھے ہرزہ گردی میں — کہ آندھی میں ہوئی ہائے جنوں کی خاک اُڑتی ہیں

یاد ہے چشمۂ خنجر کی روانی مجھ کو — کہ دیا نزع میں کس لطف سے پانی مجھکو

ہم سبک روح چلے جانب گلزار عدم — سیر ہستی کی مبارک ہو گرانجانوں کو

شیفتہ نواب مصطفیٰ خاں رئیس جہانگیر آباد

محمد مصطفیٰ خاں نام تھا عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خاں بہادر مظفر جنگ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ کے والد ماجد نے لارڈ لیک کے ساتھ رہ کر بڑے بڑے کام انجام دیئے۔ جسکے صلے میں ہوڈل پلول کا علاقہ جاگیر میں ملا۔ جہانگیر آباد کا علاقہ خود انھیں کا خرید کردہ تھا جو ابتک اون کے اخلاف کے قبضہ میں چلا آتا ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء کو بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ سن شعور کو پہونچکر تعلیم و تربیت کیطرف توجہ کی۔ آپ کی تعلیم کے لیے رسم زمانہ کے موافق وہ بہتر سے بہتر سامان فراہم کیے گئے جو ایک مقتدر رئیس کے لیے کیے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد نور اور مولوی کرم اللہ مرحوم سے جو نہایت مشہور محدث تھے۔ آپ نے عربی تعلیم پائی اور فقہ حدیث منطق و دیگر کتب درسیہ سے فراغت حاصل کی جب حج کو تشریف لے گئے شیخ محمد عابد سندھی مشہور محدث سے حدیث کی سند حاصل کی۔ آپ کا قیام زیادہ تر اپنے علاقہ جہانگیر آباد میں رہتا تھا

مگر دہلی میں بھی برابر تشریف لاتے۔ اور یہاں کے باکمالوں کے مجمع میں شریک ہوتے رہتے تھے۔ اور بسبب علم و فضل کے اپنے امثال و اقران میں نہایت ممتاز شمار کیے جاتے تھے۔ ہنگامۂ غدر کے بعد آپ پر بھی بغاوت کے الزامات قائم ہوئے اور سات برس کی سزا کا حکم ہوا۔ مگر آخر بے قصور ثابت ہوئے اور بالکل بری کر دیے گئے۔ پھر آخر عمر تک نہایت آزادانہ زندگی بسر کرکے ۱۲۸۶ھ میں انتقال کیا۔

شعر و شاعری کا ابتدائے عمر ہی سے ذوق تھا جیسا کہ خود اپنے تذکرہ گلشن بیخار میں لکھتے ہیں۔ "فقیر از آوان صبا باین شغل منوط بودہ و اکثرے عمر گرامی ازہماں داد" فارسی و اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور فارسی میں حسرتی۔ اردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے۔ اردو کلام پر حکیم مومن خان سے اور فارسی میں مرزا غالب سے اصلاح لیتے تھے۔ جوانی تک یہ شغلہ نہایت زور و شور پر تھا۔ اور برابر دلی کے باکمالوں کے مجمع میں شریک ہوتے غزل سرائی کرتے اور داد سخن لیتے تھے خود بھی مجلس مشاعرہ کا انعقاد کرتے تھے مگر جب سے کہ حج کیا۔ اور شاہ محمد اسحاق صاحب سے بیعت کی اُسوقت سے شغل بہت کم ہو گیا تھا۔ مذہبیات کیطرف زیادہ توجہ تھی۔ مگر پھر بھی تفنن طبع یا احباب کے اصرار سے کچھ نہ کچھ فرماتے رہتے تھے البتہ جب حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی سے تجدید بیعت کی اور حلقۂ مشائخ میں داخل ہوئے تھے اُسوقت ذوق شاعری رسمی کی برابر رہ گیا تھا۔ اور تصوف اور مذہبیت کی طرف پوری توجہ تھی۔

مرزا غالب سے آپکے تعلقات اوّل اوّل صرف بحیثیت دوست کے تھے۔ مگر آخر

میں جب آپ حکیم مومن خاں کے بعد اردو فارسی کلام میں مرزا سے مشورت کرنے لگے تو ارتباط و خلوص اور بھی بڑھ گیا تھا مرزا کی نظم و نثر کے ایک زبردست قدرداں تھے چنانچہ مرزا کا ایک خط پہونچا تو اُسکے جواب میں لکھتے ہیں" ؎

اے از نفسِ خامۂ مشکیں رقمِ تو نسریں کدہ در جیب و بغل بادِ صبا را

بورود والا نامۂ والا آمود با نثرِ نثرہ نثار و اشعارِ شعری شعار اندازہ اعتبارِ خویش برگرفتم و حدِ مرتبہ نظم و نثر دانستم۔ آں سینہ را بیک آئین نور انباشت و ایں دل را بیک سحر فروغ شیدا آگین ساخت آں بیجود شوق مزود و ایں مستی دانش افزود۔ برآں سرم کہ پارۂ از وصفِ ہمایوں نظم و خجستہ نثر رقم کنم۔ کہ عرصۂ سخن فراخ۔ و طبع من چالاک۔ ولے ترسم کہ کیشِ اغراق گوید و دیگرے کیش غلو خواندا کہ اگر مہر را مہر و ماہ را ماہ گفتہ شود چہ غلو و کدام اغراق تواند بود۔ گل را رنگینی و بوئے ہست و دل را اثرے و ذوقے اگر آنچہ دراں است برلب آید چہ اشگفت نماید بالجملہ از طرزِ شاعرانہ میگذرم کہ چنیں نیرنگی احتمال ہا با اوست۔ سخن سادہ و بیرنگ میگذارم۔"

اسی رقعہ میں آگے چلکر مرزا کا عرفی اور طالب سے مقابلہ کرتے ہیں اور عرفی کی غزل پر کوئی غزل یا قصیدہ پر قصیدہ دیکھکر فرماتے ہیں۔

" طرفہ اوج و جلوے در بارگاہ مبدا فیاض نصیب بخت۔ بلند حضرت است کہ نہ ہیں کیرہ کہ صدرہ دیدہ ام۔ تشریفات دیگر و تشریف دیگران دیگر۔ عرفی و طالب را دریں زمین نطقے است و ہم شما را نطقے ایں دیگر است و

آں دیگر۔ سیرابی معنی در سخن عرفی مسلم است ولے لفظ شگفتہ کو۔ شادابی الفاظ در گفتار طالب بجا است اما معانی تازہ کجا۔ ہمانا چنین نغز گوئی و نادرہ سنجی در بخشش صاحب افتادہ است بس خوش گفتہ است ؎

کم افتد چنین نکتہ پرداز کم ... کہ ناگہ زند لفظ و معنے بہم"

ایک جگہ مرزا صاحب کے دیکھنے کے آرزومند ہیں اور طلب جواب کے لیے یوں فقرے لکھتے ہیں" طبع حریص است کہ نخستے گلہ از درد دوری سر دہد و دلے خالی کند۔ اما بے نسبت است۔ چہ آنجا کہ مجرد رقم سنجی درہم وامید دارد ایں مایہ جرأت را نیرواز کجا خیزد ؎

حسرتی تو نامہ آرائی و من پاسخ طلب ... زدہ بر بال کبوتر نبد مکتوب مرا"

مرزا صاحب کو بھی شیفتہ کی قابلیت کا اعتراف ہے اور انکو دل سے عزیز رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں ؎

غالب ز حسرتی چہ سرایم کہ در غزل ... چوں او تلاش معنی و مضموں نکردہ کس

آں ہمائے تیز پروازم کہ بال ... در ہوائے مصطفیٰ خاں میزنم

غالب بفن گفتگو نازد و بدیں ارزش کہ او
ننوشت در دیواں غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نکرد

اسی طرح اور بھی مختلف مقامات اس قسم کے شعر پائے جاتے ہیں۔ مرزا کی محبت کا یہ عالم ہے کہ جب یہ سنتے ہیں کہ نواب مصطفیٰ خاں ماخوذ ہو گئے۔ حسرت کرتے ہیں افسوس کھاتے اور کہتے ہیں کہ ہائے وہ ناز پروردہ قید سخت کیونکر برداشت کرے گا۔ جب رہائی کی خبر سنتے اور معلوم کرتے ہیں کہ میرٹھ میں آ گئے ہیں اور وہ ہیں

ایک مکان لیکر مقیم ہیں تو فوراً ڈاک میں سوار ہو کر میرٹھ بعجلت جاتے ہیں اور جب تک اپنی آنکھوں سے شیفتہ کو دیکھ نہیں لیتے صبر نہیں آتا دوستوں سے بار بار انکا ذکر کرتے ہیں چنانچہ اُردوے معلیٰ کے بہت سے رقعوں سے اسکا پتہ چلتا ہے شیفتہ کی تعزیتیں ادا کرتے ہیں کہ برابر اپنی غزلیں انکو بھیجتے رہتے ہیں۔ نواب صاحب تذکرہ گلشن بیخار کی تقریظ کے لیے لکھتے ہیں تو مرزا صاحب کہتے ہیں" کہ ابھی فرصت نہیں لیکن لکھونگا اور جلد لکھونگا" پھر کہتے ہیں" کہ تذکرہ کے اجزا واپس کرتا ہوں اور ڈرتے ڈرتے ایک بات کہتا ہوں اپنے گزرے ہوئے دوست کا حق دوستی ادا کرتا ہوں۔ مرزا احمد بیگ خاں ابن ہادی بیگ خاں برادر نواب احمد بخش خاں کا حال رہ گیا انکا تپاں تخلص تھا کلکتہ کے رہنے والے تھے۔ چار برس ہوئے کہ انتقال کر گئے اُنھوں نے آپکے تذکرے کے لیے کلام بھی دیا تھا۔ مگر نواب میر محمد خاں سرور کی غفلت سے کلام ضائع ہو گیا۔ اب اگر کچھ مل سکے تو اُن کے لڑکے احمد خاں سے منگا لیجیے۔ انھیں ضرور درج کر دیجئیے مجھپر احسان ہوگا"۔ ایک جگہ نواب کے بھیجے ہوئے آموں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کہیں اُن کے دوسرے عطیوں پر مدحت سرا ہوتے ہیں کہیں غزلیں منگاتے ہیں کبھی خود جہانگیر آباد ملنے جاتے ہیں غرضکہ ہر طرح سے دوستی اور اتحاد کے ادائے حقوق میں مصروف رہتے اور آخر عمر تک اس وضع کو نباہتے ہیں۔

شیفتہ نہایت متشرع پابند صوم وصلوٰۃ صالح بزرگ تھے تصانیف اور علمی اشغال میں اپنا وقت صرف کرتے رہتے تھے ایک دیوان اُردو۔ ایک

دیوان فارسی۔ ایک تذکرہ موسوم گلشن بیخار۔ ایک سفرنامہ حج جسکا عربی نام "ترغیب السالک الی احسن المسالک" اور فارسی نام رہ آورد ہے۔ آپکے یادگار ہیں

اُردو و فارسی دونوں زبانوں کی شاعری میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ فارسی کی نسبت مولانا حالی کی راے ہے کہ مرزا کے بعد اُن کے معاصرین میں سے کسی کی غزل اُنسے لگّا نہیں کھاتی تنقید میں انکا وہ درجہ ہے کہ اُن کے داد نہ دینے سے شاعر کی نظر میں خود اپنا شعر بے وقعت ہو جاتا تھا

دونوں زبانوں کا نمونہ کلام یہ ہے ؎ کلام اُردو

شکل مانند پری اور یہ افسون وفا — آدمی کا نہیں مقدور رجھانا دل کا
شیفتہ ضبط کر ایسی بھی کیا بیتابی — جو کوئی ہو نہیں احوال سنانا دل کا
شیشۂ نازشکوہ کو بالائے طاق رکھ — کیا اعتبار زندگی مستعار کا
اے مرگ آ کہ میری بھی رہجائے آبرو — رکھا ہے اُسنے سوگ عدو کی وفات کا
کون کہتا ہے کہ ظلمت میں کم آتا ہے نظر — جو نہ دیکھا تھا سو ہم نے شب ہجراں دیکھا
یار کو محروم تماشا کیا — مرگ مفاجات نے یہ کیا کیا
سب باتیں انھیں کی ہیں یہ سچ بولیو قاصد — کچھ اپنی طرف سے تو تصرف نہیں کرتا
مجھے عاشق جو دیکھا پیر کنعاں نے جوانی میں — کہا کچھ تو بسر کی ہوتی تم نے شادمانی میں
شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ — اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی
شیفتہ وہ کہ جسنے ساری عمر (ق) — دینداری و پارسائی کی
اب وہ یوں بت پرست ہو جائے — شان ہے تیری کبریائی کی
خجل ہوں آپ میں بے وقت اپنے آنے سے — تم اور کرتے ہو ہنس ہنس کے شرمسار مجھے

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی
میں کیا بتاؤں رات مجھے کیسکے گھر ملے

پڑے صبر آرام کی جاں پر
مری جان بے صبر و بیتاب کا

کلام فارسی

در عشق و نوجوانی از دین و دل گزشتیم
از ما سلام گوئید پیرانِ پارسا را

خندہ چہ خوش شیوہ ایست از پس قہر و عتاب
لذت دیگر بود زخم نمک سود را

ایں لالہ کہ رست از گلِ ما
داغے است کہ بود بر دلِ ما

کار ہمت نہ باندازۂ طاقت باشد
مرغ بسمل شدہ ہم سر پرواز ہست

ز شور حشر در انجمن سخن میرفت
بہ عشوہ گفت کہ یک فتنہ از خرام من است

جانم بلب رسیدہ و چشم براہ تست
دارم ز عمر رفتہ اُمید وفا ہنوز

یا فلک آدم نداند غیر را
یا حدیث مردم آزاری غلط

گر پارۂ نازنیں تو رنجد میا میا
از دور بر جنازۂ مومن نماز کن

خوش آمدم کز ہجوم شکوہ تلخے زیر لب گویا
تو بر خیزی ز ناز و حسرتی در دامن آویزد

اینہا کہ می کنی تو بمن من کنم بہ او
گر دلمے کہ با تو مرا آشنا کرد

با سادگانِ خویش فامی تواں نمود
دل بر اُمید وعدۂ فردا نہادہ اند

بیا و طاعتِ مقبول را بعیش مبار
خلل بہ کار دعاہائے مستجاب انداز

صاحب عالم مارہروی

حضرت سید صاحب عالم قصبۂ مارہرہ ضلع ایٹہ کے ایک نہایت فاضل متبحر اور کامل درویش تھے۔ آپ کے جد امجد حضرت شاہ برکت اللہ المتوفی سنہ ۱۱۴۲ھ ایک نہایت زبردست صوفی صافی اور مرتاض تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد اُمرائے وقت نے اُن کے مزار پر ایک گنبد نما تعمیر بنوائی جو اسوقت تک درگاہ برکاتیہ کے نام سے موسوم ہے۔ شاہ صاحب موصوف کے دو صاحبزادے تھے جنھوں نے اُن کے انتقال کے بعد جُدا جُدا دو سجادے قائم کیے اور اُسی وقت سے دو خانقاہیں قائم ہوئیں اور جسقدر جاگیریں شاہانِ وقت سے ملی تھیں وہ اِن دونوں خاندانوں پر تقسیم ہو گئیں اور آدھی آدھی ہر ایک کے حصے میں آئیں۔ اِن خانقاہوں میں ایک کا نام سرکار کلاں اور دوسری کا نام سرکار خورد تھا۔ حضرت صاحب عالم سرکار خورد کے سجادہ نشین تھے۔ آپ کا سنہ ولادت سنہ ۱۲۱۱ھ ہے۔ ایکمرتبہ مرزا غالب نے سنہ ولادت دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ میرا سنہ ولادت تاریخ کے لفظ سے نکلتا ہے مرزا کے پاس جب یہ خط پہونچا تو انھوں نے اپنی خداداد ظرافت کی بموجب یہ شعر لکھ کر بھیجا ؎

ہاتفِ غیب نے کہا یوں چپکا — اونکی تاریخ میرا تاریخا

اس لفظ تاریخا سے مرزا کا سال ولادت سنہ ۱۲۱۲ھ نکلتا ہے۔

صاحب عالم ایک نہایت زبردست فاضل اور متبحر عالم تھے
عربی و فارسی کے بے مثل جاننے والے۔ اور علاوہ علوم تصوف و اشغال درویشی
کے شعر و شاعری کے بھی دلدادہ تھے۔ چار دیوان شاعری عاشقانہ اور ایک
دیوان نعتیہ۔ مختلف مثنویاں اور نظمیں ان سے یادگار ہیں جو ہنوز طبع نہیں
ہوئیں اسپر بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا پورا کلام محفوظ نہیں ہے ممکن ہے کہ اور
کچھ ہو جو دستبرد زمانہ سے غارت اور برباد ہو چکا ہو۔

آپ کی ابتدائی تعلیم فرخ آباد میں ہوئی اسکے بعد مدت العمر مارہرہ میں
قیام رہا مرزا غالب آپ سے سن میں ایک برس چھوٹے تھے مگر تعلقات
برادرانہ اور دوستانہ تھے۔ آپ کا بھی یہ عالم تھا کہ مرزا سے ملاقات
کے متمنی رہتے تھے اور ہمیشہ چشم براہ تشریف آوری تھے۔ اور مرزا کا
بھی یہ رنگ تھا کہ ایک ایک لفظ سے عقیدت اور خلوص محبت کا اظہار ہوتا
ہے ہمسنی کا تقاضہ ہے کہ ادب کے ساتھ ظرافت کو بھی نظر انداز نہیں کرتے
اور اپنی ستم ظریفی کے زور میں فقرے پر فقرے ظرافت کے لکھتے چلے جاتے
ہیں۔ چودھری عبدالغفور سرور کو خط لکھنے بیٹھتے ہیں تو صاحب عالم کا
دھیان لگا ہے پورے پورے خطوں میں روئے سخن صاحب عالم کیطرف
ہے۔ اگر کچھ دنوں مراسلت میں دیر ہوتی ہے تو بے چین ہو جاتے ہیں۔ انکو
لکھتے ہیں چودھری عبدالغفور سرور کو لکھتے ہیں اور جواب منگا کر مطمئن ہوتے ہیں

صاحب عالم کا خط گھسیٹ اور کسیقدر بسیط تھا اور کہیں آداب کو نظر انداز
فرما دیتے تھے کبھی قلم پر قط نہیں۔ کبھی دوات خراب۔ کبھی سیاہی پھیکی کاغذ ایسا

کہ حرف لکھا اور ادھر سے اُدھر پھوٹ نکلا۔ مرزا ایک تو خوش خط۔ دوسرے نازک مزاج ان بھلا یہ تاب کہاں کہ گھنٹوں بیٹھ کر پڑھیں غور کریں حرف نکالیں۔ دبی زبان سے صاحب عالم سے اقرار کرالیا کہ خط کا مضمون بتائیں تو وہ مگر لکھیں چودھری صاحب۔ کچھ دن کے بعد شاید یہ دستور العمل ترک ہو گیا صاحب عالم نے پھر اپنے ہاتھ سے خط لکھ کر بھیجا۔ مرزا جزبز ہوئے اور چودھری صاحب کو یہ لکھا کہ "آگے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ جو کچھ لکھیں وہ بقلم چودھری صاحب لکھا جائے حضرت نے نہ مانا اور پھر عبارت بدستخط خاص لکھی۔ واللہ باللہ نہ مجھ سے اور نہ کسی سے پڑھی گئی۔ ناچار آپ کا خط پھر آپ کو بھیجتا ہوں حضرت سے کچھ نہ فرمائیے گا۔ مگر اس عبارت کو اپنے ہاتھ سے نقل کر کے بھجوائیے گا ضرور اور جلد۔" ایک اور جگہ لکھتے ہیں "یہ خط ناچار از روئے اضطرار واپس بھیجتا ہوں واسطے خدا کے میرے پیر و مرشد کے ارشادات کو ایک اور کاغذ پر اپنے ہاتھ سے نقل کر کے بھیجد یجئے۔ تاکہ مجھ بدنصیب کو معلوم ہو کہ حضرت نے کیا لکھا ہے۔" مگر باوجود اسکے آداب و پاس دوستی و بزرگی اسقدر ملحوظ ہے کہ ہمیشہ تاکید رہتی ہے کہ کہیں صاحب عالم کو خبر نہو جائے عقیدت کا یہ عالم کہ عالم تصور میں تحریر کو تقریر بنا کر چودھری عبد الغفور سے کہہ رہے ہیں "جناب چودھری صاحب آؤ ہم تم حضرت صاحب عالم کے پاس چلیں اور آنکھیں اون کے کف پائے مبارک سے ملیں میں سلام کروں گا تم معرف ہونا کہ غالب یہی ہے۔ اہل دہلی میں آپکی دید کا طالب یہی ہے۔ میں نے عزم قدمبوسی کیا حضرت نے مجھے گلے لگایا۔"

چونکہ فیما بین ملاقات صوری نہوئی تھی۔ لہذا ایک خط میں شاہ عالم (خلف جناب صاحب عالم) کو لکھتے ہیں۔ "یارب جبتک صاحب عالم کو مارہرہ میں اور انورالدولہ کو کالپی میں نہ دیکھ لوں میری روح کو قبض کا حکم نہو۔" ایک مرتبہ صاحب عالم کو مرزا کے مارہرے آنے کے ارادے کی اطلاع ملی بے چین ہوگئے اور لکھا کہ روز روانگی سے مطلع فرمائیے۔ مرزا نے جواب میں لکھ بھیجا۔ "حضرت کو کس راہ سے میرے آنے کا انتظار ہے۔ میں نے مرشد زادے کے خط میں کب اپنا عزم لکھا۔ یا کس نے آپ سے میری زبانی کہا کہ آپ روز روانگی کے تقرر سے اطلاع چاہتے ہیں۔ ہاں آپ کی قدم بوسی کی تمنا اور انورالدولہ کے دیدار کی آرزو حد سے زیادہ ہے اور ایسا جانتا ہوں کہ یہ آرزو گور میں لیجاؤنگا۔" اور اتفاق سے یہی ہوا۔ آخر تک ملاقات ظاہری نہوسکی دونوں جانب سے اشتیاق رہ گیا۔

صاحب عالم نے ۱۲۸۹ھ میں بمقام مارہرہ ۲ / ماہ محرم الحرام انتقال کیا اور گنبد درگاہ میں حضرت شاہ برکت اللہ کے پہلوئے چپ میں مدفون ہوئے۔ آپکے اخلاف میں جناب احسن مارہروی ہیں جو ملک مشہور شاعر و ادیب ہیں اور انہیں سے اکثر یہ حالات معلوم ہوئے

عزیز مرزا یوسف علیخاں

یوسف علی خاں عزیز بنارس کے رہنے والے تھے مگر بسلسلہ ملازمت

دہلی میں قیام تھا اور اسکول میں پڑھاتے تھے۔ مرزا کے شاگردوں اور عقیدتمندوں میں تھے۔ خود نقاد کامل تھے چنانچہ انیس و دبیر کے مرثیوں میں بہت سی غلطیاں انھوں نے نکالی ہیں۔ ان کے نام کا ایک خط پایا جاتا ہے جس میں اُنھوں نے مرزا سے اون کا کلام مانگا ہے اور مرزا نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ میرا کلام میرے پاس نہیں ہے تلف ہو گیا۔ اگر میرے کلام کا اشتیاق ہے تو مطبع مفید خلائق سے دستنبو منگا کر دیکھ لو۔ اگرچہ عزیز کا کلام زیادہ دستیاب نہیں ہو سکا۔ مگر انھیں دو تین شعروں سے جو مل سکے انکی جودت طبع کا پتہ چلتا ہے۔

بدطالعی سے نیک نہو گا مآل کار — بگڑی میں کوئی کام بنایا نجائے گا
ناصح کی ناتوانی میں ہم سنکے کیا کریں — سر اُن کے آستاں سے اٹھایا نجائیگا
ہم یہ کہ اپنی موت کو تم بن طلب کریں — تم وہ کہ ہم کو تم سے بلایا نہ جائے گا

علائی۔ نواب علاء الدین احمد خاں جاگیردار لوہارو

نواب علاء الدین احمد خاں نواب امین الدین احمد خاں کے صاحبزادے تھے جو اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد ریاست لوہارو کے مسندنشین ہوئے۔ عربی فارسی کے ماہر اور شعر و شاعری کے دلدادہ تھے اونکو ۱۸۶۱ء میں جب شعر و شاعری کا ذوق دامنگیر ہوا تو مرزا نے نسیمی تخلص تجویز

کیا۔ اُنھوں نے اوّل اوّل تو کچھ نہ کہا مگر پھر مرزا کو لکھ بھیجا کہ نسیمی کی تصحیف شیمی سے ہو سکتی ہے لہذا اسے بدلیے۔ مرزا نے لکھا کہ تمہارا تخلص تو بہت اچھا ہے شیمی کو بے تکلف اوسکا مصحف کیوں ٹھیراؤ۔ یہ میدان تو بہت فراخ ہے۔ خدا کی خے کو جیم فارسی سے بدلو۔ نبی کو بتقدیم موحدہ علی النون لکھو۔ یہ وسواس دل سے دور کرو۔ رہرو ایک اچھا تخلص ہے رہڑو اسکی تجنیس موجود ہے شیون ایک اچھا تخلص ہے۔ ستون اسکی تصحیف ہے۔ تمہارے واسطے بمناسبت اسم عالی تخلص خوب تھا مگر اس تخلص کا ایک شاعر بہت بڑا نامی گزر چکا ہے۔ ہاں نامی۔ سامی یہ دو تخلص بھی اچھے ہیں۔ مولانا فائق کی پیروی کرو مولانا لائق کہلاؤ۔ اگر کہو کہ اس ترکیب سے لفظ نالائق پیدا ہوتا ہے۔ مولانا شائق بنجاؤ۔ ہنسی کی باتیں ہو چکیں اب حقیقت واجبی سنو نسیمی تخلص خماسی بروزن ظہوری و نظیری اچھا ہے اگر بدلنا ہی منظور ہے تو نامی۔ سامی۔ رہرو۔ شیون یہ چار تخلص رباعی بروزن عرفی و غالب اچھے ہیں ان میں سے ایک تخلص قرار دو میرے نزدیک سب سے بہتر۔ تمہارے واسطے خاص فخری تخلص بہتر ہے۔ کہو گے کہ آزاد پور کے باغ میں ایک درخت فجری ہے۔ حاصل کلام دو دن کی فکر میں جو تخلص میرے خیال میں آئے وہ آج لکھ بھیجتا ہوں بھائی موید تخلص نیا ہے اگر پسند آئے تو یہ رکھو۔" مگر مرزا کے کہنے سننے سے اجتناب مان گئے۔ چنانچہ مرزا نے اکثر خطوط میں نسیمی ہی تخلص سے القاب میں خطاب کیا ہے۔ پھر ایک قطعہ تاریخ میں جو خود مرزا نے اُن کے نام سے اُن کے بچے کے مرنے کے غم میں لکھا ہے نسیمی تخلص کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔" میاں اسکو سب جانتے ہیں کہ میں مادۂ تاریخ نکالنے میں عاجز ہوں لوگوں کے مادے دیے ہوئے نظم کر دیتا

ہوں۔ اور جو مادہ اپنی طبیعت سے پیدا کرتا ہوں وہ بیشتر لچر ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنے بھائی کی تاریخ کا مادہ "دریغ دیوانہ نکالا"۔ پھر اس میں آپ کے عدد گھٹائے تمام دوپہر اسی میں رہا۔ یہ نہ سمجھنا کہ مادہ ڈھونڈھا۔ تمہارے نکالے ہوئے دو لفظوں کو تاکا کیا کہ کسی طرح سات اس پر بڑھا دوں۔ بارے ایک قطعہ درست ہوا۔ مگر تمہاری زبان سے یعنے گویا تم نے کہا ہے۔ پانچ شعر میں تین شعر زائد دو موضح مدعا لیکن میں نہیں جانتا کہ تعمیہ اچھا ہے یا برا ہے ہاں اغلاق تو البتہ ہے تامل سے سمجھ میں آتا ہے اور شاید لوح مزار پر کھدوانے کے قابل نہ ہو۔ قطعہ

در گریہ اگر دعویٰ ہمچشمی ما کرد	بینی کہ شود ابر بہاری خجل از ما
ناچار بگرییم شب و روز کہ این سیل	باشد کہ برد کالبد از آب و گل از ما
گفتی کہ نگہدار دل از کشمکش غم	خود گرد برآورد غم جان گسل از ما
یحییٰ شد و از شعلۂ سوز غم ہجرش	چون شمع دود دود و بستر متصل از ما
غم دیدہ نسیمی پے تاریخ وفاتش	بنوشت کہ در داغ پسر خستہ دل از ما

ما کے عدد اکتالیس دل کے عدد چونتیس ما میں سے دل گیا گویا اکتالیس میں سے چونتیس گئے باقی رہے سات ۵۵ داغ پسر پر بڑھائے ۴ ۱۲۷۴ ہاتھ آگئے" مگر یہ تخلص نسیمی اسی زمانہ میں علائی کیا تھا بدل دیا گیا تھا چنانچہ ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۵ء یعنی ۸ برس بعد کی ایک غزل میں جو مرزا نے علائی کی فرمائش سے لکھی ہے یہ مقطع لکھا ہے ؎

مجھ سے غالب یہ علائی نے غزل لکھوائی	ایک بیداد گر رنج فزا اور سہی

علائی اگرچہ رشتہ کے بھتیجے اور مرزا سے چھوٹے تھے مگر مرزا نے اس

خردی کے مراتب میں ان کے ساتھ دوستانہ وبے تکلفانہ روش کی اس طرح آمیزش کردی تھی کہ خطوں کے دیکھنے والے کو بمشکل یہ تمیز ہوتی ہے کہ کاتب مکتوب الیہ کا دوست ہے یا کوئی بزرگ ہے اُستاد ہے یا کوئی عزیز۔ مرزا کو غالباً اس خاندان میں سب سے زیادہ علائی کے ساتھ تعلق تھا وہ اُن سے اتنے بے تکلف تھے کہ اس خاندان کے دوسرے لوگوں کیساتھ وہ عالم نہیں ہے۔ کہیں اُنکو بلند اقبال لکھتے ہیں کہیں میری جان۔ کہیں مولانا علائی۔ کہیں مرزا نسیمی۔ کہیں یار بھتیجے۔ کہیں صرف میاں۔ کہیں صرف صاحب۔ جب کوئی تنبیہ منظور ہوتی ہے تو بے تکلف مگر اس طرح کہ اُن کے مراتب ملحوظ رہیں۔ ڈانٹ دیتے ہیں جب دھمکا دیتے ہیں تو اس طرح کہ اپنی بزرگی کا بھی لحاظ رہے۔ ایک جگہ ارشاد کرتے ہیں "نعمتان اور مرزا اگرچہ تمہارا خانہ زاد موروثی ہے۔ لیکن آجتک تمہاری خدمت میں حاضر نہوا تھا۔ اب کیوں آیا۔ اگر آیا تو ہرگز اُسکو ٹھہرنے نہ دو۔ ہانک دو خبردار اسکو اپنے پاس بیٹھنے نہ دینا۔ علاء الدین خاں کی اپنے والد نواب امین الدین احمد خاں سے کچھ صفائی نہ تھی مگر ۱۸۶۵ء میں قلوب میں کچھ صفائی پیدا ہوئی اور محبت و ارتباط قائم ہو۔ مرزا کو خبر ہوئی تو انھوں نے شوخی سے حافظ کے مصرعوں پر ایک ایک مصرع لگا کر علائی کو بھیجا ؎

شکر ایزد کہ ترا با پدرت صلح فتاد حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند
قدسیاں بہر دعائے تو و والا پدرت قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

لڑکے کے پیدا ہونے کی مبارکباد یوں دیتے ہیں کہ "خدا اس نئے مہمان کا قدم مبارک کرے"۔ ایک جگہ فرماتے ہیں "مولانا نسیمی کیوں خفا ہوتے ہو ہمیشہ

اسلاف و اخلاف ہوتے چلے آئے ہیں اگر نیّر خلیفہ اوّل ہے۔ تم خلیفہ ثانی ہو۔ اوس کو عمر میں تم پر تقدم زمانی ہے۔ جانشین دونوں ہو مگر ایک اوّل ایک ثانی ہے" اسی طرح جا بجا وہ وہ لطیفے وہ وہ گلفشانیاں ہیں کہ کاغذ باغ و بہار نظر آتا ہے اور پڑھنے والے کا دل پھول کی طرح کھلا جاتا ہے۔

علائی نظم و نثر دونوں میں مرزا سے صلاح لیتے تھے اور مرزا برابر خوشی کیساتھ اس محنت شاقہ کو برداشت کرتے تھے آخر عمر یعنی مرنے سے کچھ دن پہلے ایک سند لکھ کر علائی کو دی تھی اوس میں لکھتے ہیں "میں نے دبستان فارسی کا تم کو جانشین قرار دے کر ایک سجل لکھ دیا ہے۔ اب جو چار کم اسّی برس کی عمر ہوئی اور جانا کہ میری زندگی برسوں کیا مہینوں کی نرہی شاید بارہ مہینے جسکو ایک برس کہتے ہیں اور جیوں ورنہ دو چار مہینے۔ پانچ سات ہفتے۔ دس بیس دن کی بات رہ گئی ہے۔ اپنے ثبات حواس میں اپنے دستخط سے یہ توقیع تم کو لکھے دیتا ہوں کہ فن اردو میں نظماً و نثراً تم میرے جانشین ہو۔ چاہیے کہ میرے جاننے والے جیسا مجھکو جانتے تھے ویسا تم کو جانیں اور جیسا مجھ کو مانتے تھے تم کو مانیں۔ کلّ شئی ہالک ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔ یکشنبہ سلخ صفر ۱۲۸۵ھ ہجری ۲۱ رجون ۱۸۶۸ء مقام دہلی"

علائی مرزا کی شاعری کے ایسے دلدادہ تھے کہ تقریباً ہر خط میں غزل منگاتے تھے۔ مرزا کا آخری وقت تھا ضعف بڑھا ہوا۔ جگر کاوی کی طاقت نہیں پھر بھی کبھی کبھی غزلیں بھیجتے رہتے تھے اور جب غزل جب آتی تو خفا ہوتے۔ ایک دفعہ یوں لکھا " تمہارا باپ بدگمان ہے یعنے مجھ کو زندہ سمجھتا ہے۔ میرا سلام کہو اور

یہ شعر میرا پڑھ کر سناؤ ؎

گمان زیست بود بر منت ز بیدردی — بدست مرگ دلے بدتر از گمان تو نیست

مجھے کافور و کفن کی فکر پڑی ہے۔ وہ ستمگر شعر و سخن کا طالب ہے، زندہ ہوتا تو وہیں کیوں نہ چلا آتا۔ مجھ پر سے یہ تکلیف اُٹھوالو اور تم اس زمین میں چند شعر کہکر بھیجدو میں اصلاح دے کر بھیجونگا عصائے پیر بجائے پیر" کہیں لکھتے ہیں "اشعار تازہ مانگتے ہو کہاں سے لاؤں عاشقانہ اشعار سے مجھکو وہ بُعد ہے جو ایمان سے کفر کو"۔ ایک جگہ لکھتے ہیں" تم نے اشعار جدید مانگے خاطر تمہاری عزیز۔ ایک مطلع اور صرف دو مصرع آگے کے کہے ہوئے یاد آگئے کہ وہ داخل دیوان بھی نہیں اور پھر فکر کرکے ایک مطلع اور پانچ شعر سات بیت کی ایک غزل تمکو بھیجتا ہوں۔ بھائی کیا کہوں کہ کس مصیبت سے یہ چھ بیتیں ہاتھ آئی ہیں اور وہ بھی بلند پایہ نہیں" چونکہ مرزا کی تحریر کے موافق بجز ایک مطلع ایک شعر اور ایک مقطع کے دیوان میں بقیہ شعر نہیں ہیں لہذا وہ سب یہاں لکھے جاتے ہیں

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے — غلام ساقی کوثر ہوں مجھکو غم کیا ہے

رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے — تمہاری طرز روش جانتے ہیں ہم کیا ہے

کٹے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کہلاوے — کوئی بتاؤ کہ وہ زلف خم بخم کیا ہے

لکھا کرے کوئی احکام طالع مسعود — کسے خبر ہے کہ واں جنبش قلم کیا ہے

نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا — خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے

وہ داد و دید گرانمایہ شرط ہے ہمدم — وگرنہ مہر سلیمان و جام جم کیا ہے

سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی — یقیں ہے ہمکو بھی لیکن اب اسمیں دم کیا ہے

افسوس کہ علائی مرحوم کا کلام نہیں ملسکا کہ بطریق نمونہ درج کیا جاتا

نواب میر غلام بابا خاں

نواب میر غلام بابا خاں عرف چھوٹے صاحب سورت کے رئیس تھے اور گورنمنٹ کیجانب سے خطاب یافتہ تھے نہایت ہی خلیق بذلہ سنج اور سخن فہم بھی تھے۔ خود شاعر نہ تھے مگر شاعروں کے بڑے قدرداں تھے۔ پہلے مرزا سے صرف برائے نام آشنا تھے مگر جب میاں دادخاں سیاح اپنے وطن سے آئے اور نواب صاحب کے زمرۂ مصاحبین میں داخل ہوئے تو ان سے مرزا کے اوصاف حمیدہ سنے اور غائبانہ انکے حسن کلام کے دلدادہ ہوگئے آخر اگست یا اوایل ستمبر ۱۸۶۳ء مطابق ۲۱ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ میں پہلا خط مرزا صاحب کو لکھا۔ اسی خط میں نواب میر جعفر علی خاں کے مرگ بے ہنگام کی خبر لکھی گئی تھی نواب میر جعفر علیخاں میر غلام بابا خاں کے عزیز تھے اور سورت کے اعیان اور نامور رؤسا میں انکا شمار تھا جو ۱۲۸۰ھ میں بعمر ۴۶ سال فوت ہوگئے تھے۔ مرزا نے یہ خط دیکھا اور جواب میں لکھا کہ افسوس ہے آپ کو پہلا ہی خط تعزیت نامہ کے طریق پر لکھنا پڑا۔ اسی خط میں اون کی تاریخ وفات لکھ کر بھیجی جو درج ذیل ہے

گردید نہاں مہر جہانتاب دریغ — شد تیرہ جہاں بچشم احباب دریغ

این واقعہ را زروے زاری غالب — تاریخ رقم کرد کہ نواب دریغ

روے زاری زا سے ہونگے اعداد بڑھائے جائیں تو ۱۲۸۰ نکلتے ہیں۔

اسکے بعد سلسلہ مراسلت جاری رہا اور نواب صاحب کا حسن عقیدہ مرزا کیساتھ برابر

ترقی کرتا رہا۔ ہمیشہ مالی امداد مرزا کو پہونچاتے۔ اور طرح طرح سے اعانتیں کرتے رہے مرزا کی ملاقات کے اتنے متمنّی تھے کہ بار بار خطوط میں مرزا کو سورت بلاتے تھے مگر وہ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے عذر کرتے اور نہ پہونچ سکتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ جب اسی طرح کا خط آیا تو مرزا نے جواب میں لکھا "اگر بوڑھا اور اپاہج نہوتا تو ریل کی سواری میں مقرر آپ تک پہنچتا۔ اور آپ کے دیدار سے مسرت اندوز ہوتا۔" ایسے ہی ایک مرتبہ ماہ رجب المرجب ۱۲۸۳ھ میں نواب صاحب کے لڑکوں یا اور کسی عزیز کی شادی تھی۔ اس میں مرزا کو بھی سورت بلایا گیا۔ مگر انھوں نے وہی عذر کر دیا اور لکھا "یہ سواری ریل کے روانہ ہونے کی لہر دل میں آئی۔ پاؤں سے اپاہج۔ کانوں سے بہرا۔ ضعف بصارت ضعف دماغ ضعف دل ضعف معدہ ان سب ضعفوں پر ضعف طالع۔ کیونکر قصد سفر کروں۔ تین چار شبانہ روز کس طرح قفس میں بسر کروں ایک گھنٹہ میں دو بار پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔" اسی طرح سے بار بار عذر کر دیتے۔ مگر برابر نواب صاحب کے مداح اور ثنا گر رہتے تھے۔ اور انکو اپنا محسن جانتے تھے ہر جشن۔ ہر تقریب شادی غمی کی تاریخیں لکھکر بھیجتے اور نواب بھی عقیدت کے جوش میں برابر اونکی خدمت کرتے رہتے تھے ایک مرتبہ نواب صاحب کے یہاں صاحبزادہ پیدا ہوا مرزا نے تاریخی نام سید ہاشم علیخاں تجویز کر کے لکھا۔ جس سے ۱۲۸۳ ہجری نکلتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ "کیوں حضرت صاحبزادے کا اسم تاریخی پسند آگیا یا نہیں نام تاریخی اور پھر سید بھی اور خاں بھی عجب ہے اگر پسند نہ آئے" ۱۸۶۶ء میں نواب صاحب کی صاحبزادی کی بسم اللہ کی تقریب

میں یہ تاریخ لکھ کر بھیجی۔

خجستہ جشن دبستان نشینی بیگم　　بہ فیض ہمت نواب و یُمن اقبالش
چو از پے ادب آموزی است خوش باشد　　اگر خجستہ بہار ادب بود سالش

اسی سال نواب صاحب کسی بڑے مقدمے میں عدالت عالیہ سے کامیاب ہوئے مرزا کو خبر ہوئی تو فوراً یہ قطعہ تہنیت روانہ کیا ؎

فتح سید غلام باباخاں　　خود نشان دوام اقبال است
ہم ازیں رو بود کہ غالبؔ گفت　　کہ ظفر نامۂ ابد سال است
۱۲۸۳

نواب صاحب نے اپنا فوٹو مرزا کو بھیجا تو مرزا نے سیاح کے توسط سے جواباً یہ لکھا کہ "حال تصویر کا یہ کہ میں نے اُسے سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا۔ گویا چھوٹے صاحب کو دیکھا لیکن اسکا سبب نہ معلوم ہوا کہ نواب صاحب نے ہم سے بات نہ کی۔ خیر دیدار تو میسر ہوا گفتار بھی اگر خدا چاہیگا تو سن لینگے"۔

ایک مرتبہ نواب صاحب نے ایک گھڑی تحفۃً مرزا کی خدمت میں بھیجی۔ مرزا نے سیف الحق سیاحؔ کو لکھا "حضرت نے ایک گھڑی عنایت فرمائی بھلا یہ میرے کس کام کی۔ چار دن سونچا کیا کہ پھیر دوں پھر سونچا کہ بُرا مانیں گے آخر کو گھڑی رکھ لی"۔ ۱۲۸۲ھ میں نواب صاحب کے یہاں ایک فرزند تولد ہوا تو مرزا نے تاریخ لکھ کر بھیجی ؎

میر بابا یافت فرزندے کہ ماہِ چاردہ　　بر فراز لوح گردوں گردۂ تمثال اوست
فرخی بینی و یابی بہرہ از ناز و طرب　　از سر ناز و طرب فرزند فرخ فال اوست
۱۲۸۲

ایک مرتبہ نواب صاحب نے سو روپیہ بھیجے تو مرزا نے سیاحؔ کو لکھا "چھوٹے صاحب

نے بڑی جوانمردی اور ہمّت کی اِس صرف میں میرا کام ہوا اونکا نام ہوا۔ اللہ اللہ اب بھی ہندوستان میں ایسے لوگ ہیں کہ نہ میں نے اون کو دیکھا اور نہ اُنھوں نے مجھے دیکھا۔ نہ میرا کوئی حق اُن پر ثابت۔ نہ اون کو کوئی خدمت مجھے لینی منظور۔ خیر فقیر ہوں جبتک جیوں گا دعا دونگا۔"

مرزا کے خطوط نواب صاحب کے نام ۱۸۶۶ء تک کے ملتے ہیں اور ۱۵ ار فروری ۱۸۶۹ء کو مرزا کا انتقال ہوا اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ جو مراسم پہلے دن سے شروع ہوئے وہ آخر وقت تک اُسی طرح قائم رہے

غلام نجف خاں (حکیم)

عضد الدولہ حکیم غلام نجف خاں حافظ محمد مسیح الدین خاں کے بیٹے شیخوپور کے رہنے والے تھے شیخو پور مضافات بدایاں میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ حکیم صاحب موصوف اصل میں شیخ فاروقی ہیں۔ مگر دربار شاہی سے خانی کے خطاب سے سرفراز ہوئے اسیوجہ سے نام کے ساتھ یہ خطاب بھی شامل ہو گیا۔

اِن کے جد ششم شیخ فرید المخاطب بہ محتشم خاں عہد جہانگیری و شاہجہانی میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز اور منصب پنجہزاری ذات اور پانچ ہزار سوار سے سرفراز تھے۔ چنانچہ جہانگیر نے اِن کی استدعا پر انھیں چار ہزار بیگہ آراضی

موضع مولیا ہیں سے آبادی و سکونت کے واسطے دی تھی جس میں انھوں نے ایک قلعہ کی نبیاد ڈالی تھی اور اُسکا نام جہان گیر کے نام پر شیخو پور رکھا تھا کیونکہ جہانگیر کا نام زمانۂ شاہزادگی میں شیخو بابا تھا اور اکبر ہمیشہ جہانگیر کو اسی نام سے پکارا کرتا تھا۔ اسی طرح شیخ فرید کے والد نواب قطب الدین خاں جو حضرت سلیم چشتی فتحپوری کے عزیزوں میں تھے۔ عہد اکبری میں صوبہ داری صوبہ بہار اور جہانگیر کے عہد میں منصب پنجہزاری ذات و سوار و خلعت خاصہ و شمشیر و اسپ خاصہ با زین مرصع اور عنایات شاہانہ سے سرفراز ہوکر دار الملک بنگالہ اور اڈیسہ کی صوبہ داری پر جو پچاس ہزار سوار کی جگہ تھی مامور ہوئے

حکیم غلام نجف خاں اپنے خالو میر سید علی صاحب کے ساتھ جو کمپنی کیطرف سے تحصیلدار تھے اور پھر نواب گورنر جنرل بہادر کے میر منشی ہوئے پانچ برس کی عمر میں دلی میں وارد ہوئے اور جب سن تمیز کو پہونچے تو یہیں کی سکونت اختیار کی۔ ابتدائے عمر سے علم طب کیطرف طبیعت کو لگاؤ تھا اسلیے بعد تحصیل علوم درسی و ضروری طب کیطرف مائل ہوئے اور حکیم صادق علیخاں ابن حکیم شریف خاں سے کتب درسیہ طب کی تکمیل کی اور حکیم احسن اللہ خاں بہادر کے مطب میں نسخہ نویسی کی مشق بہم پہونچائی۔ چونکہ حکیم احسن اللہ خان سے قرابت تھی لہذا اونھوں نے بھی زیادہ توجہ کی جس کی وجہ سے چند ہی روز میں کامل اور شہر کے مشہور اطبا میں شمار ہونے لگے اور یہانتک اس فن میں نامور ہوئے کہ ظل اللہ سراج الدین بہادر شاہ ظفر کے دربار سے عضد الدولہ اور خاں بہادری کا خطاب پایا۔ بسلسلہ

انتزاع سلطنت سرکار کمپنی بہادر کیطرف سے شہر کے مریضوں کے علاج کیواسطے مامور اور متعین ہوئے نہایت ذہین۔ ذکی اور حاذق اطبا میں سے تھے۔

حکیم صاحب مرزا کو اپنا بزرگ مانتے اور باپ کے برابر جانتے تھے اور فن شعر میں اونھیں سے مشورت کرتے تھے۔ چنانچہ ان تعلقات کا مرزا اپنے ایک خط میں ذکر کرتے ہیں " حکیم غلام نجف خاں سنو اگر تم نے مجھے بنایا ہے یعنی اُستاد اور باپ کہتے ہو یہ امر از روئے تمسخر ہے تو خیر اور اگر از روئے اعتقاد ہے تو میری عرض مانو اور ہیرا سنگھ کی تقصیر معاف کرو۔ بھائی انصاف کرو اُسنے اگر حکیم احسن اللہ خاں سے رجوع کی وہ بھی تمہارے بھائی ہیں اور تم کو اُن سے استفادہ بھی ہے اگر وہ گھبرا کر حکیم محمود خاں کے پاس گیا تو اُن کے باپ سے تم کو نسبت تلمذ کی ہے ابتدا میں اُن سے پڑھے ہو پس یہ غریب تمہارے سوائے اگر گیا تو بھی تمہارے ہی علاقے میں گیا وہ بھی گھبرا کر اور خفقان سے تنگ آکر اب جو حاضر ہوتا ہے تو اُسپر بہ نسبت سابق کے توجہ زیادہ فرماؤ اور بدل اوسکا معالجہ کرو۔"

مرزا کو ان سے اتنی محبت تھی کہ جا بجا ان کی جدائی کے شاق ہونیکا ذکر کرتے ہیں اور ہمیشہ ان سے ملنے کے دل سے متمنی رہتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں " اگر مل بیٹھنا قسمت میں ہے تو دیکھ لینگے ورنہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔" ایک جگہ کہتے ہیں کہ " تمہارے یہاں نہ ہونے سے جی گھبراتا ہے کبھی کبھی ناگاہ ظہیر الدین کا آنا یاد آتا ہے۔ کہو اب خیر سے کب آؤ گے۔ کے برس کے مہینے کے دن راہ دکھاؤ گے۔" اس محبت کا یہاں تک اثر تھا کہ مرزا صاحب کی بیوی اُنسے

پردہ نہیں کرتی تھیں اور اپنے بچوں کی طرح ان سے پیش آتی تھیں۔ مرزا باہر سے خط لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جاؤ گھر میں اپنی اُستانی کو یہ خط سنا دو۔ روزانہ فرمائشیں کرتے ہیں کہیں کہتے ہیں کہ چاول عمدہ خرید کر بھیجدو۔ کہیں کہتے ہیں کہ مار اللحم بھنجوا دو۔ چونکہ یہ غدر کے زمانہ میں شیخو پور چلے گئے تھے اسواسطے مرزا سے برابر دلی کا حال پوچھتے رہتے ہیں اور مرزا یہاں کی تباہیوں کا تذکرہ اس دردناک طریقے سے کرتے ہیں کہ جی بھر آتا ہے۔

حکیم صاحب کے بیٹے ظہیر الدین کو مرزا ایسا چاہتے تھے کہ کہیں اُسکو اپنا پیارا پوتا لکھتے ہیں۔ کہیں خط میں اوسکا سلام نہ پہونچنے پر خفا ہوتے ہیں۔ کہیں اُسکا اپنے گھر آنا یاد کرتے ہیں۔ غرض کہ وہ محکم اور استوار تعلقات ہیں جو عزیزوں اور رشتہ داروں میں بھی نہیں ہوتے ایک ایک لفظ سے محبت اور تعلق کی ایک داستان پیش نظر ہو جاتی ہے۔ مرزا تنبیہ کی طور پر چشم نمائی بھی کرتے ہیں اور کہیں اون کی ذہانت کی داد بھی دیتے ہیں اور حکیم صاحب اُن کو اپنا بزرگ سمجھکر آداب ملحوظ رکھتے اور اُن کے خطوط کے مشتاق رہتے ہیں

قدر میر غلام حسنین بلگرامی

میر غلام حسنین آپکا اور میر خلف علی آپکے والد ماجد کا نام تھا۔ حسینی سید۔ قصبہ بلگرام محلہ سلہڑہ کے معزز لوگوں میں تھے ۱۲۴۹ھ میں

بمقام قصبہ مذکور پیدا ہوئے اور ایک مشہور بزرگ سید سلطان علی نے آپ کا
نام تاریخی غلام حسنین رکھا جس کی طرف خود قدر نے اپنی ایک رباعی
میں اشارہ کیا ہے ؎

سو جان سے ہوں قدر اما م حسنین ہر چشم و دل و جگر بمقام حسنین
ہم روز ولادت سے ہوئے نام آور تاریخی نام ہے غلام حسنین

آپ شیعہ مذہب رکھتے تھے اور سلسلۂ نسب حضرت زید شہید سے ملتا ہے
سن شعور پر پہونچنے کے بعد آپ کی تعلیم شروع ہوئی اور ابتدائی کتب پڑھنے
کے بعد آپ نے بلگرام ہی میں فارسی شروع کی اور اس سے فراغت
کر کے عہد واجد علیشاہ میں لکھنؤ آئے۔ شعر و شاعری کا شوق پہلے ہی سے
تھا۔ یہاں امان علی سحر سے اصلاح لینا شروع کی اور انھیں کے حلقۂ تلامذہ
میں شریک ہو گئے۔ اسی زمانہ میں مرزا محمد رضا برق سے عروض و قافیہ
پڑھا۔ اس کے بعد غازی الدین حیدر کی بیگم مخاطب بہ سرفراز محل کی
سرکار میں منشی ہوئے اور اسی زمانہ میں برق کو بھی کلام دکھانا شروع کیا۔
۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء میں لکھنؤ سے بلگرام چلے آئے۔

۱۸۵۷ء میں غدر کا ہنگامہ ہوا۔ دلی پر تباہی آئی اسی زمانہ میں
بہت سے لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر جان بچانے کے لیے اطراف و جوانب میں
نکل گئے۔ چنانچہ مرزا غالب کے بھانجے مرزا عباس بیگ اور مرزا قادر بخش
صابر اور نواب غلام حسین شاہجہانپوری المتخلص بہ حسین بھی آوارہ وطن ہوئے
اور بلگرام میں وارد ہوئے۔ یہاں ان کی نہایت خاطر تواضع کی گئی اور ان آوارہ وطن

اور پریشاں حال مسافروں کو حتی الوسع آرام پہونچایا گیا۔ قدر کی اسی زمانہ میں ان سے ملاقات ہوئی اور مرزا غالب کے اوصاف حمیدہ انہیں لوگوں سے سُنے۔

غدر کا ہنگامہ فرو ہونے کے بعد آپ پنجاب چلے گئے اور فوج میں میر منشی ہو گئے۔ مگر کچھ جی نہ لگنے اور کچھ آب ہوا کی ناموافقت کی وجہ سے دلّی چلے آئے اور مرزا کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے مسودات اور کلام کو اصلاح کے لیے پیش کیا اور کچھ دن وہاں رہ کر لکھنؤ آ گئے یہاں شیخ امداد علی بحر سے نظم پر اصلاح لینا شروع کی۔ مگر اسی دوران میں مرزا سے بھی برابر استفادہ کرتے رہے۔ چنانچہ خود کہتے ہیں ؎

سیکھے ہیں بحر و برق بیانی سے ہند | پھر غالب بحر نے بتائے پیوند
مجھ سا بھی زمانے میں ہوا ہو گا قدر | بر نام کنندہ نکو نامے چند

غدر کے بعد ہی صوبہ اودھ کی ضلع بندی ہوئی اور بلگرام ضلع ہردوئی میں شمار کیا گیا۔ یہی زمانہ جابجا اسکولی مدارس قائم ہونیکا تھا۔ اتفاق سے مرزا عباس بیگ جو مرزا صاحب کے بھانجے تھے اُس زمانے میں ضلع ہردوئی میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے ہوئے ان ہی کی تحریک سے قدر فارسی پڑھانے کے لیے اسکول میں مقرر ہوئے مگر چونکہ شاعری کا شوق زوروں پر تھا اور اس زمانے میں بھی وہی شغل جاری تھے اسواسطے اکثر طلبار کو شاعری کا شوق پیدا ہوا اور تعلیم میں ہرج واقع ہوا۔ اسی وجہ سے افسر بالا نے رپورٹ کردی اور آپ استعفیٰ دے کر لکھنؤ چلے گئے۔

علم ریاضی کی تحصیل کے بعد رفیق الدولہ دبیر الانشا منشی محمد ظہیر الدین خاں بہادر ظہیر کی جگہ کیننگ کالج لکھنؤ میں اورنٹیل ڈپارٹمنٹ میں مدرس فارسی مقرر ہوئے اور سنہ ۱۸۸۳ء تک یہاں رہے۔ یہیں پنڈت جٹا شنکر پانڈے سے عروض ہندی یعنی پنگل بھی پڑھا۔

سنہ ۱۸۸۴ء میں نواب آغا مرزا بیگ نبیرۂ غالب مرحوم کی تحریک پر بنارس گئے۔ حضور نظام سابق یہاں تشریف فرما تھے اور مسند نشینی کا زمانہ قریب تھا۔ چنانچہ قدر نے بھی ایک قصیدہ تہنیت کہا جسکے صلہ میں چار سو روپیہ ماہوار مقرر ہوا اور آپ کو حیدرآباد میں رہنے کا حکم ہوا۔

قدر مرحوم اکثر بیمار رہتے تھے اور قدیم سے نحیف الجثہ واقع ہوئے تھے[1]۔ آخر حیدرآباد سے بلگرام چلے آئے اور یہاں سنہ ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۴ ستمبر سنہ ۱۸۸۴ء روز یکشنبہ انتقال کیا۔ اور میر خدا بخش کی کربلا میں دفن ہوئے۔ جناب محمد لکھنوی نے تاریخ وفات کہی ہے ع۔ دو ہزار و سہ صد و یک قدر از دنیا بشد۔ نیز قدر کے اس مصرع سے بھی بعض لوگوں نے تاریخ نکالی

---

[1] وضع قطع یہ تھی کہ دُبلے پتلے پستہ قد آدمی تھے۔ سر پر پٹے رکھتے تھے جو گردن کے پاس سے گوشے ہوئے تھے اور جن کو کبھی کبھی ہاتھ سے عادتاً بل دیتے رہتے تھے۔ لباس میں وضعداری کا شوق تھا۔ کپڑے نہایت صاف اور نفیس پہنتے تھے اور صفائی کا بہت خیال رکھتے تھے۔

راقم الحروف جب [illegible] میں کیننگ کالج میں پڑھنے کے لیے داخل ہوا تو میرے محترم بزرگ مرزا خدا داد بیگ برادر زادۂ ڈپٹی عباس بیگ مذکور مجھکو اپنے ساتھ لیگئے تھے۔ ان سے اور قدر مرحوم سے تعلقات قدیمانہ تھے۔ انہیں دو آدمیوں کی وساطت سے میرا نام کالج میں لکھا گیا تھا۔

ع یہاں بیڑی بڑھانے کو ہر اک دیوانہ آتا ہے۔

مرزا ان پر بہت مہربان تھے تحریر کے ذریعہ سے ہمیشہ رموز و اسرار نظم و نثر سے آگاہ کرتے رہتے تھے اور نہایت مہر و محبت کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان کی بیکاری کے زمانے میں منشی نول کشور صاحب کے مطبع میں انکو رکھادیا۔ اور قدر مرحوم نے کچھ روز وہاں مصحح کی خدمات بھی انجام دیں۔

مرزا کو اگر کوئی بات بتانی ہوتی تو نہایت مہذب اور متین طریقے سے ان کو آگاہ کردیتے تھے اور یہ بھی سعادت سمجھ کر اس کو بسر و چشم قبول کرلیتے ایک مرتبہ مرزا عباس بیگ کے لڑکوں کا ذکر خط میں آیا قدر نے دانستہ یا سہواً انہیں مرزا کا نواسہ لکھدیا جب یہ خط مرزا کو ملا تو جواباً لکھا "صاحب تم سے پہلے یہ پوچھا جاتا ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ مرزا عباس میری حقیقی بہن کا بیٹا ہے تو پھر میں مرزا کی اولاد کا نانا کیونکر بنا۔ مرزا کی بی بی میری بہو ہے بیٹی نہیں ہے۔ تم نے جو لکھا ہے کہ میرے نواسے کی شادی ہے کیا سمجھ کر لکھا۔ میں مرزا کی اولاد کا نانا کیونکر بنا بھانجے کی اولاد پوتا پوتی ہے نہ نواسا نواسی" مگر بایں ہمہ مرزا ان کو اپنا معین اور قوت بازو جانتے تھے چنانچہ قاطع برہان کے جواب میں جب محرق قاطع لکھی گئی تو مرزا نے قدر سے جواب کی خواہش کی ۔ لکھتے ہیں "تم میرے یار ہو اور میری خدمتگزاری کے حقوق ہیں تم پر۔ مجھ کو مدد دو اور اپنی قوت علمی صرف کرو محرق قاطع برہان میرے پاس موجود ہے مجھ سے منگوا لیں ہر موقع پر خطا اور ذلت مولف کا

اشارہ کرونگا۔ تم ہر فقرے کو بغور دیکھو اور بے ربطی الفاظ اور لغویت معانی کو
میزان نظر میں تو لو۔ عامی نہیں ہو عالم ہو۔ آخر مولوی نجف علی صاحب نے
بھی تو اپنی قوت عاقلہ سے اعانت غیر محرق کے جامع کی دھجیاں اڑائی ہیں
تمہارے پاس دو نسخے ایک دافع ہذیان۔ ایک سوالات عبدالکریم معہ
استفتا و افتا دستخطی علما سے دہلی موجود ہیں اور اب اس کتاب کے ساتھ
میرے اشارات سودمند پہونچینگے۔ تم کو معارضہ بہت آسان ہوگا۔ مدعی
کا کلام در اصل لغو۔ پھر تمہارے پاس سرمایہ علمی موجود۔ اور یہ تین نسخے معقول۔
اسپر مزید علیہ اُسپر محرق اور صاحب محرق کا خاک اُڑ جائیگا۔ میرے
اس خط کے پہونچتے ہی جواب لکھئے اور اجازت دیجئے کہ میں نسخہ نامطبوعہ
محرق بسبیل ڈاک بھیجدوں مگر جسدن سے کہ کتاب پہونچ جائے آپ اوسی
دن سے اردو زبان میں رسالہ لکھنا شروع کیجئے اور بعد اختتام مجھے اطلاع
دیجئے پھر میں جیسا لکھوں ویسا عمل میں لائیے"

اسیطرح بہت سے نکات علمی میں باہم مراسلت رہی اور یہ سلسلہ مرزا
کے آخر عمر تک قائم رہا۔

قدر کی تصانیف میں ذیل کی کتابیں مشہور ہیں۔ مثنوی قضا و قدر۔
واسوخت۔ عطر مجموعہ۔ رسم عرفی فی قصائد عرفی۔ نظم الارکان فی تقطیع ابیات
گلستان۔ قواعد العروض معہ ضمیمہ۔ مصطلحات اُردو نا تمام۔ کلیلہ دمنہ نظم۔
دیوان غزلیات و قصائد۔

چند شعر نموتاً درج کیے جاتے ہیں جن سے ان کی اُفتاد طبیعت

کا اندازہ ہوتا ہے ؎

عید کو میخانہ میں ہم رند پہونچے لب سطح
جسطح پر سبز ٹوٹے مردم بیمار کا

کہاں تک کہوں بیوفا یاد رکھنا
سبق ہو گیا روز کا یاد رکھنا

نہ آگے بڑہینگے قدم تیرے قاصد
یہی ہے وہاں کا پتا یاد رکھنا

کہا یاد رکھنا تو بولے بگڑ کر
چلو جاؤ آئے بڑا یاد رکھنا

اچھا ہوا اور آئینہ دیکھیے
لے گھر میں ترا جواب نکلا

ہو سلامت جو سنگ در انکا
سیکڑوں دل مجھسے درد سر والے

لیچلی دل نگاہ دزدیدہ
دو ڑے قدر دیکھتا کیا ہی

اون کا پورا کلام دیکھنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ کلام میں لکھنو کا رنگ زیادہ اور دہلی کا رنگ کم ہے۔ تصنع۔ آورد تشبیہات کے دلدادہ ہیں جذبات کم ہیں۔

کامل۔ مرزا باقر علی خاں

مرزا باقر علی خاں مرزا زین العابدین خاں عارف کے بیٹے تھے جنھیں عارف کی جوانا مرگی کے بعد مرزا ہی نے پرورش کیا۔ اور مرزا ہی کے دامن تربیت میں انھوں نے پرورش پائی۔

مرزا زین العابدین خاں عارف نواب غلام حسین خاں متخلص بہ مسرور

کے فرزند رشید نواب شرف الدولہ فیض اللہ بیگ خاں بہادر سہراب جنگ کے پوتے اور مرزا صاحب کی بیوی کے بھانجے یعنی نواب الٰہی بخش خاں معروف کے حقیقی نواسے تھے۔ مرزا صاحب کے زیر تعلیم اور اُنھیں کے دامن تربیت سے وابستہ تھے۔ اوائل جوانی سے شعر گوئی کیطرف میلان تھا اور اپنے نانا کے تخلص معروف کی رعایت سے عارف تخلص اختیار کیا تھا۔ مرزا صاحب سے علاوہ تعلقات قریبی کے صلاح بھی لیتے تھے۔ نہایت خوش گو۔ خوش فکر۔ نیک مزاج۔ جوان صالح تھے۔ نمونہ کلام کے طریق پر چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ؎

سخت شرمارے ہیں اتنا نہ سمجھتا تھا انھیں ۔۔۔ چھیڑتا تھا تو کوئی شکوہ بیجا کرتا

نہ آئے سامنے میرے اگر نہیں آتا ۔۔۔ مجھے تو اُسکے سوا کچھ نظر نہیں آتا

لکھیں وہ ہمیں نامہ سمجھ میں نہیں آتا ۔۔۔ کیا اور ہمارا کوئی ہمنام نہوگا

گر ازل میں مجھکو دیتے مانگنے کا اختیار ۔۔۔ خضر کی عمر اور میخانہ کی خدمت مانگتا

دیوانگی میں غیر کو دو دن خاک گالیاں ۔۔۔ اب مانتا ہے کون بُرا میری بات کا

افسوس کہ عارف نے عین عالم شباب میں ۱۸۵۲ء میں مرزا کے حین حیات ہی میں انتقال کیا۔ مرزا کو ان کے مرنیسے وہ ناقابل برداشت صدمہ ہوا کہ اپنے بہت سے بچوں کے مرنے کا نہوا تھا چنانچہ انھیں کے غم میں ایک غزل میں چند اشعار بطریق مرثیہ لکھے ہیں جو ان کے دیوان میں موجود ہیں ؎

ہاں اے فلک پیر جوان تھا ابھی عارف ۔۔۔ کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

عارف نے دو لڑکے چھوڑے ایک حسین علی خاں دوسرے باقر علیخاں
مرزا کی بیوی نے ان دونوں بچوں کو اپنے بچوں کی طرح پالا اور مرزا نے بھی ہمیشہ انکو
اپنا فرزند حقیقی جانا۔ جیتے جی اونکی ناز برداریاں کرتے رہے اور کبھی یہ
نہ معلوم ہونے دیا کہ باپ مرگیا ہے۔ جہاں جاتے پالکی میں اپنے ساتھ لیجاتے
کبھی اونگلی پکڑ کر ساتھ ساتھ لیے پھرتے دونوں کی تعلیم و تربیت مرزا ہی نے کی۔
اور انھیں سے شعر و شاعری کے رموز سیکھے۔ جوان ہونے پر الور میں ملازم
ہوگئے تھے۔ مگر افسوس کہ مرزا کے انتقال کے بعد دونوں جوان مرگئے۔ نمونہ

کلام مرزا باقر علیخاں کامل ؎

اٹھانے [illegible] ساقی [illegible] | کہ [illegible] شیشہ ہو گیا
یاد آتا ہے کسی کے گال کا | تیرہ سازِ شبِ جدائی ہو

مجروح مہدی

مرزا کے عزیز ترین شاگرد میر مہدی مجروح میر حسین فگار کے بیٹے
اور دلی کے قدیم باشندوں میں سے تھے ہنگامہ غدر میں دلی کو چھوڑ کر پانی پت
چلے گئے تھے مگر وہ شورش اور ہنگامہ فرو ہوتے ہی پھر دلی آ گئے۔
کچھ دنوں تک مہاراجہ الور کے وظیفہ خوار رہے مگر وہاں سے بسبب بعض
وجوہات کے چلے آئے اور آخر عمر میں نواب رامپور کی قدردانی سے

رام پور آ گئے ۔ اور زمرۂ مصاحبین میں داخل ہوئے۔

۱۳۱۶ھ میں اپنا دیوان مظہر معانی ترتیب دیا ۱۹۰۲ء مطابق ۱۳۲۱ھ میں انتقال کیا۔ میر مہدی مجروح مرزا غالب کے اُن عزیز شاگردوں میں تھے جن پر مرزا کو ہمیشہ ناز رہا جنکو اونھوں نے اِن الفاظ کے ساتھ زبانکا سارٹیفکٹ دیا تھا "دلی کے تمام احاطہ کی لوٹ پنجاب احاطہ میں گئی۔ یہ طرز عبارت خاص میری دولت ہے سو ایک ظالم پانی پت انصاریوں کے محلہ کا رہنے والا لوٹ لے گیا مگر میں نے اوسکو بحل کیا۔ اللہ برکت دے"

مجروح کو اوائل عمر ہی سے شعروشاعری کا ذوق تھا اور اول ہی سے اونھوں نے اپنا کلام مرزا کو دکھایا۔ مرزا کو بھی ان کے ساتھ وہ تعلق خاطر تھا کہ چند ہی روز میں اپنی نگاہ توجہ سے کامل بلکہ اکمل بنا دیا۔ اس میں شک نہیں کہ مرزا کا رنگ مجروح کے کلام میں کم ہے۔ مگر زبان کی سلاست اور عذوبت سادگی اور روانی اسدرجہ پر ہے کہ بڑے بڑے اُستادوں کے یہاں نہیں پائی جاتی۔

مرزا صاحب ان پر اپنے فرزندوں کی طرح عنایت کرتے تھے چنانچہ اکثر خطوط میں نورچشم اور برخوردار لکھتے ہیں اور ہمیشہ وہ رعایات ملحوظ رکھتے ہیں جو ایک بزرگ کو خرد کے ساتھ ہونا چاہیے اسی کے ساتھ ساتھ لطیفے اور چٹکلے بھی ہوتے جاتے ہیں۔ دلی کی تباہی کے حالات قلمبند کرتے جاتے ہیں۔ میرن صاحب مجتہد العصر (میر سرفراز حسین) اور میر نصیر الدین پر پھبتے کستے جاتے ہیں۔ ضرورت ہوتی ہے تو کہیں چشم نمائی بھی کرتے ہیں مگر وہ بھی

اُسی انداز خاص سے کہ زہر بھی شکر ہو جائے۔ چنانچہ ایک خط میں مجروح نے کچھ تعلی اور شیخت کی لی تھی۔ لکھنؤ کی زبان کو دلّی سے گھٹایا تھا۔ دلّی کو مرکز زبان بتایا تھا۔ مرزا ان سب باتوں کو لغو اور مہمل سمجھتے تھے۔ اُسکے جواب میں لکھتے ہیں "او میاں سید زادے آزادے۔ دلّی کے عاشق دلدادے۔ ڈھیے ہوئے اُردو بازار کے رہنے والے حسد سے لکھنؤ کو بُرا کہنے والے نہ دل میں مہر و آزرم۔ نہ آنکھ میں حیا و شرم۔ نظام الدین ممنوں کہاں، ذوق کہاں، مومن خاں کہاں، ایک آزردہ سو خاموش دوسرا غالب وہ بیخود و مدہوش۔ نہ سخنوری رہی نہ سخندانی کس برتے پر تتا پانی ہائے دلّی وائے دلی بھاڑ میں جائے دلّی" کہیں اِن کی روش پر اِن کو داد دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میر مہدی جیتے رہو۔ آفریں صد ہزار آفریں اُردو عبارت لکھنے کا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے کہ مجھ کو رشک آنے لگا۔

جب کہیں مذاق کرتے ہیں تو اس طرح جیسے منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ مذاق بھی ہوتا جاتا ہے۔ کیرکٹر بھی ظاہر کرتے چلے جاتے ہیں۔ خود بھی ہنستے ہیں دوسروں کو بھی ہنساتے ہیں۔ "میسر مہدی تم میری عادت کو بھول گئے ماہ مبارک رمضان میں کبھی جامع مسجد کی تراویح ناغہ ہوئی ہے؟ میں اس مہینہ میں رامپور کیونکر رہتا۔ نواب صاحب مانع رہے اور بہت منع کرتے رہے۔ برسات کے آموں کا لالچ دیتے رہے۔ مگر بھائی میں ایسے انداز سے چلا کہ چاند رات کے دن یہاں آپہونچا۔ یکشنبہ کو غرہ ماہ مقدس ہوا۔ اُسی دن صبح کو حامد علیخاں کی مسجد میں جا کر جناب مولوی جعفر علی

صاحب سے قرآن سنتا ہوں شب کو مسجد جامع جا کر تراویح پڑھتا ہوں کبھی جو جی میں آتی ہے تو وقت صوم مہتاب باغ میں جا کر روزہ کھولتا ہوں اور سرد پانی پیتا ہوں واہ واہ کیا اچھی عمر بسر ہوتی ہے۔"

کسی خط میں میر سرفراز حسین، میر نصیر الدین، میرن صاحب، حکیم اشرف علی کو نہیں بھولتے، اور خاص خاص باتیں ہوتی جاتی ہیں خطوط کی عبارت محض عبارت نہیں ہوتی بلکہ اُس سے صاف صاف ایک تصویر نظر آتی ہے جیسے کوئی شخص اپنا سینہ چیر کر بلا کم و کاست ہر چیز کا معائنہ کرا رہا ہے اور کوئی راز کسی قسم کا چھپانا نہیں چاہتا۔ ایک ایک لفظ میں خلوص۔ ایک ایک فقرے میں محبت کی ایک طویل داستان پنہاں ہے۔ دیکھنے والا اندازہ کر سکتا ہے کہ وہ کسی حالت میں میر مہدی کو تفتہ سے اور تفتہ کو اپنے دوست بلکہ اپنے بھائی اپنے رفیق اپنے فرزند سے کم نہیں جانتے۔ ہر خط میں وہی یکسانیت وہی ہمواری۔ کیا مجال کہ بال برابر روش میں کہیں فرق آئے۔ اوّل سے آخر عمر تک ایک ہی رنگ رہا۔ جو آج تک ان خطوط سے جھلک دکھا رہا ہے۔

لالہ بہاری لال مشتاق مالک مطبع اکمل المطابع نے جب اردوئے معلی شائع کی تو میر مہدی سے دیباچہ کی فرمائش کی اور انہوں نے دیباچہ لکھا۔ نمونۂ کلام ؎

طالب سلسلہ ہیں اور آپ کو اسیر زاہد　　سالک تسلیم و رضا کہتے ہیں
غیر ان کو بھلا سمجھے اور مجھ کو برا جانا　　سمجھے بھی تو کیا سمجھے جانا بھی تو کیا جانا
کیا عرض تمنا میں شکوہ نہ ستم کا تھا　　سنئے تو کہا کیا تھا اور آپ نے کیا جانا

کہا جب دل نہ لیجاؤ تو بولے — کہ میرا اور تیرا ہے جدا کیا

تلافی آپ کو کرنی پڑے گی — نہ پوچھو حسرتیں دل میں ہیں کیا کیا

انہوں سے ارتباط نہ غیروں سے اختلاط — یہ عمر آپ نے تمنے گزاری خضر کہاں

ڈرو اسے شیخ رند بے ادب ہے — ذرا چھوڑو یہ سمجھانے کی عادت

غالب آ رہے ہیں لاؤ ہی مجروح — بادۂ ناب میں ملا کے گلاب

ہوا لازم پتنگے کا جلانا — کیا ہے اُسنے اظہار محبت

اتنی بھی بے ادبی جذب زلیخا بس بس — یوسف مصر کو ظالم سر بازار نہ کھینچ

اللہ اللہ نیستی کے مزے — عیش سرمد بھلا دیا ہم کو

وہ نگاہیں پھیریں تو آفت ہے — یہ زمانے کا انقلاب نہیں

پورا ہوا نہ کوئی زمانے سے اپنا کام — نالہ ہوں میں اگر تو لب نارسیدہ ہوں

کیا کیا نہ بعد مرگ کے آسائشیں ملیں — میں قبر میں مسافر منزل رسیدہ ہوں

گرد دیتی ہے کاروان کا پتہ — یادگار گزشتگاں ہوں میں

وہ مخمور آنکھیں ذرا دیکھنا — یہ مستی کہاں بادۂ ناب میں

کوئی میرے دل ہی سے پوچھے اُسے — تپش ہے جو آہ جگر تاب میں

وہی قیمت ہے یکساں ہے، اُسکا ربط نہاں — ہماری ضد سے زمانہ کو انقلاب نہیں

دل کی بے چینیاں گئیں نہ کہیں
اک خلش سی رہی کہیں نہ کہیں

مشتاق منشی بہاری لال

منشی بہاری لال مشتاق خلف منشی بہادن لال دلّی کے رہنے والے مرزا کے شاگرد تھے۔ ایک مطبع موسوم بہ اکمل المطابع کے مالک تھے اور اسی مطبع سے ایک اخبار موسوم بہ اکمل الاخبار نکالتے تھے جس کے وہ ایڈیٹر بھی تھے۔ لیاقت علمی معمولی تھی جیسا کہ مرزا نے ایک خط میں اشارہ کیا ہے۔ "چونکہ تم کو مشاہدۂ اخبار اطراف اور خود اپنے مطبع کے اخبار کی عبارت کا شغل تحریر ہمیشہ رہتا ہے بتقلید اور انشا پردازوں کے تمہاری عبارت میں بھی املا کے غلطیاں ہوتی ہیں میں تم کو جا بجا آگاہ کرتا رہتا ہوں خدا چاہے تو املا کی غلطی کا ملکہ بالکل زائل ہو جائے۔" مرزا کے تعلقات ان کے ماموں منشی مکند لال سے بہت گہرے تھے۔ چنانچہ خط میں لکھکر مشتاق کو سمجھاتے ہیں کہ " برخوردار بہاری لال مجھکو تم سے جو محبت ہے اوسکے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ تمہارے خال فرخ فال منشی مکند لال میرے بڑے پرانے یار ہیں خوش خو شگفتہ رو بذلہ گو۔ دوسرے تمہاری سعادت مندی اور خوبی اور علم اور بقدر حال علم اردو نظم و نثر میں تمہاری طبیعت کی روانی۔ اور تمہارے قلم کی گلفشانی۔"

مشتاق بھی ہمیشہ مرزا کے احکام کے تابع اور اُن کی خدمات

کیا ہے کمربستہ رہتے تھے۔ چنانچہ اُردو کے رقعات جمع کرکے پہلے انھوں ہی
نے اپنے مطبع میں طبع کرائے اور مدت العمر انواع انواع خدمات بجالائے۔ ان کے
مطبع کے کاموں میں حکیم غلام رضا خاں، میر فخرالدین، حکیم غلام نبی خاں بھی
معین اور مددگار رہتے تھے جن کے بارے میں مرزا نے مشتاق کو تاکید لکھی ہے
کہ ان حضرات کا دامن صحبت ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ یہ لوگ غنیمت ہیں اور
ان کے دم سے تمہارے اخبار کو چار چاند لگے ہوئے ہیں۔

اگرچہ مشتاق سے مرزا کے تعلقات کم نہ تھے مگر ہم شہر ہونیکی وجہ سے
خط لکھنے کا اتفاق بہت کم ہوا ہے چنانچہ مجموعہ بھر میں صرف دو خط ان کے
نام ملتے ہیں جن میں ایک اُن کے والد کی تعزیت میں لکھا ہے اور ایک
میں کچھ معاملات کا ذکر ہے۔

مشتاق کو اپنے افکار اور کاروبار ذاتی کیوجہ سے شعر و شاعری
کیطرف توجہ کرنے کی فرصت بہت کم ملتی تھی۔ مگر پھر بھی کبھی کبھی تفنن طبع
کے طور پر کچھ کہتے تھے اور مرزا سے اصلاح لیتے تھے۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

یوں تیرے ساتھ بزم میں دشمن کا بیٹھنا ... وہ اعتراض ہی کہ اُٹھایا نہ جائیگا
ہوگا اثر جو دل میں تو خود جان لینگے وہ ... مشتاق ہم سے عشق جتایا نہ جائیگا

جہاں جاگے وہیں انگڑائیاں لو
یہاں پھیلائی ہے مستی کہاں کی

مہر مرزا حاتم علی بیگ

مرزا حاتم علی بیگ المتخلص بہ مہر آگرہ کے رہنے والے تھے۔ آپکا خاندان صفہانی تھا۔ مگر آپ کے بزرگ کئی پشت سے آگرہ میں رہتے تھے سنہ ۱۲۳۰ھ میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پاکر سن شعور کو پہونچے۔ مرزا فیض علی بیگ آپ کے والد بزرگوار کا نام تھا جو عہد ایسٹ انڈیا کمپنی میں علیگڑھ کول کے تحصیلدار تھے آپ کے دادا مرزا مراد بیگ بعہد نواب شجاع الدولہ لکھنؤ آئے اور رکن الدولہ خطاب پایا اور ایک زمانہ میں رائے بریلی کے ناظم بھی رہے۔

معمولی تعلیم کے بعد ۱۴ برس کی عمر میں مہر کو شاعری کیطرف رجحان ہوا۔ اور اسی زمانہ میں شعر کہنا شروع کیا۔ شعر گوئی کی تحریک کا بڑا سبب یہ ہوا کہ ان کے بھائی مرزا عنایت علی بیگ ماہ خواجہ آتش کے شاگرد تھے انھوں نے اسوجہ سے ناسخ کی شاگردی اختیار کی اور مہر تخلص کہا۔ سنہ ۱۸۴۰ع میں امتحان پاس کرکے چنار گڑھ ضلع مرزا پور میں بعہدہ منصفی مقرر ہوئے جیسا کہ اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں ؎

ازبسکہ سوز ہجر کے خوگر ہوئے ہیں ہم ۔۔۔ منصف چنار گڑھ کے مقرر ہوئے ہیں ہم

ایک عرصہ تک ہائی کورٹ کے وکیل بھی رہے۔

جب ۱۸۵۷ء میں ہنگامہ غدر زور پر تھا۔ افراتفری پڑی تھی۔ ہر شخص گوشۂ عافیت ڈھونڈھ رہا تھا اُسی زمانہ میں مہر نے چند انگریزوں کی جان بچائی اور اپنے گھر میں پناہ دی۔ جسکے صلہ میں ہنگامہ فرو ہونے کے بعد دو گانوں سرکار انگریزی سے اُن کو جاگیر میں دیے گئے۔

مختلف جگہوں میں رہنے کے بعد وہ اپنے وطن مالوف آگرہ میں آ گئے اور یہاں آنریری مجسٹریٹ کے فرائض انجام دیتے رہے ۱۸۷۹ء میں ایٹہ گئے جہاں اون کے بیٹے مرزا سخاوت علی تحصیلدار تھے اور اسی سن میں یہیں انتقال کیا۔ اون کا مذہب امامیہ تھا۔ مگر نہایت بے تعصب اور نیک نہاد تھے ہندو مسلمان ہر ایک سے یکساں برتاؤ تھا۔ مہاراجہ بلونت سنگھ بنارس والے اونکے شاگرد تھے جسکے صلہ میں پچاس روپیہ ماہوار بطریق وظیفہ ملتا تھا۔

مہر کی تصانیف بہت ہیں۔ چنانچہ دیوان اردو موسوم بہ الماس درخشاں (تاریخی نام) یا "خیالات مہر" ۱۲۸۰ھ میں ان کے پوتے مرزا قاسم حسین نے شائع کرایا۔ ایک رسالہ "پیرایۂ عروض" فن عروض میں۔ ایک ابتدائے عہد انگریزی کی مختصر تاریخ موسوم بہ ایاغ فرنگستان۔ ایک مثنوی "داغ نگار" جو ایک دن میں تصنیف کی تھی۔ ایک واسوخت "داغ دل مہر"۔ ایک مثنوی شعاع مہر۔ ایک کتاب شش جہت عشرت۔ ضبط انتقام۔ ہمدم آخرت۔ عقد قیصریہ۔ پنجۂ مہر۔ توقیر شرفا۔ اور کچھ نظمیں ہیں۔ ان میں سے بعض کتابیں مطبوعہ ہیں بعض ہنوز غیر مطبوعہ۔

مہر ایک کہنہ مشق شاعر۔ ناسخ کے رنگ کے پیرو تھے۔ اور اُس رنگ میں بہت خوب کہتے تھے۔ تاریخ گوئی میں خصوصیت سے ید طولیٰ حاصل تھا۔

مرزا کے ہم وطن مگر نادیدہ دوست تھے جیسا کہ مرزا اپنے ایک خط میں اُن کو لکھتے ہیں ”کیا فرض ہے کہ جب تک دید وا دید نہ ہو لے اپنے کو بیگانۂ یکدیگر سمجھیں البستہ ہم تم دوست دیرینہ ہیں“ یہ صحیح معلوم نہیں کہ کس طرف سے خط و کتابت کی ابتدا ہوئی۔ مگر یہ ضرور ہے کہ سلسلہ مراسلت جاری ہوا۔ اور اس طرح سے کہ انداز مکالمت کو شرما دیا۔ صرف ایک دوسرے کو آنکھیں نہ دیکھ سکتی تھیں۔ باقی ساری وہی باتیں تھیں جو ایک دوسرے کے ملنے میں میسر ہو سکتی ہیں۔ ہنسی۔ مذاق۔ لطیفے۔ چٹکلے۔ پھبتیاں غرض کہ تمام وہ باتیں تھیں جو مواجہہ میں ہوا کرتی ہیں۔

ایک روز مہر کی وجاہت ظاہری کا حال اپنے یہاں مرزا غالب بیان کر رہے تھے۔ مرزا یوسف علیخاں عزیز بھی اس جلسے میں موجود تھے اور سب سن رہے تھے۔ مرزا نے اثنائے کلام میں کہا کہ مہر کے دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ خیر اُس وقت تو ذکر ہو کر رہ گیا۔ مدّت کے بعد کہیں عزیز آگرہ گئے۔ مرزا کے یاد کرنے کا ذکر آیا۔ مہر نے خط لکھا اور کہا کیوں صاحب یوں ہمارا حلیہ سر محفل بیان کیا جاتا ہے۔ مرزا نے جواب لکھا تو اس طرح کہ دونوں شخصوں کی تصویریں ایک آئینہ میں کھنچ گئیں۔ صرف خط و خال میں فرق رہا۔ باقی سر مو تفاوت نہیں۔ لکھتے ہیں

"بھائی تمہاری طرحداری کا حال میں نے مغل جان سے سنا تھا جس زمانہ میں وہ نواب حامد علیخاں کی نوکر تھی اور اس میں مجھ میں بے تکلفانہ ربط تھا تو اکثر مغل جان سے پہروں اختلاط ہوا کرتے تھے۔ اُسنے تمہارے شعر اپنی تعریف کے بھی مجھکو دکھائے۔ بہر حال تمہارا حلیہ دیکھکر تمہارے کشیدہ قامت ہونے پر مجھکو رشک نہ آیا کس واسطے کہ میرا قد بھی درازی میں انگشت نما ہے۔ تمہارے گندمی رنگ پر مجھکو رشک نہ آیا کس واسطے کہ جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چنپئی تھا۔ اور دیدہ ور لوگ اسکی ستائش کیا کرتے تھے۔ اب جو کبھی مجھ کو وہ اپنا رنگ یاد آجاتا ہے تو چھاتی پر سانپ پھر جاتا ہے ہاں مجھکو رشک آیا اور میں نے خون جگر کھایا تو اس بات پر کہ داڑھی خوب گھٹی ہوئی ہے وہ مزے یاد آگئے۔ کیا کہوں جی پر کیا گزری بقول شیخ علی حزیں؎

تا دسترسم بود زدم چاک گریباں
شرمندگی از خرقۂ پشمینہ ندارم

جب داڑھی مونچھ میں بال سفید آگئے تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ناچار مسّی بھی چھوڑ دی اور داڑھی بھی مگر یہ یاد رکھیے کہ اس بھونڈے شہر میں ایک وردی ہے عام ملا۔ بساطی نیچہ بند۔ دھوبی سقہ۔ بھٹیارہ۔ جولاہہ کنجڑا منہ پر داڑھی سر پر بال فقیر نے جسدن داڑھی رکھی اوسی دن سر منڈایا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم کیا بک رہا ہوں۔"

مہر کی کوئی محبوبہ معشوقہ مرگئی۔ مرزا کو خبر ہوئی۔ تعزیت کا خط لکھا۔ مگر ایسا کہ پڑھتے ہی دل سے رنج و غم جاتا رہے لکھتے ہیں۔ "سنو جناب مرزا صاحب آپ کا غم افزا نامہ پہونچا میں نے پڑھا۔ یوسف علیخاں عزیز کو پڑھوا دیا۔ اُنھوں نے جو میرے سامنے اِس مرحومہ کا اور آپکا معاملہ بیان کیا۔ یعنی اوسکی اطاعت اور تمہاری اُس سے محبت سخت ملال ہوا اور رنج کمال ہوا۔ سنو صاحب شعرا میں فردوسی اور فقرا میں حسن بصری اور عشاق میں مجنوں۔ یہ تین آدمی تین فن میں سر دفتر ہیں۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہو جائے۔ فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے ٹکر کھائے۔ عاشق کی نمود یہ ہے کہ مجنوں کی ہمطرحی نصیب ہو۔ لیلےٰ اوسکے سامنے مری تھی۔ تمہاری محبوبہ تمہارے سامنے مری۔ بلکہ تم اُس سے بڑھکر ہوئے کہ لیلیٰ اپنے گھر میں اور تمہاری معشوقہ تمہارے گھر میں مری۔ بھئی مغل بچے بھی غضب ہوتے ہیں جسپر مرتے ہیں اوسکو مار رکھتے ہیں میں بھی مغل بچہ ہوں عمر بھر میں نے بھی ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو مار رکھا ہے۔ خدا اُن دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی کہ زخم مرگ دوست کھائے ہوئے ہیں مغفرت کرے"

ایک جگہ اسی بارے میں کہتے ہیں کہ "مصری کی مکھی بنو شہد کی مکھی نہ بنو۔ کسیکے مرنیکا وہ غم کرے جو آپ نہ مرے کیسی اشک فشانی کہاں کی مرثیہ خوانی۔ آزادی کا شکر بجالاؤ غم نہ کھاؤ۔ اگر ایسے ہی اپنی گرفتاری سے خوش ہو تو چنّاں جان نہ سہی مُنّا جان سہی"

دستنبو کی طباعت اور اُسکی تزئین کے اہتمام میں ... مرزا کا

بھی بڑا حصہ تھا اوس کی تاریخ بھی کہی اور مرزا کے کہنے کے بموجب اوسکی جلد بندی بھی کرائی۔ مرزا سے شعر و شاعری میں برابر تبادلہ خیالات ہوتا رہتا تھا مہر مرزا کے پاس اور مرزا مہر کے پاس اپنا کلام بھیجتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ مہر نے کوئی قصیدہ بھیجا۔ مرزا اوسکے جواب میں لکھتے ہیں۔ "ناسخ مرحوم جو تمہارے اُستاد تھے میرے بھی دوست صادق الوداد تھے۔ مگر ایک فن سے تھے صرف غزل کہتے تھے۔ قصیدہ اور مثنوی سے اون کو کچھ علاقہ نہ تھا سبحان اللہ تم نے قصیدہ میں وہ رنگ دکھایا کہ انشا کو رشک آیا"

مہر نے سرو و سنبل کی مناسبت سے نام ید بیضا تلاش کیا جسکی مرزا نے بڑی داد دی۔ ایک مرتبہ مہر کی مثنوی دیکھی تو تحسین کی اور یہ شعر لکھ بھیجا ؎

خدا سے میں بھی چاہوں نہ رہ مہر | فروغ میرزا حاتم علی مہر

یہ اتحاد و محبت آخر وقت تک قائم رہا اور ہمیشہ ہی اختلاط و یگانگت کا برتاؤ جانبین سے ہوا کیا مہر کا کلام بالکل اون کے اُستاد کے رنگ میں ہی پھر بھی کہیں کہیں خوب کہتے اور دلی کا بھی اتباع کرتے تھے نمونہ کلام

چپکے بھی آؤ قیامت بھی ہو چکی حسب | بڑا عذاب ہے رہتی ہے انتظار میں روح

نذر دل مانگتی ہیں آپکی سرشار آنکھیں | عین مستی میں رہا کرتی ہیں ہشیار آنکھیں

کرتا نہ ضد اب تلک تو ہمارا دل ہنا | روکے ہوئے ڈانٹے ہوئے دھمکائے ہوئے ہیں

کیا بات تری اے لب جانبخش ہے کیا بات | عیسیٰ بھی تہ وقت میں دم کھائے ہوئے ہیں

ہو گئی تمام رات بستر پیچ و تاب میں | دل ضعیف کیا ہو زلف شکن در شکن آج

مفتی میر عباس

مفتی میر عباس صاحب اصل میں شوستری تھے۔ مگر عمر کا بیشتر حصہ لکھنؤ میں گزارا اور واجد علی شاہ جنت مکانی تاجدار اودھ کے دربار میں بحیثیت مفتی زمرۂ مقربین خاص میں منسلک تھے۔ علاوہ تمام اہل شہر کے خود بادشاہ وقت بھی آپ کی عزت کرتے تھے۔ اپنے وقت کے مجتہد اور متبحر علما میں سے تھے اور فرقہ امامیہ کے بے بدل عالم مانے جاتے تھے۔ تقریباً ساڑھے تین سو کتابیں مختلف علوم و فنون میں آپ سے یادگار ہیں بہت سے ذی کمال آپ سے شرف تلمذ رکھتے تھے چنانچہ سید حامد حسین صاحب طاب ثراہ بھی آپ ہی کے شاگرد تھے۔ فارسی آپ کی اصلی زبان تھی۔ مگر اسیطرح اُردو و عربی میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ اسیوجہ سے تینوں زبانوں میں آپ کا کلام استادانہ موجود ہے۔ سید تخلص فرماتے تھے۔

مرزا ان کے خاص معتقدین میں تھے اور غالباً اُسوقت انسے ملے تھے جب وہ لکھنؤ آئے تھے۔ اُسکے بعد سے مراسلت کا سلسلہ جاری ہوا۔ اور مرزا اپنا کلام بھی بھیجتے رہے مفتی صاحب نے اُردو کے خط کا اُردو زبان میں اُسی انداز اور اُسی طرز میں مرزا کو جواب لکھا۔ اور مرزا کی روش کی بیحد تعریف کی مرزا نے اپنی کتاب قاطع برہان بھی مفتی صاحب کے پاس بھیجی تھی اُسکے بارہ میں لکھتے ہیں " قبلہ حضرت کا نوازشنامہ

آیا۔ میں نے اوسکو حرز بازو بنایا۔ آپکی تحسین میرے واسطے سرمایۂ عزت و افتخار ہے۔ فقیر اُمیدوار ہے کہ یہ دفتر بے معنی سراسر دیکھا جائے نہ پیش نظر دہرا رہے۔ بلکہ اکثر دیکھا جائے۔ میں نے جو نسخہ وہاں بھجوایا ہے گویا کسوٹی پر سونا چڑھایا ہے۔ نہ ہٹ دھرم ہوں نہ مجھے اپنی بات کی پچ ہے دیباچے اور خاتمہ میں جو کچھ لکھ آیا ہوں سب سچ ہے۔ کلام کی حقیقت کی داد جُدا چاہتا ہوں۔ طرز عبارت کی داد جُدا چاہتا ہوں۔ نگارش لطافت سے خالی نہوگی۔ گذارش لطافت سے خالی نہوگی۔ علم و ہنر سے عاری ہوں۔ لیکن پچپن برس سے محو سخن گزاری ہوں" مفتی صاحب نے ایک قطعہ بھی قاطع برہان کی تعریف میں مرزا کے پاس بھیجا تھا جسکے جواب میں مرزا نے لکھا کہ "قطعہ تاریخ کا کیا کہنا ہے۔ گویا یہ کتاب معشوق اور یہ قطعہ اوسکا گہنا ہے" چونکہ مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی نے آپکی مبسوط سوانح عمری لکھی ہے اسلیے آپکے حالات وغیرہ لکھنا تحصیل حاصل سمجھکر صرف نمونۂ کلام پر اکتفا کیجاتی ہے ؎

شہید عشق ہوا میں تو کیا تعجب ہے — ترا مزار پر آنا البتہ تعجب ہے
گزر ہوا کا بھی ہرگز نہیں ہے اس گلی — پیام وصل کا کسنے کہا تعجب ہے
طپش ہے دل میں اور آہ سرد ہے لب پر — یہ گرمی اور یہ ٹھنڈک ہوا تعجب ہے
فائدہ کیا ریش پر رنگ خضاب آیا تو کیا — اے ضعیفی عارضی ایسا شباب آیا تو کیا

فارسی

من کہ عالی ہمت و والا نژاد افتادہ ام — بر زمیں از دست چرخ کج نہاد افتادہ ام

سی و سہ بیس گشتہ ام از پیری عمر رواں — میر دم چوں ابر تند و چوں جما وفتادہ ام
خستہ حالم خستہ جاں دل نازک و تن ناتواں — دوستاں رحمی کہ در اہل عنا دفتادہ ام
از پریشاں حالی و جائے قرار من مپرس — ہمچو برگ خشک اندر گرد باد فتادہ ام
ہمرہ عمر رواں جسم نزارم دادہ اند — بر ہوائے صرصرے مشت غبارم دادہ اند
آہ گرم و دامنے چوں لالہ زارم دادہ اند — در میان نار و جنت اختیارم دادہ اند

میکش میر احمد حسین

میر احمد حسین میکش ابن میر کرار حسین دلی کے رہنے والے نہایت متین و مہذب جوان صالح تھے۔ گو ان کا سلسلہ نسب سادات عظام بارہہ سے ملتا تھا۔ مگر خاص اونکا گھرانہ مدتوں سے دلی ہی میں آباد تھا اور نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا چنانچہ ان کے بھائی میر امداد علی جو آشوب تخلص کرتے اور میر نظام الدین ممنون سے اصلاح لیتے تھے اپنی لیاقت ذاتی اور وجاہت خاندانی کیوجہ سے اپنے اقران میں بہت معزز و ممتاز اور دربار شاہی سے خطاب خانی سے سرفراز تھے۔ وضعداری کا یہ عالم تھا کہ اسکے لیے لوگوں میں مشہور تھے۔ بلکہ دیکھنے والے کہتے تھے کہ اس قسم کے پابند وضع لوگ دیکھے نہیں گئے۔

امیکش رسم زمانہ کی موافق زیادہ تر فارسی میں شعر کہتے تھے کبھی

اردو کی طرف بھی توجہ کرتے تھے۔ نہایت ذکی اور ذہین تھے۔ طبیعت میں آمد بہت تھی۔ مرزا سے شرف تلمذ حاصل تھا اور دونوں زبانوں کے کلام پر انھیں سے اصلاح لیتے تھے۔ پانی پت میں بھی کچھ سلسلۂ قرابت تھا۔ چنانچہ وہاں کے بعض لوگوں سے بہت ارتباط تھا۔ میر مہدی مجروح کے احباب خاص میں تھے اور وہ بھی اپنے متعدد خطوں میں مرزا سے ان کا حال پوچھتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ غدر کے ہنگامے کے کچھ روز بعد میکش کی نسبت دریافت کیا تو مرزا نے لکھا کہ میکش اچھا ہے دلّی میں لوٹ کی کتابیں خریدتا پھرتا ہے۔ ایک جگہ میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں کہ "میر احمد حسین کا بھتیجا مر گیا ہے حکیم میر اشرف علی کو دعا کہنا۔ اور کہنا کہ اگر تم میں انھیں راہ و رسم تعزیت و تہنیت ہو تو میر احمد حسین کو خط لکھو" اسی طرح سے میر مہدی کے خطوں میں متعدد جگہ اِن کا ذکر کرتے ہیں ایک جگہ۔ اُن کو لکھتے ہیں "مار ڈالا یار تیری جواب طلبی نے اس چرخ کج رفتار کا برا ہو۔ ہم نے اسکا کیا بگاڑا تھا۔ ملک و مال جاہ و جلال کچھ نہیں رکھتے تھے۔ ایک گوشہ و توشہ تھا۔ چند مفلس و بینوا ایک جگہ فراہم ہو کر کچھ ہنس بول لیتے تھے ؎

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک

اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

یاد ہے یہ شعر خواجہ میر درد کا ہے۔ کل سے مجھ کو میکش بہت یاد آتا ہے۔ سو صاحب اب تم ہی بتاؤ کہ میں تم کو کیا لکھوں"

اگرچہ میر احمد حسین کے نام دو ہی رقعے ملتے ہیں مگر خلوص و محبت کا

ایک ایک حرف سے پتہ چلتا ہے ایک خط میں اون کی بیماری کا حال سُنکے اون کو لکھتے ہیں "میاں عجب اتفاق ہے نہ میں تمہارے دیکھنے کو آسکتا ہوں نہ تم میرے دیکھنے کو قدم رنجہ فرما سکتے ہو۔ قدم رنجہ کہاں سے کرو سراپا رنجہ ہو۔ لاحول ولا قوۃ تعطیل کے دن کیا ناخوش گزرے یوسف مرزا سے۔ میر سرفراز حسین سے تمہارا حال سُن لیتا ہوں اور رنج کھاتا ہوں۔ خدا تمہارے حال پر رحم کرے اور تم کو شفا دے۔ خواہش یہ ہے کہ ناتوانی کا عذر نہ کرو اور اپنا حال اپنے ہاتھ سے لکھو"

میکش مرزا کے ہم صحبتوں اور حاضر باشوں میں تھے۔ شعر و شاعری سے خاص تعلق رکھتے تھے۔ مگر افسوس کہ اب نمونہ کلام کے لیے ایک شعر کے سوا کچھ نہیں ملتا ؎

گفتمش دی با کہ میرفتی خراماں سوے باغ
گفت میکش بودہ باشد کاں گرفتارِ من است

نساخ ۔ ابو محمد عبد الغفور

عبد الغفور نام نساخ تخلص ابو محمد کنیت تھی قاضی فقیر محمد مصنف جامع التواریخ وکیل عدالت عالیہ صدر دیوانی کلکتہ کے خلف الرشید زیدی النسب تھے اصل سکونت ضلع فرید پور بنگال کی تھی تعلقات معیشت

کیونکہ ان کے والد کلکتہ میں اقامت گزیں ہو گئے تھے اور خود ضلع
راج شاہی میں ڈپٹی مجسٹریٹ اور ڈپٹی کلکٹر تھے۔ حکام رس، ہر دلعزیز
جوہر قابل مشہور و معروف افراد میں شمار ہوتے اور اپنے امثال و اقران
میں ممتاز و معزز خیال کیے جاتے تھے۔ اردو، فارسی، عربی تینوں زبانوں
میں بہت کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ نظم و نثر کی طرف ابتدائے
عمر سے توجہ تھی جیسا کہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ "ہنوز باغچہ عمر میں نسیم شعور
کی آمد آمد اور فرش سبزہ رشد و فضائے سن و سال میں ممتد بھی نہ تھا
کہ سر میں سودائے گرویان مضامین پیدا ہوا۔ دل غنچہ لبان معانی کا شیدا
ہوا۔ کلام اساتذہ کا شوق رہا۔ غیروں کے کلام کا ذوق رہا۔ تھوڑے دنوں
میں بہت سے دواوین نظر سے گزرے۔ عرصہ قلیل میں تذکرہ ہائے کثیر
دیکھے"۔ نہایت زبردست نقاد اور سخن فہم عروض قافیے سے باخبر تھے
محض شعرا سے ملنے کے لیے دلی اور لکھنؤ کے کئی سفر کیے اور اساتذہ وقت
کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ اسی ولولہ و شوق میں باوجود کثرت اشغال
بارہ برس کی محنت شاقہ کے بعد تذکرہ سخن شعرا تمام کیا جس میں تنقید
کلام اور سخن سنجی کی داد دی گئی ہے اور مزید براں یہ کہ اسی دوران یعنی
سنہ ۱۲۷۶ھ میں قطعات شعرا کا ایک تذکرہ موسوم بہ قطعہ منتخب تحریر
کیا۔ اسی طرح ایک رسالہ موسوم بہ زبان ریختہ سنہ ۱۲۷۵ھ میں لکھا تھا نیز
ایک رسالہ لکھا کہ جس میں انیس مرحوم کے مراثی پر بہت سے شاعرانہ
اعتراضات کیے ہیں مگر افسوس کہ اب نہیں ملتا۔ دیوان دفتر بے مثال

کے نام سے ۱۲۶۱ھ میں شائع کرایا۔ اور اسکے بعد دوسرا دیوان شائع ہوا پہلا دیوان مرزا کے پاس بھی بطور ہدیہ بھیجا گیا تھا۔ جسکے جواب میں مرزا لکھتے ہیں
"دفتر بیمثال کو عطیہ کبریٰ اور موہبت عظمیٰ سمجھ کر یاد آوری کا احسان مانا۔ پہلے اس قدر افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ حضرت نے اس ہیچمیرز کو قابل خطاب اور لائق کتاب جانا۔ میں دروغ گو نہیں۔ خوشامد میری خو نہیں۔ دیوان فیض عنوان اسم بامسمے ہے دفتر بیمثال اسکا نام بجا ہے۔ الفاظ متین۔ معانی بلند۔ مضامین عمدہ۔ بندش دلپسند۔ ہم فقیر لوگ اعلان کلمۃ الحق میں بیباک و گستاخ ہیں۔ شیخ امام بخش طرز جدید کے موجد اور پرانی ناہموار روشوں کے ناسخ تھے۔ آپ اُن سے بڑھکر بصیغہ مبالغہ بے مبالغہ نساخ ہیں۔ تم دانائے رموز اردو زبان ہو۔ سرمایۂ نازش قلمرو ہندوستان ہو۔ خاکسار نے ابتدائے سن تمیز میں اردو زبان میں سخن سرائی کی ہے پھر اوسط عمر میں بادشاہ دہلی کا نوکر ہو کر چند روز اُسی روش پر خامہ فرسائی کی ہے نظم و نثر فارسی کا عاشق و مائل ہوں۔ ہندوستان میں رہتا ہوں مگر تیغ صفہانی کا گھائل ہوں۔ جہاں تک زور چل سکا فارسی زبان میں بہت کچھ بکا۔ اب نہ فارسی کی فکر نہ اردو کا ذکر۔ نہ دنیا میں توقع نہ عقبےٰ کی اُمید۔ میں ہوں اور اندوہ ناکامی جاوید۔ جیسا کہ خود ایک قصیدہ نعت کی تشبیب میں کہتا ہوں ؎

چشم کشودہ اند بکردار ہائے من
ز اندوہ ناامیدم و از رفتہ شرمسار

ایک اردو کا دیوان ہزار بارہ سو بیت کا۔ ایک فارسی کا دیوان دس ہزار کئی سو بیت کا تین رسالہ نثر کے یہ پانچ نسخے مرتب ہو گئے۔ اب اور کیا کہوں گا۔ مدح کا صلہ نہ ملا۔ غزل کی داد نہ پائی۔ ہرزہ گوئی میں ساری عمر گنوائی اب بقول طالب آملی ؎

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی
دہن بر چہرہ زخمے بود و بہ شد (الخ)

یہ رقعہ طویل ہے اس واسطے بقیہ عبارت سے قطع نظر کی۔ اس رقعہ کی نسبت مرزا نے خاص طور پر لکھا تھا کہ اسے میری عبارت نثر میں شامل کر دیا جائے۔ مرزا یہ خط بھیجکر متمنی ہوئے ہیں کہ آئندہ بھی مراسلت کا سلسلہ جاری رہے مگر افسوس کہ مجموعہ خطوط میں ان کے نام مرزا کا اور کوئی دوسرا خط نہیں پایا جاتا۔ بہت ممکن ہے کہ یہ سلسلہ آغاز ہی کیساتھ اختتام کو پہونچ گیا ہو۔ نمونہ کلام ؎

پوچھو نہ حال گرمی حسن شباب کا — ہے وہ پہر کو گرم مزاج آفتاب کا
حاصل ہے اشارہ ونگاہ میں مزا لطف بیانکا — لیتا ہے وہ نوک مژہ سے کام زبانکا
ہر نگاہ مست ساقی میں ہے کیفیت نئی — ایک سی تاثیر میں ہوتی نہیں ہے ہر شراب
اتنے گناہ کرتے ہیں جنکا نہیں شمار — تنگ آگئے ہیں کاتب اعمال دوش پر
پُر زہر آبلے کو مرے دل کے دیکھئے — دیکھا نہ ہو اگر گہر آبدار سبز

مبتلا ہجراں میں ہوکر بڑھ گئے غمہائے دل
حیف دل افسوس دل حسرتا دل ہائے دل

جب تیرے پیچ عشق میں پیرے نساخ کھل گیا کوئی نہیں ہے جان کا دشمن سوائے دل

امید وصل و بیم ہجر میں بس دن گزرتے ہیں
عجب کچھ زیست ہے اپنی نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

بھرتے جو اسباب سے ہیں کاسۂ سوال اس عہد کے بخیل بھی حاتم سے کم نہیں

ہے وصل میں وہ زلف گرہ گیر گلے میں اب طوق گلے میں ہے نہ زنجیر گلے میں

وہ میرے عشق صادق کے اثر سے میر مفتوں ہے
جو مجنوں تھا وہ لیلی ہے جو لیلی تھا وہ مجنوں ہے

یہ اعتماد رہا اون کی بیوفائی پر کہ وہ عدو سے ملے اور ہمیں گماں نہوا

نعش پر بے پردہ آئے اور سب دیکھیں اسے ہائے جینے سے بھی بدتر اپنا مرنا ہو گیا

ہو گیا دشمن جو کی اُس پر محبت کی نگاہ ! دیدۂ الفت مگر چشم عداوت ہو گیا

دور فلک ستمگر جب جب مدعا تھا آہوں میں بھی اثر تھا نالہ بھی تب رسا تھا

ستم ڈھانے کو میرے پاس بتیابانہ آتے ہیں
کمند گردن خوبان ہے ہر نقش قدم میرا

اِک زخم دلکو اور لگا واہ رے نصیب دشمن بھی رات میری طرح بیقرار تھا

وفا۔ نواب میر ابراہیم علیخاں

میر ابراہیم علیخاں نام تھا۔ وفا تخلص کرتے تھے۔ سورت کے

رئیس تھے۔ ۷ اکتوبر ۱۸۶۵ء کو جب مرزا نواب کلب علیخاں مرحوم فرمانروائے رامپور کے جشن مسند نشینی میں شرکت کیلئے روانہ ہوکر ۸ جنوری ۱۸۶۶ء کو بعد اختتام جشن مسند نشینی دہلی واپس آئے تو ایک خط سید احمد حسن مودودی کا ملا جس میں نواب میر غلام باباخاں کا خط سفارشی رکھا ہوا تھا اور تحریر تھا کہ نواب میر ابراہیم علیخاں وفا اور میر عالم علیخاں کے کلام پر اصلاح دیدیا کیجیے۔ مرزا نے خط پڑھا اور سید احمد حسن صاحب کو جواب لکھا کہ "نواب میر غلام باباخاں میرے دوست اور میرے محسن ہیں۔ راہ و رسم نامہ و پیام باہم گرجاری ہے انکا حکم بے تکلف مانونگا۔ جناب میر ابراہیم علیخاں صاحب اور حضرت میر عالم علیخاں کی خدمت گزاری کو اپنا فخر و شرف جانونگا۔ اسوقت بکس کھولا ہے خطوط اطراف و جوانب دیکھ رہا ہوں پہلے حضرت کے خط کا جواب بطریق اختصار لکھا ہے" اس سے پتہ چلتا ہے کہ وفا ۱۸۶۶ء میں مرزا کے شاگرد ہوئے اور بعدہ میر اور ان کے ہموطن دوست میر عالم علیخاں برابر مرزا سے انکے حین حیات تک اصلاح لیتے رہے۔ مرزا اپنی فطرتی مروت اور اخلاق کیوجہ سے انپر بھی مہربان ہوگئے اور بجان و دل اس خدمت کو انجام دیتے رہے یہ حضرات بھی مرزا کو مالی امداد پہونچاتے رہے جسکا خطوط سے پتہ چلتا ہے۔

میاں دادخاں سیاح کی معرفت مرزا صاحب نے اپنی تصویر بھیجی۔ اور وفا نے اپنی تصویر مرزا صاحب کو بھیجی تھی جسکا یوں ذکر کرتے ہیں "تصویر تھہر تصویر مجھے پہونچی اور میں نے رسید لکھ بھیجی عجب ہے کہ آپ کو اسکے پہونچنے

میں تردد ہے۔ امسال فقیر نے جو اپنی خاکساری کا خاکا یعنی تصویر منشی میاں داد خاں کی معرفت نذر کی ہے۔ یقین ہے وہ بھی پہونچی ہوگی۔"

نواب صاحب کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو مرزا نے ایک رنگین عبارت ایک رباعی اور ایک قطعہ تہنیت کا خود لکھا۔ اور بہاری لال مشتاق مالک مطبع اکمل المطابع اور فخر الدین منیجر مطبع سے بھی تاریخیں لکھوائیں اور اکمل الاخبار میں شائع کرائیں۔ مرزا کی رباعی اور قطعہ یہ ہے ؎

رُباعی

حق داد بہ سید زپے انعامش	فرخ پسرے کہ واجب است اکرامش
تاریخ ولادتش بود بے کم و بیش	ارشاد حسین خاں کہ باشد نامش
	۱۲۸۵ھ

قطعہ

غالب چو سال سنین ہجری	معلوم کن از خجستہ فرزند ۱۲۰۹
چوں یک صد و بست و چار ماند	آنست شمار عمر دلبند

۱۲۰۹ میں سے سنہ ولادت کے ۱۲۸۵ لیے تو ایک سو چوبیس بچے اون کو دعائے عمر مولود قرار دیا۔

ملبند ولیت بچشم جہان شدیم چہ شد ۔ زمین شدیم چہ شد ۔ آسمان شدیم چہ شد
بہ ہیچ رنگ درین گلستان قرار نیست ۔ تو نوبہار شدی ما خزان شدیم چہ شد
غالب